فکر و نظر

لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی (ر)

ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارہ بسالت

کی

رو برو گفتگو ، گزارشات و مقالہ جات

1982 تا 1987

آؤ احتساب کریں۔ پاکستان کی بقا احتساب میں ہے

PCL
PUBLISHING HOUSE

Marfat.com

Marfat.com

فکر و نظر

لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی (ر)

ہلال امتیاز (ملٹری)، ستارہ بسالت

کی

دوبدو گفتگو ، گزارشات و مقالہ جات

حصہ اوّل

(1982 تا 1987)

حالاتِ پاکستان پر پُر خلوص تبصرہ،
حقیقتوں، فکر و نظر کا سامان

PCL پبلشنگ ہاؤس

1-اکبر روڈ، راولپنڈی کینٹ

Marfat.com

انتساب!

فطرتاً سچ بولنے والے

پاکستانیوں کے نام

Marfat.com

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب	......	فکرونظر
مؤلف	......	عاصم علی فیض چشتی
ناشر	......	PCL پبلشنگ ہاؤس، 1-اکبر روڈ راولپنڈی کینٹ
آئی ایس بی این	......	ISBN: 978-969-463-001-4
صفحات	......	228
تعداد	......	1000
قیمت	......	260/- روپے
اشاعت	......	اوّل
موسم اشاعت	......	جنوری 2010ء
ملنے کا پتہ:	......	2-A سرور روڈ، نزد عسکری کالج
		راولپنڈی کینٹ 46000
فون:	......	051-5583612
فیکس:	......	051-5515516
ای میل:	......	faizasim@hotmail.com

Marfat.com

پیش لفظ

لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی کا نام قومی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ 13 جون 1927ء کو جالندھر (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول جالندھر اور فیروزپور سے حاصل کرتے ہوئے میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول فاضلکا (ہندوستان) اور ایف اے منشی رام کالج فاضلکا (ہندوستان) سے کیا۔ بی اے کے لئے رام سکھ داس کالج فیروزپور میں زیر تعلیم ہوتے ہوئے United Services Pre-Cadet College Belgaum (India) اور Officers Training School, Banglore (India) سے ٹریننگ حاصل کرتے ہوئے School of Artillery, Deolali (India) سے 13 جولائی 1947 کو بطور سیکنڈ لیفٹننٹ Royal Indian Artillery میں Kings Commission لے کر اپنی عسکری زندگی کا آغاز کیا۔ آزادیٔ ہندوستان اور قیام پاکستان پر انہوں نے اطمینان کلی اور یقین کامل کے ساتھ اپنے اختیار انتخاب کا حق استعمال کرتے ہوئے ہندوستانی فوج میں سروس جاری رکھنے کی بجائے قائداعظم محمد علی جناح کی 11 اگست 1947ء کی آئین ساز اسمبلی کی تقریر کے مدنظر پاکستان کی فوج میں شمولیت کو ترجیح دی تاکہ وہ اسلامی اقدار (۱) کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔ اس کے لئے وہ نومبر 1947 میں بمبئی سے کراچی بذریعہ بحری جہاز اور پھر کراچی سے راولپنڈی اپنی یونٹ 3 Field Regt RPA (موجودہ 2 Fd Regt) میں حاضر سروس ہوئے۔

---

۱ قائداعظم نے 25 جنوری 1948ء کو کراچی بار سے خطاب میں فرمایا: ''اسلام اور اس کی بلند نظری نے جمہوریت سکھائی ہے۔ اسلام نے مساوات سکھائی ہے اور ہر شخص سے انصاف اور رواداری کا حکم دیا ہے۔''

Marfat.com

وہ پنجاب یونیورسٹی، کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ اور بری کمانڈ اینڈ سٹاف کالج استنبول (ترکی) کے تحصیل شدہ گریجویٹ ہیں۔ ترکی زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ تدریس کے لئے خود چار سال سکول آف آرٹلری اور دو سال سٹاف کالج میں انسٹرکٹر رہے۔

یوں تو قوموں کی تاریخ جرنیلوں کے تذکرے کے بغیر کبھی بھی مکمل نہیں ہوتی لیکن کچھ جرنیل غیر متوقع طور پر حالات کی وجہ سے تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں کہ ان کے بعض کارنامے ملک کی تاریخ پر گہرے نقش چھوڑتے ہیں جن کا تذکرہ ان کے سیاسی کردار کے باعث ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ان میں سے شاید ایک نام جنرل فیض علی چشتی کا بھی ہے۔ وہ 1977ء میں راولپنڈی میں 10 کور کمانڈر تھے۔ اسی حیثیت سے ان کو جنرل محمد ضیاء الحق COAS نے ''آپریشن فیئر پلے'' کی منصوبہ بندی اور اس پر عملدرآمد کا حکم دیا۔ جس کو انہوں نے بغیر کسی خون خرابے کے عملی جامہ پہنایا۔ اس سے پہلے وہ کمان کی تقرریوں میں ڈویژنل آرٹلری کمانڈر، انفنٹری بریگیڈ کمانڈر، انفنٹری ڈویژن کمانڈر کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ ان کو جی ایچ کیو میں اہم سٹاف عہدوں پر فرائض ادا کرنے کا بھی اعزاز حاصل تھا۔ انہوں نے 1969-70 میں بطور ڈپٹی ڈائریکٹر ملٹری ٹریننگ، 1970-71 میں بطور ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ، 1974-76 میں بطور ملٹری سیکرٹری خدمات سرانجام دیں۔

انہیں آزاد کشمیر رجمنٹ کے کرنل کمانڈنٹ منتخب ہونے کا بے مثال شرف بھی حاصل ہے کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ جب کسی انفنٹری رجمنٹ نے ایک غیر انفنٹری جرنیل کو اپنا کرنل کمانڈنٹ چنا ہو۔ انہوں نے 1947/48، 1965 اور 1971 کی پاک بھارت جنگیں اگلے مورچوں پر لڑیں۔ 30 مارچ 1980ء کو اپنی لیفٹننٹ جنرل کے عہدے کی چار سالہ معیاد پوری کرنے پر حاضر ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ ملازمت کے دوران انہیں ہلال امتیاز (ملٹری) اور ستارہ بسالت کے تمغے عطا ہوئے۔ جنرل محمد ضیاء الحق کی مارشل لاء حکومت کے دوران اپنے 10 کور کمانڈر کے فرائض کے ساتھ ساتھ انہوں نے مندرجہ

Marfat.com

ذیل خدمات بھی سرانجام دیں۔ [1] (1969ء مارشل لاء میں وہ کراچی سب سیکٹر کے کمانڈر اور سپیشل ملٹری کورٹ کے پریزیڈنٹ رہ چکے تھے):۔

ا۔ اپریل 1978 سے جولائی 1978 تک چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر بحیثیت وفاقی وزیر برائے اسٹیبلشمنٹ، وفاقی معائنہ کمیشن اور محتسب اعلیٰ، انچارج کشمیر وشمالی علاقہ جات۔

ب۔ جولائی 1978 سے اگست 1978 تک مندرجہ بالا محکموں کے وفاقی وزیر اور رکن وفاقی کابینہ رہے۔

جب اگست 1978 میں وفاقی کابینہ کی تشکیل نو ہوئی اور سیاستدانوں کو بطور وفاقی وزیر شامل کیا گیا تو انہوں نے سیاستدانوں کے ہمراہ وزیر بننے سے معذرت کرتے ہوئے انکار کر دیا۔

ج۔ اپریل 1979 سے مارچ 1980 تک وفاقی وزیر برائے محنت و افرادی قوت، بیرون ملک پاکستانی، پٹرولیم و قدرتی وسائل، آزاد کشمیر وشمالی علاقہ جات۔ (30 مارچ 1980 کو فوج سے ریٹائرمنٹ پر انہوں نے تینوں وزارتوں سے بھی استعفیٰ دے دیا کیونکہ ان کا موقف تھا کہ جب فوج سے ان کا حاضر ملازمت کا رشتہ ختم ہو گیا تو پھر CMLA کی حکومت میں رہنے کا کوئی قانونی جواز نہیں تھا۔ وہ وزیر اس لئے تھے کہ وہ حاضر سروس جرنیل تھے)۔

د۔ اگست 1977 سے اگست 1978 اور پھر اپریل 1979 سے مارچ 1980 تک چیئرمین الیکشن سیل رہے۔

جنرل فیض علی چشتی سیر و سیاحت کے بہت دلدادہ ہیں۔ عملی زندگی میں ان کو بے شمار ممالک

---

[1] سیکٹر کا علاقہ ناظم آباد، لیاقت آباد، گولی مار اور لالو کھیت تھا۔ ناظم آباد میں خیابان چشتی ان ہی کی خدمات کے مدنظر کراچی بلدیہ نے نامزد کیا تھا۔

Marfat.com

میں جانے کا اتفاق ہوا جن میں آسٹریا، ابوظہبی، بلجیئم، بوٹسوانہ، ڈنمارک، اتھوپیا، برطانیہ، فرانس، جرمنی، کنیڈا، یونان، اٹلی، بھارت، عراق، ایران، کینیا، کویت، لبنان، مالٹا، موزمبیق، ناروے، سعودی عرب، ترکی، امریکہ، متحدہ عرب امارات، یوگوسلاویہ اور زمبابوے شامل ہیں۔اپنی ملازمت کے دوران انہوں نے وفود کے سربراہ کی حیثیت سے مندرجہ ذیل بیرون ملک دورے کئے۔

ا۔ 1970 میں ابوظہبی.....انٹرسروسز ٹریننگ ٹیم

ب۔ 1976 میں برطانیہ ..... انٹرسروسز ٹریننگ وفد برائے برطانوی فوج کے سازوسامان کی نمائش

ج۔ 1977 میں صومالیہ.....انٹرسروسز ٹریننگ ٹیم

د۔ 1979 میں سعودی عرب اور چین.....محنت اور بیرون ملک خیر سگالی وفد

ک۔ 1980ء میں کنیڈا.....انسٹی ٹیوٹ برائے امہ اسلامیہ سٹڈیز

فوج سے ریٹائرمنٹ اور وفاقی وزارتوں سے استعفیٰ کے بعد انہوں نے دو سال کی قانونی زبان بندی پر عمل کیا۔پھر 1982ء سے لے کر تا حال اللہ نے ان کو ہمت دی کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار بے خوف کرتے رہے ہیں۔انٹرویز بھی دیئے، بیانات بھی دیئے، پریس کانفرنسیں بھی کیں، گزارشات بھی تحریر کیں۔جب جنرل محمد ضیاء الحق 17 اگست 1988ء تک پاکستان میں سیاہ وسفید کے مالک تھے تو جنرل فیض علی چشتی ان کے خلاف کھڑے ہوئے۔ان کو نہ کوئی ترغیب خرید سکی اور نہ ہی کوئی تجدید انہیں ڈرا سکی نہ ان کو وزیر رہنے کی ہوس تھی اور نہ ہی پھر سے سرکاری بننے کا شوق پیدا ہوا تھا۔

اقتدار سے الگ ہونے کے بعد عوامی اور سیاسی حلقوں میں ان کی شخصیت اور ان کے مستقبل کے بارے میں عوام کو تجسس اور دلچسپی تھی کیونکہ ان کے ساتھ کئی ایک ایسی باتیں منسوب تھیں

Marfat.com

جن کے بارے میں لوگ جاننا چاہتے تھے۔ یہ جاننے کے لئے جناب زاہد ملک ایڈیٹر حرمت، جناب اسداللہ غالب ایڈیٹر نوائے وقت میگزین، جناب مجیب الرحمٰن شامی ایڈیٹر قومی ڈائجسٹ، جناب ادیب جاودانی ایڈیٹر مون ڈائجسٹ نے ان سے کئی مرتبہ بات چیت کی۔ گفتگو کے دوران جنرل چشتی نے کھل کر اظہار خیال کیا۔ بعض حقائق کا انکشاف کیا۔ پہلی گفتگو 1982ء میں ہوئی۔ وہ اپنی گزارشات روزنامہ جنگ میں چھپواتے رہے۔ وہ CMLA اور صدر کی ذات پر بے باک اور پرجوش انداز میں تنقید کرتے رہے۔ جب میر خلیل الرحمٰن صاحب نے پانچویں تحریر چھاپنے سے معذرت کر لی تو پھر انہوں نے کتاب لکھنی شروع کر دی۔

Betrayals of Another Kind.

(Islam, Democracy and the Army in Pakistan) کے نام سے اور پھر ''بھٹو، ضیاء اور میں'' کے نام سے شائع ہوئیں۔

اب زیر نظر کتاب ''فکر و نظر'' جنرل فیض علی چشتی کے بیانات، پریس کانفرنس، انٹرویوز اور تحریروں پر مشتمل ہے جو مختلف اخبارات میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئیں۔ یہ پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک حصہ ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تاریخ کا کوئی بھی طالب ان تحریروں کو نظر انداز کر کے پاکستان کی تاریخ قلمبند کرنے کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔ انٹرویوز اور اخبارات میں شائع ہونے والی تحریریں قارئین کے لئے برائے مطالعہ جوں کی توں پیش ہیں۔ لہذا ''فکر و نظر'' حصہ اول (1982-1987) پیش خدمت ہے۔ یہ وہ دور ہے جب جنرل محمد ضیاء الحق بقید حیات تھے۔ تو پھر یہ کہنا کہ جنرل چشتی ضیاء کی زندگی میں کیوں نہ بولے بے معنی ہے۔ ان میں اخلاقی جرأت تھی کہ انہوں نے مجاہدانہ رویہ اختیار کیا۔

یقیناً اس کا مطالعہ پاکستانیوں کے ذہن میں بہت سی غلط فہمیوں کو نکال کر ایک ایسا راستہ ہموار

Marfat.com

کرے گا جس میں کانٹے اور پتھر بچھانے کے لئے جنرل ضیاء الحق اور ان کے جیسے دیگر رفقاء آمروں نے بہت محنت کی اور قوم کے دل میں فوج کو ایک قابض اور آمر ادارے کے طور پر اجاگر کیا۔

کہتے ہیں کہ پورا سچ بولنے کے لئے اخلاقی جرأت، توفیق للہ، مکمل یقین اور یکسوئی درکار ہوتی ہے جو حسن کردار سے پھوٹتی ہے۔ حسن کردار صبر اور سچائی پر قائم رہنے سے اجاگر ہوتا ہے دو عملی اور منافقت سے نہیں اور نہ ہی جھوٹی انا، ضد اور اپنے محاسن کے گن گانے سے بلکہ اعلیٰ ظرفی سے یہ اپنی غلطیوں پر غور کرنے سے۔ تو پھر دیکھیں کہ ''فکر و نظر'' حصہ اوّل کس معیار پر اترتی ہے۔ یاد رکھیں کہ پیشہ ور صحافی چبھتے ہوئے سوال کر کے سچائی اگلوا ہی لیتے ہیں۔ بقول حضرت بلھے شاہ:

''کدی سچی گل وی لکدی اے''

ہم جناب زاہد ملک، اسد اللہ غالب، مجیب الرحمٰن شامی اور جناب ادیب جاودانی کے مشکور ہیں کہ انہوں نے وقت نکال کر جنرل چشتی سے گفتگو کی۔ ایماندار محقق پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سچ اور جھوٹ کی تفریق کے سلسلے میں ذاتی پسند اور ناپسند سے بالاتر ہو کر حقیقت کو عیاں کرے، جس کی انہوں نے بہت کوشش کی۔

انشاء اللہ ''فکر و نظر'' کا حصہ دوئم بھی جلد پیش کریں گے۔

عاصم علی فیض چشتی

مؤلف

جنوری 2010ء

Marfat.com

فہرست

گفتگو

نمبر شمار	تفصیل	صفحہ نمبر
۱	انتخابات حکومت نے نہیں سیاستدانوں نے ملتوی کرائے	1
۲	سوشل سیکورٹی کی رقم حاصل کرنے کے لئے بات چیت ہونی چاہئے	12
۳	۴ جولائی کی رات کو میں کسی کو بھی گولی سے اڑا سکتا تھا	16
۴	انتقالِ اقتدار کیسے طرح ممکن ہے؟	26
۵	جنرل چشتی کے الزامات/انکشافات	45
۶	میرے پاس بھٹو کے قتل کا اوپن چیک موجود تھا	63
۷	جیل میں بھٹو پر تشدد کے سلسلہ میں میرا نام کیوں آیا؟	97
۸	مصطفیٰ کھر خوش فہمی میں مارا گیا۔	119
۹	کیا مارشل لاء لگانے میں خود وزیراعظم بھٹو کا اشارہ موجود تھا؟	124

Marfat.com

گزارشات

نمبر شمار	تفصیل	صفحہ نمبر
۱	میں نے اپنے دورِ وزارت میں لیبر پالیسی تیار کر لی تھی	157
۲	قابلِ عمل حل تلاش کریں (ترجمہ: پریس کانفرنس راولپنڈی ۱۶ جولائی ۱۹۸۳ء)	164
۳	غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات سیاسی اداروں اور جماعتوں کو منہدم کر دیں گے (پریس کانفرنس ۱۳ جنوری ۱۹۸۵ء، ہلٹن ہوٹل لاہور)	171
۴	چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے عام انتخابات کرانے کی اجازت نہ دی (ترجمہ: پریس کانفرنس، ۲۵ اپریل ۱۹۸۵ء، لاہور)	176
۵	تعمیری احتساب بنیادی اہمیت رکھتا ہے (لاہور میں ۲۵ اپریل ۱۹۸۵ء کا تحریری بیان)	180
۶	فغان مسئلہ سے بہت محتاط طریقے سے نپٹنا چاہئے (ترجمہ: لاہور میں ۱۵ مئی ۱۹۸۵ء کا بیان)	189

Marfat.com

لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی کے روزنامہ جنگ کیلئے تحریر شدہ مقالہ جات

نمبر شمار	تفصیل	صفحہ نمبر
۱	آؤ احتساب کریں..... پاکستان کی بقاء احتساب میں ہے۔ مارچ ۱۹۸۶	194
۲	آؤ احتساب کریں..... سیاچن گلیشیر : اصل مسئلہ کیا ہے؟ مارچ ۱۹۸۶ء	205
۳	آؤ احتساب کریں..... مارشل لاء کی تکرار کیوں ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء	213
۴	آؤ احتساب کریں..... نظامِ تعلیم، مئی ۱۹۸۶ء	222

Marfat.com

انتخابات حکومت نے نہیں سیاستدانوں نے ملتوی کرائے

حوالہ اشاعت ..... ہفت روزہ حرمت ۱۸ تا ۲۴ فروری ۱۹۸۲

انٹرویو لینے والے ..... جناب زاہد ملک، ایڈیٹر حرمت و
جناب جاوید صدیق رکن، ایڈیٹوریل بورڈ، حرمت

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

سابق وفاقی وزیر لیفٹننٹ جنرل ریٹائرڈ فیض علی چشتی موجودہ مارشل لاء حکومت کے انتہائی اہم رکن رہے ہیں۔ ۵ ؎ جولائی ۱۹۷۷ء سے مارچ ۱۹۸۰ء میں حکومت سے مستعفی ہونے تک کابینہ میں ان کے پاس چار وزارتوں کے قلمدان رہے ہیں۔ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں ملک میں انتخابات کرانے کے لئے جو الیکشن سیل قائم کیا تھا، ریٹائرڈ جنرل چشتی اس سیل کے بھی سربراہ تھے۔ حکومت کے اہم عہدیدار ہونے اور الیکشن سیل کے انچارج ہونے کے ناطے وہ تین سال تک موجودہ حکومت کے ایک اہم ستون تصور ہوتے رہے، بعض حلقے انہیں اس دور کا ''مرد آہن'' بھی قرار دیتے ہیں۔ اس وقت بھی ان کے بارے میں عوامی حلقوں میں تجسس پایا جاتا تھا جب وہ حکومت میں تھے اور اقتدار سے الگ ہونے کے بعد ریٹائرڈ جنرل چشتی کے بارے میں عوامی اور سیاسی حلقوں میں ان کی شخصیت اور ان کے مستقبل کے بارے میں تجسس اور دلچسپی میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان کے ساتھ کئی ایسی باتیں اور واقعات منسوب ہیں جن کے بارے میں لوگ جاننا چاہتے ہیں۔ پچھلے دنوں

؎ (۱۴ اگست ۱۹۷۸ء کو جب سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کو کابینہ میں شامل کیا گیا، جنرل چشتی کابینہ میں وفاقی وزیر نہیں بنے تھے۔ لہٰذا ۱۴ اگست ۱۹۷۸ء سے ۲۹ اپریل ۱۹۷۹ء تک وہ صرف کور کمانڈر تھے۔)

Marfat.com

کراچی کے ایک اخبار میں ان سے منسوب ایک مختصر سا بیان چھپا تو پورا ملک چونک گیا اور اب یہ قیاس آرائی کی جارہی ہے کہ ریٹائرڈ جنرل چشتی سیاست اور قومی امور کے بارے میں اپنی خاموشی کو توڑنے والے ہیں۔ یہ جاننے کے لئے کہ ریٹائرڈ جنرل چشتی کیا سوچ رہے ہیں؟ قومی معاملات کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے؟ اور وہ مستقبل میں کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ''حرمت'' کے ایڈیٹر جناب زاہد ملک اور ایڈیٹوریل بورڈ کے رکن جناب جاوید صدیق نے چشتی صاحب سے راولپنڈی میں پشاور روڈ پر واقع ان کی خوبصورت قیام گاہ پر ان سے اڑھائی گھنٹے تک غیر رسمی بات چیت کی۔ گفتگو ہلکے پھلکے جملوں سے شروع ہو کر سنجیدہ اور گھمبیر قومی امور تک پھیل گئی جس میں چشتی صاحب نے کہیں کہیں کھل کر اور کہیں کہیں اشاروں اور کنایوں میں اظہار خیال کیا۔ اڑھائی گھنٹے کی اس گفتگو کا بڑا حصہ اس وقت اس لئے شامل اشاعت نہیں کیا جارہا کہ جنرل صاحب کی خواہش کے احترام میں اسے ''آف دی ریکارڈ'' رکھا جارہا ہے۔ گفتگو کے بعض حصے ان کی اجازت سے شائع کئے جارہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اہم نکات

☆ انتخابات اور الیکشن سیل (Election Cell)

☆ قومی حکومت.....جتوئی صاحب کو وزیر اعظم بننا تھا

☆ حکومت سے استعفیٰ

☆ المیہ مشرقی پاکستان

☆ انتخابات

☆ معاہدۂ عدم جارحیت

☆ روس بھارت گٹھ جوڑ

☆ حال کی مصروفیات اور مستقبل کے عزائم

☆ ترقی پذیر ملک اور حکومت

☆ ایجی ٹیشن کی سیاست ملک کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے

Marfat.com

شائع شدہ مکمل روداد

انتخابات اور الیکشن سیل:

حرمت: بعض سیاستدان یہ کہہ رہے ہیں کہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات ملتوی کرانے میں الیکشن سیل نے بھی بڑا کام کیا تھا۔ آپ چونکہ اس سیل کے انچارج تھے۔ اس اعتبار سے ساری بات آپ پر آتی ہے، کیا واقعی الیکشن سیل کا انتخابات ملتوی کرانے میں ہاتھ تھا؟

جنرل چشتی: یہ بالکل غلط ہے۔ میں اس وقت الیکشن سیل کا انچارج تھا۔ میرے علاوہ جنرل راؤ فرمان علی، جنرل جمال سعید میاں اور جنرل احسان الحق ملک اس سیل کے ممبر تھے۔ ہم نے کبھی کسی لیڈر یا سیاستدان سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ باہر جا کر انتخابات ملتوی کرنے کا مطالبہ کریں، یہ سیل صدر کی ہدایت پر قائم کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ انتخابات کے مسئلہ پر سیاستدانوں سے جو بات چیت ہو اس کی تفصیل سے صدر کو آگاہ کر دیا جائے چونکہ صدر اور سی ایم ایل اے کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ خود سیاستدانوں سے ملاقات کریں چنانچہ ایک سیل قائم کیا گیا تھا جو سیاستدانوں سے صلاح و مشورہ کرتا تھا اور سیاستدانوں کی رائے سے صدر کو آگاہ کر دیتا تھا۔

یہاں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا شروع ہی سے یہ نقطہ نظر رہا ہے کہ ہمارے ملک میں حکومت خود نہیں جاتی بلکہ نکالی جاتی ہے۔ سکندر مرزا، ایوب خان، یحییٰ خان اور بھٹو سب کو عوام نے نکالا تھا۔ لیاقت علی خان کو گولی لگی تھی، وہ بھی میں سمجھتا ہوں ''نکالنے'' ہی کے زمرے میں آتا ہے۔ میں یہ کہتا رہا ہوں کہ ہمیں ایک بہتر اور صحت مند روایت ڈالنی چاہئے۔ میرا خیال تھا کہ قبل اس کے کہ عوام ہمیں نکال باہر کریں ہمیں خود عزت سے چلے جانا چاہئے اور عزت سے جانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ملک میں انتخابات کرائے جائیں۔

Marfat.com

بطور انچارج الیکشن سیل کے میرا یہی نقطہ نظر تھا۔ ہم لیڈروں سے ملتے تھے۔ بعض لیڈر ہم سے خود ملتے تھے اور بعض لیڈروں کو ہم بلاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض سیاستدان خود آ کر ہمیں کہتے تھے کہ انتخابات ملتوی ہونے چاہئیں۔

حرمت: آپ ان سیاستدانوں کے نام بتائیں گے۔

جنرل چشتی: میں ان کے نام نہیں بتانا چاہتا۔ اس طرح خواہ مخواہ بیان بازی شروع ہو جائے گی۔ جبکہ میں اس بیان بازی سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک الیکشن سیل کا تعلق ہے اس نے کبھی کسی سے یہ نہیں کہا کہ وہ باہر جا کر انتخابات ملتوی کرنے کا مطالبہ کریں، جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ الیکشن سیل کی کوشش تھی کہ ایسے حالات پیدا ہوں کہ حکومت خود چلی جائے 'ہم انتخابات کروا دیں اور انتقال اقتدار ہو جائے۔ ایجی ٹیشن کی سیاست ملک کے لئے انتہائی نقصان دہ ہوتی ہے، الیکشن سیل کوشش کر رہا تھا کہ انتخابات کے لئے فضا سازگار ہو جائے، بہرحال میں یہ بھی واضح کرتا ہوں کہ الیکشن سیل نے کسی سیاستدان یا لیڈر سے انتخابات ملتوی کرنے کا مطالبہ کرنے کے لئے نہیں کہا تھا۔

قومی حکومت: جتوئی صاحب کو وزیراعظم بننا تھا

حرمت: آپ جب حکومت میں شامل تھے تو اس وقت قومی حکومت کے قیام کی تجویز بھی سامنے آئی تھی۔ اس تجویز پر عملدرآمد کیوں نہ ہو سکا؟

جنرل چشتی: انتخابات نہ ہو سکیں تو انتقال اقتدار کا ایک طریقہ عبوری قومی حکومت کی تشکیل ہوتا ہے۔ ایک عبوری قومی حکومت انتخابات کرا سکتی ہے۔ الیکشن کرانا فوجی حکومت کے لئے آسان کام نہیں ہوتا۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں نیشنل گورنمنٹ بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس مقصد کے حصول کے لئے خاصی پیش رفت بھی ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں جتوئی صاحب سے بات چیت ہوئی تھی۔ اس فیصلہ کے مطابق جتوئی صاحب کو وزیراعظم بننا تھا لیکن بدقسمتی سے قومی

Marfat.com

حکومت نہ بن سکی۔

حکومت سے استعفیٰ

حرمت: آپ نے حکومت سے استعفیٰ دیا تھا تو اس کی بہت سی تعبیریں کی گئی تھیں۔ استعفیٰ دینے کی اصل وجہ کیا تھی؟

جنرل چشتی: جب مجھے فوج سے ریٹائر کیا گیا تھا تو میں نے وزارت بھی چھوڑ دی۔ یہ ایک اصولی فیصلہ تھا۔ حکومت میں مجھے اس لئے وزیر بنایا گیا تھا کہ میں ایک فوجی جرنیل تھا۔ میں سیاستدان نہیں تھا اور نہ ہی میں کوئی ٹیکنوکریٹ تھا۔ جب مجھے فوج سے ریٹائر کر دیا گیا تھا تو پھر وزیر رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں تھا اس لئے میں نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اپنے استعفیٰ کی وجوہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ میں نے ملک کے مفاد کی خاطر استعفیٰ دیا تھا۔ میں نے اصولوں پر پہلے بھی کبھی سمجھوتہ نہیں کیا اور نہ آئندہ کبھی کروں گا۔ جب میں جنرل نہیں ہوں تو وزیر کیسے رہ سکتا ہوں۔

المیہ مشرقی پاکستان

حرمت: حرمت نے المیہ مشرقی پاکستان پر راؤ فرمان علی کا انٹرویو شائع کیا تھا۔ آپ کے نظر سے یہ انٹرویو گزرا ہوگا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سانحہ پر آپ اظہار خیال کریں گے؟

جنرل چشتی: میں نے وہ انٹرویو پڑھا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا موضوع ہے۔ اس پر تفصیلی بات چیت ہو سکتی ہے لیکن میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے ذمہ دار تھے ان کا کسی نے محاسبہ کیا؟ جب کوئی فوجی اپنے مشن میں ناکام ہوتا ہے تو اس کا کورٹ مارشل ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے ملک کا ایک بازو علیحدہ کیا ان کا کسی نے کورٹ مارشل کیوں نہیں کیا؟ کیا اس کا مطلب ہے کہ اس میں کسی کا قصور نہیں تھا۔ کسی کا تو قصور ضرور تھا۔ جو بھی قصوروار تھا اسکا محاسبہ کیوں نہیں ہوا جو کسی مجرم کا محاسبہ نہ کرے وہ خود بھی

Marfat.com

قصوروار ٹھہرتا ہے۔

حرمت: آپ کے خیال میں مشرقی پاکستان میں شکست سیاسی تھی یا فوجی؟

جنرل چشتی: یہ شکست فوجی بھی تھی اور سیاسی بھی، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مشرقی پاکستان میں فوج ناکام ہوئی لیکن فوج کے علاوہ سیاستدان بھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے ذمہ دار ہیں۔ دونوں کا قصور ہے۔

حرمت: ہمارے خیال میں یہ ایک سیاسی شکست تھی لیکن بعض لوگ زیادہ ذمہ داری اس لئے فوج پر ڈال دیتے ہیں کہ اس وقت ملک کا صدر فوجی تھا۔

جنرل چشتی: یحیٰی خان فوجی نہیں تھا وہ سویلین تھا۔ جب فوجی جرنیل ملک کا صدر بنتا ہے تو وہ فوجی نہیں رہتا وہ سویلین ہو جاتا ہے۔ ایک فوجی کمانڈر لڑائی کے محاذ پر جاتا ہے۔ جب مشرقی پاکستان میں لڑائی ہو رہی تھی اس وقت کے کمانڈر انچیف کا فرض تھا کہ وہ لڑائی کے محاذ پر جاتا اور دیکھتا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اچھا فوجی کمانڈر لڑائی میں اس جگہ ضرور جاتا ہے جہاں صورتحال سب سے زیادہ خراب ہو۔ اس وقت کا کمانڈر انچیف مشرقی پاکستان نہیں گیا، اسے وہاں جانا چاہیئے تھا۔

انتخابات

حرمت: اس وقت تمام سیاسی جماعتیں انتخابات کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ آپ کے خیال میں ملک میں انتخابات کے لئے فضا سازگار ہے۔

جنرل چشتی: مارچ ۱۹۷۷ء میں انتخابات ہوئے تھے اگر ملک میں منتخب حکومت ہوتی تو مارچ ۱۹۸۲ء میں آئین کے تحت انتخابات ہو جاتے۔ میرے خیال میں انتخابات ایک باوقار راستہ ہے جس پر چل کر کوئی بھی حکومت بے عزتی کرائے بغیر واپس جا سکتی ہے۔ اگر گزشتہ پانچ سال میں بھی ملک میں انتخابات کے لئے حالات سازگار نہیں ہو سکے اور امن عامہ کی

Marfat.com

صورتحال بہتر نہیں ہو سکی تو پھر اس کا مطلب ہے کہ انتظامی مشینری بالکل ناکام ہے۔ انتخابات کیوں نہیں ہو سکتے، انتظامیہ کو کوئی حق نہیں کہ وہ ملک کا نظم ونسق چلائے۔

معاہدۂ عدم جارحیت

حرمت: پاکستان نے بھارت کو عدم جارحیت کا معاہدہ کرنے کی پیش کش کی ہے اور اس سلسلہ میں پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر آغا شاہی نے حال ہی میں نئی دہلی کا دورہ بھی کیا ہے۔ اس پیش کش پر آپ اظہار خیال کریں گے۔

جنرل چشتی: عدم جارحیت کی پیش کش موجودہ حالات میں تو کسی حد تک سود مند ہو سکتی ہے لیکن یہ حقیقت تمام پاکستان پر واضح ہونی چاہئے کہ بھارت نے کبھی بھی ہمیں تسلیم نہیں کیا، پھر سوال یہ ہے کہ کس کو کس سے خطرہ ہے۔ اگر یہ معاہدہ ہو بھی جائے تو اس بات کی کیا ضمانت ہوگی کہ بھارت پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا۔ کوئی بھی ملک کاغذی معاہدوں کی بنیاد پر جارحیت کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ بھارت تو ہمارے بارے میں کبھی بھی نیک نیت نہیں ہو سکتا۔

روس بھارت گٹھ جوڑ

حرمت: علاقائی صورتحال آپ کے سامنے ہے۔ بھارت اور روس کے درمیان فوجی معاہدہ بھی ہے۔ بھارت افغانستان میں روسی مداخلت کی حمایت بھی کر رہا ہے اور بھارت اور روس کے مفادات بھی کوئی اعتبار سے مشترک ہیں۔ روس بھارت گٹھ جوڑ سے پاکستان کے لئے خطرہ پیدا نہیں ہو گیا؟

جنرل چشتی: پاکستان اور روس کے درمیان کوئی بھی مخاصمت علاقائی نوعیت کی نہیں ہو سکتی۔ یہ مخاصمت دراصل نظریاتی ہے۔ کمیونزم اور اسلام کے درمیان آویزش ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ ہمیں یہ جنگ جیتنا چاہئے۔ روس نے واخان کے علاقہ کو کیوں اپنے ساتھ ضم کر لیا

Marfat.com

ہے۔صرف اس لئے کہ وہ ایک ایسا راستہ چاہتا ہے پھر وہ پاکستان اور چین کے درمیان رابطہ کو بھی ختم کر سکتا ہے۔

حال کی مصروفیات اور مستقبل کے عزائم

حرمت: آپ کے بارے میں کئی قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ یہ خیال عام ہے کہ آپ مناسب وقت پر سیاست میں حصہ لیں گے۔کیا آپ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہوں گے یا کوئی نئی سیاسی جماعت بنائیں گے؟

جنرل چشتی:.....قوم کی پہلے بھی استطاعت کے مطابق خدمت کرتا رہا ہوں اور اب بھی جو کچھ ہو سکا کروں گا۔

حرمت: آجکل آپ کیا کر رہے ہیں؟

جنرل چشتی: میں نے چشتی اینڈ ایسوسی ایٹس کے نام سے ایک کمپنی بنائی ہے۔اس کمپنی کے کئی حصہ دار ہیں۔اس کمپنی نے ساہیوال میں زمین حاصل کی ہے۔اس زمین کو پلاٹ بنا کر اور اس میں پانی بجلی اور سیوریج وغیرہ کی سہولتیں فراہم کرنے کے بعد فروخت کر دیا جائے گا۔ میں دراصل اس ملک کے متوسط طبقہ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔اس ملک کا متوسط طبقہ بری حالت میں ہے۔ ہماری کمپنی نے جو زمین لی ہے اس کے پانچ اور دس مرلے کے پلاٹ بنا کر فروخت کئے جائیں گے تا کہ مڈل کلاس کے لوگوں کو سر چھپانے کی جگہ مل سکے۔اگر چہ میں نے جو کام شروع کیا ہے وہ بہت بدنام ہو چکا ہے لیکن پھر بھی میں اس کام کو صحیح خطوط پر کرنا چاہتا ہوں۔ میں غریب اور متوسط طبقہ کی تھوڑی بہت خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان کی کھال نہیں کھینچنا چاہتا اور نہ ہی ان کی چمڑی ادھیڑنا چاہتا ہوں۔

حرمت: ایک افواہ یہ ہے کہ آپ نے مشرق وسطیٰ میں کوئی کاروبار شروع کیا ہے۔کیا واقعی ایسا ہے؟

Marfat.com

جنرل چشتی: میں نے ملک کے اندر کام شروع کیا ہے۔ میں یہ پہلے بتا چکا ہوں کہ میں ملک چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گا۔ میں ملک کے اندر رہوں گا۔ ملک چھوڑ کر وہ جاتا ہے جسے کوئی خطرہ ہو۔ مجھے کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میرا دامن بالکل صاف ہے البتہ بعض لوگوں کو مجھ سے خطرہ ہے ان کی خواہش ہے کسی طرح چشتی مر جائے، ختم ہو جائے۔

حرمت: آپ سے کئی ایسے واقعات منسوب کئے جا رہے ہیں جن کے بارے میں عوام وضاحت چاہتے ہیں۔ کیا آپ وضاحت کریں گے؟

جنرل چشتی: میں اس وقت سیاست سے متعلق کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ میں وقت آنے پر سب کچھ بتا دوں گا۔

ترقی پذیر ملک اور حکومت

حرمت: ہمارے ملک میں حکومتوں کی ناکامی کے کیا اسباب ہیں؟ عوام بہت جلد حکومت سے مایوس کیوں ہو جاتے ہیں؟

جنرل چشتی: ترقی پذیر ملکوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں وسائل کی زبردست کمی ہے جبکہ عوام کی توقعات اور ان کی خواہشات کی کوئی حد نہیں۔ جب کوئی نئی حکومت آتی ہے تو عوام کی توقعات عروج پر ہوتی ہیں لیکن رفتہ رفتہ جب یہ توقعات پوری نہیں ہوتیں تو حکومت کی مقبولیت کا گراف گرنا شروع ہو جاتا ہے۔

ایجی ٹیشن کی سیاست ملک کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے

اصل میں جو بھی حکومت آتی ہے وہ یہی دعویٰ کرتی ہے کہ سارے مسائل کا حل اس کے پاس ہے اور وہ تمام مسائل حل کرنا چاہتی ہے لیکن یہ اس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہونا یہ چاہئے کہ جب کسی حکومت کی مقبولیت کا گراف گرنے لگے تو اسے خود بخود اقتدار سے علیحدہ ہو جانا

Marfat.com

چاہئے۔عوام کو ایجی ٹیشن پر مجبور نہیں کیا جانا چاہئے۔عوام اس وقت ایجی ٹیشن کرتے ہیں جب حکومت ان کی خواہشات پوری نہ کرنے کے باوجود ان پر مسلط رہنا چاہتی ہے۔

حرمت: ترقی پذیر ملکوں میں اب تو اس نظریہ کو عام کیا جارہا ہے کہ یہاں ملکی معاملات فوج کی شمولیت کے بغیر نہیں چلائے جاسکتے اور اس طرح ملکی نظم ونسق میں فوج کا ایک آئینی کردار متعین کرنے کے تجاویز پیش کی جارہی ہیں۔

جنرل چشتی: میں اس کے قطعاً خلاف ہوں۔فوج کو سیاست میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔فوج کا اپنا کام ہے۔اسے سرحدوں کی حفاظت کرنی چاہئے اور ملکی سالمیت کا دفاع کرنا چاہئے۔ جس کام کے لئے کسی شخص کو تربیت نہ دی گئی ہو وہ یہ کام نہیں کرسکتا۔فوج کا کام ''واچ ڈاگ'' کا کام ہے۔اسے یہی کام کرنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

سوشل سیکورٹی کی رقم حاصل کرنے کیلئے بات چیت ہونی چاہئے

حوالہ اشاعت ..... ہفت روزہ حرمت ۱۸ تا ۲۴ فروری ۱۹۸۲

انٹرویو لینے والے ..... جناب زاہد ملک، ایڈیٹر حرمت و
جناب جاوید صدیق رکن، ایڈیٹوریل بورڈ، حرمت

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

لیفٹننٹ جنرل ریٹائرڈ فیض علی چشتی کے پاس وفاقی وزارت محنت و افرادی قوت کا قلمدان بھی رہا ہے۔ افرادی قوت کی تنظیم و برآمد سے متعلق موجودہ حکومت کی پالیسیوں اور ان کے پس منظر کا انہیں پورا علم ہے۔ پچھلے دنوں 'حرمت' سے غیر رسمی بات چیت کے دوران جب پاکستان کی معیشت کے حوالے سے افرادی قوت کی برآمد اور بیرون ملک سے آنے والے سرمایہ کا موضوع زیر بحث آیا تو سابق وفاقی وزیر محنت و افرادی قوت نے بعض حقائق کا انکشاف کیا جو قارئین 'حرمت' کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اہم نکات

☆ میں جب وزیر تھا تو میں نے یہ مسئلہ اٹھایا تھا

☆ افرادی قوت کی برآمد کو غلاموں کی تجارت بنا دیا گیا ہے

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شائع شدہ مکمل روداد

جب میں وزیر محنت تھا میں نے یہ مسئلہ اٹھایا تھا

حرمت: بیرون ملک سے خصوصاً سعودی عرب اور خلیج کے بعض ملکوں سے آنے والے پاکستانیوں نے اپنے خطوط میں یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ ان کی تنخواہ سے سوشل سیکورٹی کی مد میں جو ۵ فیصد رقم کاٹی جاتی ہے اور آجروں کی طرف سے کارکن کے نام ۸ فیصد جو مزید رقم بطور سوشل سیکورٹی جمع کرائی جاتی ہے وہ پاکستانی کارکنوں کو معاہدہ ملازمت ختم ہونے پر واپس نہیں کی جاتی۔ اس طرح پاکستان سالانہ کروڑوں روپیہ کے زرمبادلہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

آپ نے اپنی وزارت کے دوران اس مسئلہ کے حل کے لئے کیا کیا تھا؟

جنرل چشتی: جب میں وزیر تھا تو میں نے سعودی وزیر محنت سے بات کی تھی اور یہ مسئلہ اٹھایا تھا۔ کارکنوں کے نام پر سوشل سیکورٹی کی جو رقم کاٹی جاتی ہے وہ پاکستان کا پیسہ ہے۔ پاکستان کو ملنا چاہئے۔ میں نے اس سلسلہ میں کافی پیش رفت کی تھی۔ لیکن اب معلوم نہیں صورتحال کیا ہے۔ سعودی لیبر قوانین کے تحت جب کوئی کارکن ساٹھ سال کا ہو جائے تو اسے یہ رقم دی جاتی ہے۔ اگر سعودی لیبر لاز کے تحت ہی فیصلہ کیا جائے تو پھر بھی یہ رقم پاکستان کی حکومت کو اس وقت مل جانی چاہئے جب یہ کارکن ملازمت ختم کرنے کے بعد آتے ہیں۔ اس طرح حکومت کے پاس ان کارکنوں کا پورا ریکارڈ ہونا چاہئے۔ جب وہ کارکن ساٹھ سال کا ہو تو اسے یہ رقم دے دی جائے۔

اس دوران یہ رقم حکومت کو قومی منصوبوں کیلئے استعمال کرنا چاہئے۔ یہ انتہائی اہم معاملہ ہے اس پر ضرور بات ہونی چاہئے۔ ہمارے موجودہ وزیر محنت کو اس مسئلہ کو اٹھانا چاہئے۔ اس وقت اربوں روپیہ کا زرمبادلہ جو بنیادی طور پر پاکستان کا ہے۔ سوشل سیکورٹی کے نام پر باہر

Marfat.com

پڑا ہوا ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا جا رہا ہے۔

حرمت: جنرل صاحب، نجی شعبہ میں کام کرنے والے پروموٹرز جو ملک سے افرادی قوت کی برآمد کا بڑا ذریعہ بھی ہیں، اس بات پر شاکی ہیں کہ وہ جو ڈیمانڈ کسی دوسرے ملک کے سرکاری شعبہ سے لاتے ہیں، اس میں سے انہیں ۵۰ فیصد ڈیمانڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ کارپوریشن کو دینا پڑتی ہے۔ آپ کے خیال میں یہ ناانصافی ہے؟

جنرل چشتی: میرے خیال میں اس بات کا صحیح تجزیہ ہونا چاہئے۔ اوورسیز ایمپلائمنٹ کارپوریشن سرکاری شعبہ میں کام کرنے والا ادارہ ہے اور یہ ادارہ پاکستانیوں کو بیرون ملک روزگار دلا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پروموٹرز سرکاری شعبہ کی ڈیمانڈ کیوں لاتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ او ایس سی یہ ڈیمانڈ حاصل کر نہیں پاتی اور اپنے فرائض سے غافل ہوتی جا رہی ہے۔ جو شعبہ ڈیمانڈ لائے اس پر اسی کا حق ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ ہمیں اپنی پالیسی اس طرح بنانی چاہئے کہ بیرون ملک ملازمت کا عرصہ دو یا تین سال تک متعین کر دیا جائے۔ اگر ایک ویلڈر یا کارپینٹر ملک سے باہر جاتا ہے اور اگر وہ پانچ یا دس سال مسلسل ملک سے باہر رہتا ہے تو اس طرح صرف ایک ہی خاندان معاشی طور پر خوشحال ہو سکتا ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ ہم دس سال میں دس مختلف افراد کو باہر بھیجیں تا کہ ایک خاندان کی جگہ دس خاندان خوشحال ہو سکیں۔ میرے خیال میں اس سلسلہ میں 'ٹرن اوور' کا عمل ضروری ہے۔

افرادی قوت کی برآمد کو غلاموں کی تجارت بنا دیا گیا ہے

حرمت: افرادی قوت کی برآمد سے پاکستان کی معیشت پر آپ کے خیال میں کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

جنرل چشتی: اس کے کوئی مثبت اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ بیرون ملک سے آنے والا روپیہ صحیح طور پر استعمال نہیں ہوا اور اس کے نتیجہ میں ایک تو افراط زر پیدا ہوئی اور دوسرا ہنر مند

Marfat.com

افراد کی کمی پیدا ہوئی ہے۔ پلاننگ نہیں کی گئی۔ ہنر مند افراد کی کمی کے باعث اندرون ملک غیر ہنر مند اور نیم ہنر مند افراد نے اپنی اجرتیں بڑھالی ہیں اور کام کے معیار میں بھی فرق پڑا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

۴ جولائی کی رات کو میں کسی کو بھی گولی سے اڑا سکتا تھا

میں نے سابق وزیراعظم کو کہا تھا کہ دوبارہ انتخابات مسئلہ کا واحد حل ہے

حوالہ اشاعت ..... ہفت روزہ حرمت ۱۶ تا ۲۳ جولائی ۱۹۸۲ء

انٹرویو لینے والے ..... جناب زاہد ملک، ایڈیٹر حرمت و
جناب جاوید صدیق رکن، ایڈیٹوریل بورڈ، حرمت

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

سابق حکومت کے وفاقی وزیر اور کالعدم پیپلز پارٹی کے سیکرٹری اطلاعات مولانا کوثر نیازی نے ۴ جولائی کے روزنامہ جنگ میں اپنے کالم ''مشاہدات و تاثرات'' میں ۴ اور ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب کی روئیداد کے بعض پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے ۴ جولائی کی رات کو ہونے والے آپریشن فیئر پلے کے بارے میں اپنی یادداشت کی بنیاد پر اپنے کالم میں جو واقعات لکھے ہیں ان میں سے بعض واقعات کے بارے میں متضاد روایات موجود ہیں۔ 'حرمت' نے قومی تاریخ کے اس اہم واقعہ کے بارے میں ریکارڈ کی صحت کیلئے 'آپریشن فیئر پلے' کے انچارج ریٹائرڈ لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی سے تفصیلی بات چیت کی۔ اس بات چیت کے بعض حصے جنرل صاحب کی خواہش پر آف دی ریکارڈ رکھے گئے ہیں جبکہ متعلقہ چند اقتباسات کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ یہ انٹرویو ہفت روزہ کے ایڈیٹر اور ایڈیٹوریل بورڈ کے سینئر رکن جاوید صدیق نے کیا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اہم نکات

☆ مارشل لاء لگانے کا فیصلہ متفقہ اور ضروری تھا۔

☆ وزیروں اور مشیروں نے بھٹو کو دوبارہ انتخابات نہیں کرانے دیئے۔

☆ فوج نے اپنی قوم پر فائرنگ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

☆ پرائم منسٹر ہاؤس اور ایف ایس ایف کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ تھا۔

☆ مارشل لاء کے نفاذ پر ملک بھر میں مٹھائیاں تقسیم کی گئی تھیں۔

Marfat.com

شائع شدہ مکمل روداد

وزیروں اور مشیروں نے بھٹو کو دوبارہ انتخابات نہیں کرانے دیئے

حرمت: جنرل صاحب آپ نے جنگ میں مولانا کوثر نیازی کا وہ کالم پڑھا ہو گیا جس میں انہوں نے ۴ اور ۵ جولائی کی درمیانی شب کو ہونے والے آپریشن کے بعض پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔

جنرل چشتی: جی میں نے نیازی صاحب کا یہ کالم دیکھا ہے۔

حرمت: آپ چونکہ 'آپریشن فیئر پلے' کے انچارج تھے۔ اس لئے آپ اس ضمن میں کچھ کہنا پسند کریں گے۔

جنرل چشتی: ۴ جولائی کے آپریشن کے بارے میں جو باتیں قومی رازوں کی ذیل میں آتی ہیں وہ تو نہیں بتائی جا سکتیں البتہ جو باتیں مفاد عامہ میں ان کے بارے میں اگر آپ پوچھیں تو میں جواب دے سکوں گا۔

حرمت: آپ کے خیال میں ملک میں مارشل لاء لگانا ناگزیر تھا اور کیا واقعہ آپ کنونسڈ تھے کہ کالعدم پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے درمیان مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں اور اب مارشل لاء کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں؟

جنرل چشتی: جناب ۷ مارچ کو انتخابات ہوئے تھے۔ ۷ مارچ سے ۴ جولائی تک اس ملک میں مسلسل حالات خراب ہوتے رہے۔ ملک میں لاقانونیت، تشدد اور غنڈہ گردی انتہاء کو پہنچ گئی تھی۔ ہم نے سابق وزیراعظم کو متعدد بار بتایا تھا کہ ملک کے حالات خراب ہو رہے ہیں۔ لہٰذا صورتحال کو ٹھیک کرنے کے لئے مناسب اقدامات کی ضرورت ہے۔ ہم نے کیبنٹ میٹنگز میں کھل کر باتیں کی تھیں اور بھٹو کو کئی بار کہا تھا کہ وہ بگڑتے ہوئے حالات کو

Marfat.com

درست کرنے کے لئے اقدام کریں۔ہم نے بہت صبر کیا تھا۔آپ کو یاد ہے کہ بارہ اپریل کو کیا ہوا تھا۔ میں نے تو کابینہ کے اجلاسوں میں واضح طور پر سابق وزیراعظم سے کہا تھا کہ ملک کی موجودہ خلفشار کا واحد حل انتخابات ہیں۔آپ دوبارہ انتخابات کرائیں تو آپ الیکشن جیت سکتے ہیں اور دوبارہ اقتدار میں آسکتے ہیں۔ لیکن ہماری بات نہیں سنی گئی میرے علاوہ بھی ایک جرنیل نے بھٹو کو دوبارہ انتخابات کرانے کے لئے بار بار کہا تھا۔

حرمت: بھٹو صاحب نے ان باتوں کو کیوں نظر انداز کیا؟

جنرل چشتی: میرے خیال میں ان کے ساتھ چند خوشامدی وزیر تھے۔جنہوں نے ان کو دوبارہ انتخابات نہیں کرانے دیئے کیونکہ ان وزیروں کو معلوم تھا کہ وہ دوبارہ انتخابات میں کامیاب نہیں ہو سکتے لہٰذا ان کے وزیر اور مشیران کو لے ڈوبے۔کوئی بھی حکمران جب خوشامدی اور چاپلوسی مشیر اور وزیر اپنے اردگرد اکٹھے کر لیتا ہے تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔اس لئے میرے خیال میں مشیروں اور وزراء کا انتخاب کرتے وقت سربراہ کو دوبارہ ضرور سوچ لینا چاہئے۔

حرمت: کیا فوج کی ساری ہائی کمان مارشل لاء لگانے پر متفق تھی؟

جنرل چشتی: دیکھئے جب COUP ہوتا ہے تو فوج بطور ادارہ اقتدار پر قبضہ کرتی ہے ایک فرد کی مرضی یا منشاء سے ایسا کبھی نہیں ہوتا۔فوج جب بطور ادارہ اقتدار سنبھالتی ہے تو چیف آف سٹاف یا کمانڈر انچیف کا حکم مانا جاتا ہے اور چیف آف سٹاف coup کا سربراہ ہوتا ہے لیکن اگر فوج کے سربراہ سے کم درجہ کا کوئی آفیسر ایسا کرتا ہے تو اسے بغاوت یا Mutiny کہا جاسکتا ہے کیونکہ جونیئر آفیسر کے اس ایکشن کے نتیجہ میں فوج کے سربراہ کو بھی ہٹایا جاسکتا ہے اور حکومت کے سربراہ کو بھی۔لیکن ہمارے ہاں خدا کے فضل سے ایسی کوئی صورت نہیں۔ہماری فوج خوش قسمتی سے نہایت منظم اور متحد ہے۔فوج نے ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کو بطور

Marfat.com

ادارہ حکومت سنبھالنے کا فیصلہ کیا تھا، فوج کی ہائی کمان نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب حالات خراب ہو جائیں تو ملک کی سلامتی کے لئے فوج کو مجبوراً ٹیک اوور کرنا پڑے گا اور یہ بات ہم نے وزیراعظم اور اس کے وزراء کو بتا دی تھی ہم نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ اگر وہ ملک کے حالات ٹھیک نہ کر سکے تو فوج کو مجبوراً انتظام سنبھالنا پڑے گا اور یہ کب ہو گا جب چیف آف آرمی سٹاف مناسب سمجھے گا۔ سابق وزیراعظم کے لئے یہ بات نئی نہیں تھی۔

حرمت: گویا سابق وزیراعظم کو علم تھا کہ فوج انہیں معزول کر دے گی۔

جنرل چشتی: انہیں معلوم تھا۔ وہ انتہائی زیرک شخص تھے۔ وہ خود اقتدار فوج کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ اس لمحے کا انتظار کر رہے تھے کہ جب فوج آئے اور اقتدار ان سے چھین لے۔ وہ اپنے روبرو اقتدار فوج کے حوالے کرنے کا الزام نہیں لینا چاہتے تھے۔

فوج نے اپنی قوم پر فائرنگ کرنے سے انکار کر دیا

حرمت: آپ کے خیال میں فوج کا اس ضمن میں مجموعی رویہ کیا تھا؟ یعنی جونیئر آفیسر بھی مارشل لاء کے نفاذ کے حق میں تھے؟

جنرل چشتی: دیکھئے جو منتخب حکومت ہوتی ہے وہ قانونی حکومت ہوتی ہے۔ لاء اینڈ آرڈر سول حکومت اور انتظامیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جب سول انتظامیہ لاء اینڈ آرڈر برقرار رکھنے میں ناکام ہوتی ہے تو فوج کو بلایا جاتا ہے۔ جب فوج سول انتظامیہ کی مدد کرتی ہے تو اس کے چند اصول ہوتے ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ طاقت کا کم سے کم استعمال کیا جائے لیکن جب فائر کیا جائے تو اسے مؤثر ہونا چاہئے۔ جب فائر کیا جاتا ہے تو پھر ہوائی فائرنگ نہیں کی جاتی بلکہ اسے مؤثر بنانے کے لئے لیڈروں پر فائر کیا جاتا ہے تاکہ طاقت کے استعمال کو مؤثر بنایا جائے لیکن آپ نے دیکھا کہ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں ہماری فوج اپنی قوم پر فائرنگ کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ انارکلی لاہور میں پچاس یا ساٹھ فائر ہوئے تھے لیکن چار پانچ

Marfat.com

افراد(۱) مرے تھے۔اسی طرح ملتان میں بھی فائرنگ ہوئی کہ زیادہ فائر ہوئے (۲) لیکن بہت کم افراد مرے تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہوائی فائرنگ کی گئی تھی اور قانون کی خلاف ورزی کی گئی تھی۔ فوج کے افسروں نے استعفیٰ بھی دیئے تھے۔سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں ہوا؟ اس کا مطلب یہ تھا پوری فوج اس حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار نہ تھی اس کے علاوہ مارشل لاء کے نفاذ کا جواز اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی جب فوج نے ٹیک اوور کرلیا تھا تو پوری قوم نے خوشیاں منائی تھیں اور مارشل لاء کو خوش آمدید کہا تھا۔ پوری قوم تبدیلی چاہتی تھی۔ یہ وقت کی ضرورت تھی، اس لئے فوج کے ایکشن کا جواز تھا۔

حرمت: مولانا کوثر نیازی نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ ۴ جولائی کی شب کو ہونے والے کابینہ کے اجلاس میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق نے شرکت کی تھی جبکہ بعض روایات کے مطابق وہ اس اجلاس میں شریک نہیں تھے۔آپ اس ضمن میں وضاحت فرمائیں گے۔

جنرل چشتی: ۴ جولائی کی رات کو جب 'آپریشن فیئر پلے' کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مجھے بلایا گیا تھا تو جنرل ضیاء الحق اپنے گھر میں موجود تھے۔وہ کابینہ کے اجلاس میں شریک ہوئے تھے یا نہیں مجھے نہیں معلوم۔ دس ساڑھے دس بجے مجھے 'آپریشن فیئر پلے' لانچ کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔اس وقت، جب میں جنرل ضیاء کے گھر گیا تو وہ وہیں تھے۔ بہرحال مولانا کوثر نیازی کی معلومات درست ہوں گی۔

۱۔ حرمت میں، انارکلی میں چار پانچ افراد اور ملتان میں کم افراد کی ہلاکت کا تذکرہ سہواً شائع ہوا ہے۔

۲۔ جنرل چشتی کے مطابق انارکلی میں کوئی ہلاکت نہیں واقع نہیں ہوئی اور ملتان میں صرف ایک فرد جاں بحق ہوا تھا۔

Marfat.com

پرائم منسٹر ہاؤس اور ایف ایس ایف کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ تھا

حرمت: آپریشن فیئر پلے کے انچارج کی حیثیت سے آپ کو کس کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ تھا؟

جنرل چشتی: مزاحمت کی توقع تھی۔ اس آپریشن میں ہم نے جن افراد کو گرفتار کرنا تھا ان میں کالعدم پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے لیڈروں کے علاوہ بعض سرکاری اہلکار شامل تھے۔ ایف ایس ایف کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ تھا۔ پرائم منسٹر ہاؤس سے بھی مزاحمت کا خدشہ تھا کیونکہ فوج کی اعلیٰ کمان وزیراعظم کو وارننگ دے چکی تھی کہ ملکی حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ فوج کسی وقت بھی ٹیک اوور کر سکتی ہے۔ لہٰذا میرا خیال تھا کہ انہوں نے ٹیک اوور کے خدشہ کے پیش نظر کوئی پیش بندی کی ہوگی۔ لیکن آپریشن کے وقت کہیں سے بھی مزاحمت نہیں ہوئی۔

حرمت: اگر مزاحمت ہوتی تو اس پر قابو پانے کے لئے آپ کی طرف سے کیا ہدایات تھیں؟

جنرل چشتی: بات یہ ہے کہ سیلف ڈیفنس میں ہر کوئی فائر کر سکتا ہے۔ ایسے موقع پر یہ ثابت کرنا ناممکن ہوتا ہے کہ فائر سیلف ڈیفنس میں ہوا ہے کہ نہیں۔ جب coup ہوتا ہے تو فوج کو کھلی چھٹی ہوتی ہے کہ وہ جس کو چاہے مار دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ۴ جولائی سے 'آپریشن فیئر پلے' کے انچارج کے پاس یہ اختیار تھا کہ وہ جس کو چاہتا گولی سے اڑا دیتا اور جس کو چاہتا اسے نہ مارتا۔ لیکن لوگوں کو اڑا کر coup کرنا آسان ہے لیکن اس کے نتائج قوم و ملک کے لئے تباہ کن ہوتے ہیں۔ کئی ملکوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ میں آپریشن کا انچارج تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کا ناحق خون بہے کیونکہ خدا کی ذات کے سامنے بھی جواب دہ ہونا ہے۔ اس لئے میرا حکم تھا کہ آپریشن بغیر خون خرابے کے مکمل ہونا چاہئے اگر پلاننگ اچھی ہو تو پھر ویسے بھی گولی چلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں نے اپنے

Marfat.com

افسروں کو حکم دیا تھا کہ اگر کسی کو سیلف ڈیفنس میں بھی گولی چلانی پڑے تو وہ میرے حکم کے بغیر گولی نہیں چلائے گا۔ اللہ کے فضل سے کسی کو خراش تک نہیں آئی۔ لوگ تو طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ ہم جب ۴ جولائی کو جسے چاہے مار سکتے تھے تو پھر بعد میں مرے ہوئے کو کیا مارتے۔ اس حکم کے علاوہ میرا یہ بھی حکم تھا کہ اگر کسی نے انچارج آپریشن کے دیئے ہوئے حکم کی خلاف ورزی کی تو اسے بھی گولی ماردی جائے گی۔ مجھے فخر ہے کہ پاکستانی فوج نے آپریشن پورے نظم وضبط کے ساتھ کیا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا۔

حرمت: 'آپریشن فیئر پلے' کی پلاننگ آپ کے خیال میں مشکل تھی یا آسان؟

جنرل چشتی: جناب یہ بڑا مشکل کام ہوتا ہے، نہایت ہی مشکل۔ فوج حکم کے تحت چلتی ہے، حکم دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک حکم لکھ کر دیا جاتا ہے اور دوسرا حکم زبانی ہوتا ہے۔ جب coup کا حکم ملتا ہے اور وہ کامیاب ہو جائے تو یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ یہ بڑا مشکل کام تھا لیکن اگر ناکام ہو جائے تو پھر ساری دنیا دیکھتی ہے کہ کس کس کی گردن اڑتی ہے۔ اگر حکم دینے والا انکار کر دے کہ اس نے حکم نہیں دیا تو حکم ماننے والے کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہوتا کہ واقعی اسے حکم دیا گیا تھا۔ اسی طرح جسے حکم دیا جاتا ہے وہ اس حکومت کے سربراہ کے ساتھ مل جائے جسے اقتدار سے محروم کرنا ہوتا ہے تو اس طرح غداری ہو جاتی ہے۔ یہ بڑے کیریکٹر کا کام ہوتا ہے۔ اس نازک معاملے میں پلاننگ سو فیصد کامیاب ہونی چاہئے وہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ کم سے کم لوگوں کو پتہ ہو۔ ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تھا کہ وزیراعظم کو کس طرح گرفتار کیا جائے۔ بھٹو انتہائی چالاک شخص تھا۔ وہ بھیس بدل کر بھی پرائم منسٹر ہاؤس سے فرار ہو سکتا تھا اور جو افسر اسے گرفتار کرنے گیا تھا وہ اسے نہ پہچان سکتا تو پھر سارا آپریشن بے کار تھا۔ اس کے علاوہ پرائم منسٹر ہاؤس میں اس وقت جو گارد تھی اس کی وفاداریاں حاصل کرنے کے لئے اسے زبردست نوازا گیا تھا۔ انہیں زمینیں اور دوسرے

Marfat.com

انعامات دیئے گئے تھے۔اس کے علاوہ وہاں فوج اور پولیس کا مشترکہ پہرہ تھا۔ان حالات میں وزیراعظم ہاؤس میں داخل ہوکر وزیراعظم تک اس طرح پہنچنا کہ بغیر گولی چلے وہ گرفتار ہوجائے،اعلیٰ پلاننگ کا ثبوت ہے۔

حرمت: پلاننگ کب ہوئی تھی؟

جنرل چشتی: میرے خیال میں اس وقت میں یہ نہیں بتا سکوں گا۔شاید بعد میں کبھی بتادوں۔

حرمت: آپریشن کب شروع ہوا تھا؟

جنرل چشتی: COUP آپریشن عام طور پر اس وقت شروع ہوتا ہے جب حکومت کے پاس عوام تک پہنچنے کے ذرائع ختم ہوجائیں اور اگر وہ کوئی حکم دیں تو وہ عوام تک نہ پہنچ سکے۔چونکہ ریڈیو اور ٹیلیویژن ایسے ذرائع ہوتے ہیں جن سے عوام سے رابطہ ہوسکتا ہے لہٰذا ریڈیو اور ٹی وی کے پروگرام ختم ہونے کے بعد آپریشن کیا جاتا ہے۔ہمارا آپریشن بھی ریڈیو اور ٹی وی کے بند ہونے کے بعد شروع ہوا اور صبح چھ بجے سے پہلے آپریشن مکمل ہوچکا تھا۔

مارشل لاء کے نفاذ پر ملک بھر میں مٹھائیاں تقسیم کی گئی تھیں

حرمت: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ملک میں ایسی صورتحال نہیں تھی کہ مارشل لاء نافذ کیا جاتا،آپ کی کیا رائے ہے؟

جنرل چشتی: ہاں،بعض لوگ کہتے ہیں کہ مارشل لاء کے لئے حالات سازگار نہیں تھے،یہ تو جنرل چشتی کا پلان تھا۔پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے ابھی مولانا نیازی کا حوالہ دیا تھا۔وہ سابقہ حکومت کے اہم وزیر تھے۔وہ خود لکھتے ہیں حالات ابتر تھے اور یوں لگتا تھا کہ ہم فطرت کے خلاف لڑ رہے ہیں چونکہ سابق حکومت حالات ٹھیک کرنے کے لئے تیار نہیں تھی لہٰذا فوج کو حالات ٹھیک کرنا پڑے۔میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مارشل لاء کے نفاذ پر ملک میں خوشیاں منائی گئی تھیں اور مٹھائیاں تقسیم ہوئی تھیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ حالات بالکل

Marfat.com

سازگار تھے۔ دوسرا میں نے تو چیف آف سٹاف کے حکم کے تحت آپریشن کیا تھا۔ اس ضمن میں وہ بہتر طور پر وضاحت کر سکتے ہیں کہ کن حالات نے انہیں حکم دینے پر مجبور کیا۔

حرمت: آپریشن کے مکمل ہونے کے بعد آپ نے لیڈروں سے ملاقات کی تھی؟

جنرل چشتی: میں نے کسی لیڈر سے ملاقات نہیں کی تھی۔ حراست میں لینے کے بعد ہم نے کالعدم پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے لیڈروں کو چکلالہ کی آفیسرز میس میں پہنچایا تھا۔ یہاں میں مولانا نیازی کی تصحیح کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے لکھا ہے کہ ہمیں جنرل چشتی کے کور ہیڈ کوارٹر میں پہنچایا گیا وہ کور ہیڈ کوارٹر نہیں تھا بلکہ میس تھا۔ میرا حکم یہ تھا کہ دونوں پارٹیوں کے ساتھ انتہائی عزت و احترام سے پیش آیا جائے اگر کہیں سے یہ شکایت آئی کہ کسی لیڈر کے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے تو متعلقہ افسر کا کورٹ مارشل کیا جائے گا۔ میرے خیال میں قومی لیڈر قابل احترام ہوتے ہیں۔ میں نے اس وقت بھی ان کی عزت کی تھی اور اب بھی کرتا ہوں۔ میری پلاننگ یہ تھی کہ تمام لیڈروں کو چار جولائی کی رات کو ہی مری پہنچا دیا جائے لیکن مسٹر بھٹو نے خواہش ظاہر کی تھی کہ انہیں رات کو راولپنڈی میں رہنے دیا جائے چنانچہ مسٹر بھٹو کی خواہش کے مطابق انہیں پرائم منسٹر ہاؤس میں رکھا گیا اور اس طرح باقی لیڈروں کو بھی پنڈی میں رکھا گیا اور انہیں اگلے روز مری پہنچایا گیا۔

حرمت: مستقبل کے ملکی معاملات میں فوج کے کردار سے متعلق ان دنوں خاصی بحث ہو رہی ہے۔ آپ اس میں اظہار خیال فرمائیں گے۔

جنرل چشتی: اس سوال کا جواب میں تفصیلاً دینا چاہوں گا۔ آج نہیں ہو سکتا پھر کبھی آپ کے ساتھ اس موضوع پر تفصیلاً بات چیت ہو گی۔

حرمت: شکریہ جنرل صاحب۔

جنرل چشتی: مہربانی

Marfat.com

انتقال اقتدار کس طرح ممکن ہے؟

حوالہ اشاعت ..... نوائے وقت میگزین ۲۶ فروری ۱۹۸۳ء

انٹرویو لینے والے ..... جناب اسد اللہ غالب

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

درہ خیبر سے پاکستان میں داخل ہونے والی شاہرہ جب وفاقی دارالحکومت کو چھوتی ہے تو اس کے ایک طرف سپریم کورٹ کی عمارت آتی ہے جو عدل اور انصاف کی علامت ہے اور دوسری طرف ملک کے فوجی حکمرانوں کے گھر ہیں جو ملکی نظم اور دفاع کے ذمہ دار ہیں۔ یہیں پر قدرے نمایاں ایک گھر سے جہاں سے سپریم کورٹ کے برآمدوں میں نقل و حرکت بھی دیکھی جاسکتی ہے اور ملحقہ گھروں کے دروازوں پر متعین چاق و چوبند سنتریوں کا منظر بھی نظر آتا ہے۔ یہ گھر بھی کسی معمولی شخص کا نہیں جبکہ یہاں اس جرنیل کا بسیرا ہے جس نے ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی رات کو سابق حکومت کا تختہ الٹنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ نئی حکومت کے فیصلوں کے پیچھے اس کے دبنگ چہرے کی جھلک نظر آتی تھی۔ گزشتہ بدھ کی صبح میں اسی ''مردِ آہن'' کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) فیض علی چشتی نے گفتگو شروع ہونے سے پہلے وضاحت کی کہ وہ کوئی ایسی اختلافی بات نہیں کرنا چاہتے جس سے موجودہ حکومت میں شامل ان کے ساتھیوں کے موقف پر زد پڑتی ہو۔ انہوں نے کہا کہ وہ مثبت انداز اختیار کرنا چاہتے ہیں اور حکومت کو یہ مشورہ دینا چاہتے ہیں کہ انتخابات کس طرح کرائے جاسکتے ہیں اور انتقالِ اقتدار کے کون کون سے طریقے آزمائے جاسکتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ آخر آپ انتقالِ اقتدار کی

Marfat.com

بات کیوں کرتے ہیں؟ موجودہ حکومت کیوں برقرار نہ رہے؟ جنرل چشتی نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں کہا، جس کا حق ہو اسے ملنا چاہئے۔ یہ فوج کا کام نہیں کہ وہ نظام حکومت چلائے۔ مارشل لاء ایک عارضی انتظام ہوتا ہے۔ یہ فطری قانون کے مطابق نہیں۔ فطری قانون بادشاہت ہوسکتی ہے، جمہوریت کا نظام ہے، آمریت کا طریقہ حکومت ہے۔ کوئی دوسرا ملا جلا نظام ہوسکتا ہے۔ مارشل لاء قطعاً فطری نظام حکومت نہیں۔ حالات معمول پر لا کر سول رول بحال کرنا چاہئے۔ خاص طور پر یہ اس وقت زیادہ ضروری ہو جاتا ہے جب آپ اسلام کی بات کر رہے ہوں۔ اسلام تو انصاف کا نام ہے، فرد کے ساتھ انصاف اور ملک وقوم کے ساتھ انصاف۔ اور یہی میرے ساتھی اور دوست جنرل ضیاء کا موقف ہے۔

Marfat.com

اہم نکات

☆ مارشل لاء اپنا مقصد پورا کر دے تو وہ منصفانہ کہلاتا ہے

☆ میں نے کہا تھا، فوجی حکومت آجائے تو جاتی نہیں مگر ہم عزت سے جائیں گے

☆ دس نکات

☆ موجودہ کابینہ توڑ دی جائے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی زیر نگرانی نیا سیاسی ڈھانچہ تشکیل دیا جائے

☆ تمام فیصلے جناب صدر کرتے ہیں، ہم لوگ محض مشورہ دیتے تھے

☆ میں اپنے احتساب کے لئے ہر وقت تیار رہوں

☆ میں آج اس پوزیشن میں نہیں کہ سب کچھ بتا سکوں

☆ میں حکومت کی رہنمائی کرنا چاہتا ہوں مخالفت نہیں

☆ میں قومی حکومت بنانے کا مخالف تھا

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شائع شدہ مکمل روداد

☆ ''کیا آپ مارشل لاء کو غیر منصفانہ سمجھتے ہیں؟''

اس سوال کے جواب میں جنرل چشتی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا مارشل لاء جن مقاصد کے لئے لگایا گیا وہ پورے ہو گئے۔

اگر وہ مقاصد حاصل کر لئے جائیں تو مارشل لاء کا جواز ثابت ہو جاتا ہے اور اسے منصفانہ کہا جا سکتا ہے۔

☆ ''کیا جواز تلاش کر لینے سے مارشل لاء کا نظام منصفانہ ہو گیا؟''

اس سوال پر جنرل چشتی نے کہا کہ اگر مقاصد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں تو مارشل لاء منصفانہ نظام ہے اور اگر آپ مقاصد حاصل نہیں کر سکتے تو یہ غیر منصفانہ رہا۔

☆ ''کیا موجودہ مارشل لاء کے نفاذ کا جواز تھا؟''

یہ سوال سن کر جنرل چشتی نے ایک طویل پس منظر بیان کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مارچ ۷۷ء میں عام انتخابات ہوئے پی این اے نے دھاندلیوں کا الزام لگایا۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا اپوزیشن نے بائیکاٹ کیا۔ ایک تحریک چلی اور مطالبہ کیا گیا کہ انتخابات دوبارہ ہوں۔ حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ خانہ جنگی کے آثار نظر آنے لگے۔ ۷ مارچ سے ۴ جولائی تک فوج سب کچھ دیکھتی رہی۔ جب ہم نے دیکھا کہ حالات ٹھیک کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی یا کوئی جان بوجھ کر ٹھیک نہیں کرتا تو فوج کی ہائی کمان نے اقتدار سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔ پہلا اعلان یہ ہوا کہ ہم ریفری ہیں۔ ہم نے دونوں فریقوں کے لیڈروں کو حفاظت میں لے لیا۔ تاکہ تناؤ دور ہو سکے۔ ساتھ ہی نوے روز کے اندر انتخابات

Marfat.com

کرانے کا اعلان کیا۔ یہ وہ پہلا اعلان تھا جس نے مارشل لاء لگانے کا جواز مہیا کیا۔ اب آپ دیکھیں، قوم نے کس ردعمل کا اظہار کیا۔ قوم نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اسے خوش آمدید کہا۔ بعد میں سپریم کورٹ نے بھی نظریہ ضرورت کے تحت اس کے نفاذ کو جائز قرار دے دیا لیکن سپریم کورٹ نے کہا تھا کہ جس مقصد کے لئے مارشل لاء نافذ کیا گیا ہے وہ مقصد چھ ماہ کے اندر پایۂ تکمیل کو پہنچایا جائے۔ اگر انتخابات مقررہ مدت کے اندر ہو جاتے تو مارشل لاء کا مقصد پورا ہو جاتا اور فوج واپس بیرکوں میں چلی جاتی۔

مارشل لاء تو اس لئے لگا تھا کہ انتخابات میں دھاندلیاں کی گئیں اور دوبارہ الیکشن ضروری ہو گئے تھے۔ یہی کام مارشل لاء کو کرنا تھا۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ اسلام نافذ کرنے کی ذمہ داری صرف مارشل لاء کی نہیں پاکستان اسلام کے نام پر بنا۔ دوقومی نظریئے پر بنا۔ یہ نظریاتی ریاست ہے۔ یہاں ہر حکومت کو اسلام نافذ کرنا چاہئے تھا۔ اگر شروع ہی سے کسی نے اسلام نافذ نہیں کیا تو وہ حکومت پاکستان کی اساس کی مجرم ہے۔ موجودہ حکومت تو صرف الیکشن کرانے آئی تھی۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے واضح اعلانات موجود ہیں کہ انتخابات کرا کے بیرکوں میں واپس چلے جائیں گے۔

مارشل لاء کے نفاذ سے پہلے پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔ اس کا اپنا منشور تھا۔ پی این اے کا اپنا منشور تھا۔ اس منشور میں اسلامی نظام کے نفاذ کے اعلانات تھے۔

☆ ''مگر پی این اے کے لیڈر تو آج مکر رہے ہیں کہ انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کا کوئی وعدہ نہیں کیا۔''

اس سوال کے جواب میں جنرل چشتی نے کہا۔

ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ لیڈر کیا کہتے ہیں۔ اس بات کی کوئی تردید کر سکتا ہے کہ ۷ مارچ کے بعد جو تحریک چلی وہ اسلام کے نام پر چلی۔ لوگ قرآن گلے میں لٹکا کر سڑکوں پر آئے۔

Marfat.com

انار کلی میں فوج کی گولیوں کی باڑھ کے آگے آتے انہوں نے قرآن گلے مین لٹکا کر سینے سامنے کیئے، ننگے سینوں پر صرف قرآن آویزاں تھے اور رائفلوں کی لبلبی پر رکھی ہوئی انگلیاں حرکت نہ کرسکیں۔ان شواہد کے ہوتے ہوئے بھی پی این اے کے لیڈر اس بات سے انکار کریں گے۔ان کی تحریک نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے تھی۔ان لوگوں میں اس اصطلاح پر بھی جھگڑا ہوا کہ اسلامی نظام کہا جائے یا نظام مصطفیٰ کہا جائے۔بہرحال یہ منشور پی این اے کا تھا۔فوجی حکومت آئی تو وہ پی این اے کی حکومت نہ تھی کہ اسلامی نظام کے نفاذ کی ذمہ داری قبول کرلیتی۔دو فریقوں کے درمیان الیکشن کا تنازعہ، یہی حل کرانے کی ذمہ داری فوج کی تھی۔

☆ ''آپ سمجھتے ہیں کہ مارشل لاء کو تنازعہ حل کرانے کے لئے لگنا چاہیئے۔''

جنرل چشتی نے کہا مارشل لاء تو لگنا ہی نہیں چاہیئے۔

☆ ''لیکن یہ لگا''؟

نظریۂ ضرورت کے تحت لگا۔سپریم کورٹ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس کا جواز درست تھا۔

جنرل چشتی نے جواب دیا۔

بہتر یہ ہے کہ ہم مجموعی طور پر جائزہ لیں کہ مارشل لاء کیوں لگتا ہے۔پاکستان میں جتنے بھی مارشل لاء لگے، وہ کیوں لگے۔مارشل لاء لگ جائے تو پھر سول طبقے کو انتقال اقتدار کیسے کیا جاسکتا ہے۔میرا خیال ہے اس طرح ہم موجودہ حکومت کی مدد کرسکتے ہیں۔یہ کہہ کر جنرل چشتی نے ۵۴، ۵۸، ۶۹، ۷۱ اور ۷۷ میں نافذ ہونے والے مارشل لاء کا پس منظر بیان کیا۔انہوں نے کہا کہ ۵۳ کا مارشل لاء ایک خاص علاقے میں اور ایک خاص مقصد کے لئے لگا۔فرقہ وارانہ کشیدگی دور کرنے کے لئے یہ نافذ ہوا اور جیسے ہی یہ مقصد حل ہوگیا۔مارشل لاء اٹھا لیا گیا۔۵۸ کا مارشل لاء سوچے سمجھے منصوبے کے تحت لگا اس کے لئے باقاعدہ پلاننگ کی

Marfat.com

تھی۔ایوب خان اقتدار کی بلندیوں تک پہنچنا چاہتا تھا۔اس نے مارشل لاء کو سہارا بنایا لیکن یہاں بھی آپ اس حقیقت کا مشاہدہ کریں گے کہ ایوب خان نے جب اپنا اقتدار مستحکم کر لیا تو مارشل لاء ختم کر دیا اور اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے نئے سیاسی گروپ کی بنیاد رکھ لی۔ اس نے ہمیشہ ہمیشہ مارشل لاء قائم نہ رکھا۔ یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ کسی جرنیل کے اندر اقتدار کی ہوس کیوں انگڑائی لیتی ہے۔اس کا مجرم بھی جرنیل نہیں بلکہ وہ حالات ہیں جن میں منظّم اداروں کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اصولوں کو توڑا جاتا ہے۔ اگر اصول یہ ہے کہ کمانڈر انچیف تین سال کے بعد ریٹائر ہو جانا چاہئے تو آپ نے ریٹائر کیوں نہ کیا۔آپ نے اس جرنیل کو توسیع کیوں دی۔اسے موقع فراہم کیا کہ وہ منصوبہ بندی کر سکے۔۶۹ء کے مارشل لاء پر آیئے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ ایوب خان نے لگایا۔ بعض اس کی ذمہ داری یحیٰی خان پر ڈالتے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا حالات قابو سے باہر تھے اور فوج کو حرکت میں آنا پڑا۔ یحیٰی خان نے حالات کو معمول پر لانے کے لئے انتخابات کروائے مگر انتخابات کے نتائج کا احترام نہ کیا گیا۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ انتخابات منصفانہ تھے۔ میرے خیال میں یہ انتخابات منصفانہ نہیں تھے۔ ووٹوں کی گنتی تو صحیح کی گئی لیکن جو لوگ ووٹ ڈالنے کے لئے جانا چاہتے تھے انہیں مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی اور دیگر تخریب پسند عناصر نے پولنگ بوتھ تک جانے ہی نہ دیا۔ پھر یہ الیکشن کس طرح منصفانہ ہو گئے بہر حال الیکشن ہوئے جیسے بھی تھے لیکن حکومت نے اس کے نتائج کا احترام نہ کیا۔ مجیب کو آپ وزیر اعظم بنا دیتے تو جو نتائج نکلتے پتہ چل جاتا۔ لیکن شاید ملک نہ ٹوٹتا۔ اب اس باقی ماندہ ملک کو چلانے کے لئے ایک سول آدمی نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ یہ بڑی افسوس ناک بات تھی سول آدمی کو مارشل لاء لگانے کا اختیار کس نے بخشا ہے۔ بہر حال ہم بحث میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔ ہمیں تو آئندہ کے لئے دیکھنا ہے کہ انتقال اقتدار کیسے ہو اور مارشل لاء سے مستقبل میں کیسے بچا

Marfat.com

جاسکتا ہے۔

☆ ''ہم اس کا جائزہ پورے پس منظر میں ہی لے سکتے ہیں، ماضی کی رہنمائی کے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے''۔

جنرل چشتی نے کہا۔

فوج صرف ایک خاص مقصد کے لئے بیرکوں سے نکل کر حکومت کے ایوان میں آتی ہے وہ مقصد پورا کرنے کے بعد اسے واپس چلے جانا چاہئے تھا تا کہ لوگ اپنا کام سنبھال لیں۔ فوج کا حقیقی کام تو یہ ہے کہ دفاع کرنا۔ جنگ کے دوران وہ ملک کا دفاع کرتی ہے اور امن کی حالت میں اگلی جنگ کی تیاری کرتی ہے۔ جب فوج جنگ کی تیاری نہ کر رہی ہو تو جو نتیجہ نکلے گا وہ آپ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ میں بھی یہ دیکھ سکتا ہوں۔ ۷۷ء کا مارشل لاء الیکشن کروانے کے لئے نافذ کیا گیا تھا۔ مارشل لاء حکومت کی ڈیوٹی تھی کہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن میں الیکشن کروائے جاسکتے۔ اب اس مقصد کے لئے کیا پیش رفت ہوئی ہے۔ اس پر تبصرہ نہیں کرتا بلکہ صرف یہ کہوں گا کہ ہنڈیا کا ذائقہ چکھنے سے پتہ چل جاتا ہے۔ اگر کسی نے کوئی کوشش کی ہوتی تو حالات معمول پر آچکے ہوتے۔ اگر نہیں ہوئے تو پھر کہیں نہ کہیں گڑ بڑ ہے۔ آپ کسی کی نیت تو دیکھ نہیں سکتے۔ اس کی زبان پر اعتبار کرتے ہیں۔ حکومت نے کبھی الیکشن سے روگردانی کا موقف اختیار نہیں کیا۔ ہمیشہ اپنے اس موقف کا اعادہ ہی کیا ہے۔

اس موقع پر میں نے جنرل چشتی صاحب سے پوچھا کہ:

☆ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ آپ نے انتخابات، احتساب اور اسلامی نظام کے نفاذ کے نعرے فوج انقلاب کی حکمت عملی کے تحت بلند کئے، چونکہ آپ اس فوجی انقلاب کے بانیوں میں سے ہیں۔ اس لئے آپ کچھ اندر کی کہانی بتا سکتے ہیں۔

جنرل چشتی نے بڑے حوصلے سے اعتراض سنا اور کہا۔

Marfat.com

اس سوال کا جواب بڑا مشکل ہے۔ اگر ہم فوجی انقلاب کو پورے پس منظر کے ساتھ دیکھتے ہیں تو جواب کچھ اور ملتا ہے اور اگر اس طرح دیکھیں کہ جیسے جیسے حالات پیدا ہوتے چلے گئے ہیں پھر کوئی اور جواب سامنے آتا ہے۔ میں اس سوال کو چھوڑ کر ایک اور سوال کا جواب دوں گا۔ وہ یہ کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد فوجی حکومت کے لئے الیکشن کا انعقاد مشکل کیوں ہو جاتا ہے۔ دیکھیں جب مارشل لاء لگتا ہے تو حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔ دستور میں تختہ الٹنے کی سزا غداری ہے۔ اس لئے جب تک فوجیوں کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ غداری کا مقدمہ نہیں چلے گا وہ الیکشن نہیں کروا سکتے۔ ساری دنیا میں یہ معمول ہے کہ جب حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں اور اگلی حکومت آ جاتی ہے یا پھر عام معافی کا اعلان کر دیا جاتا ہے یا پھر مقدمے چلائے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں کبھی کسی پر مقدمہ نہیں چلا، کبھی احتساب نہیں ہوا۔ موجودہ مارشل لاء کی صورت ذرا مختلف ہے۔ اس کا احتساب ہو چکا ہے اور سپریم کورٹ نے اس کو جائز قرار دے دیا ہے۔ اس لئے اب یہ مسئلہ باقی نہیں رہا لیکن سپریم کورٹ نے جس مقصد کی خاطر اس کو جائز قرار دیا ہے وہ ہے انتخابات کا انعقاد۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس فوج نے ۴ جولائی کو انقلاب برپا کیا وہ غداری کی مرتکب نہیں ہوئی، بلکہ حالات سے مجبور ہو کر مارشل لاء نافذ کرنا پڑا تھا۔

☆ ''آپ نے عوامی حلقوں کے ان شبہات کا جواب نہیں دیا کہ موجودہ انقلاب نے جو نعرے لگائے وہ فوجی انقلاب کی حکمت عملی کے تحت تھے''۔

جنرل چشتی نے کہا کہ میں صرف اپنی بات کر سکتا ہوں۔ فوجی ہائی کمان میرے علاوہ چار کور کمانڈر اور کمانڈر انچیف بھی موجود تھے۔ ان کی کیا سوچ تھی، میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ البتہ جو کچھ سامنے تھا وہ بتا سکتا ہوں۔ ہم نے ۷ مارچ سے ۴ جولائی تک بار بار حکومت سے کہا کہ حالات ٹھیک کرو، کسی سمجھوتہ پر پہنچو۔ ہم نے انہیں صاف صاف کہا تھا کہ حالات

Marfat.com

ٹھیک نہ ہوئے تو مارشل لاء لگے گا۔ ہم نے اپنے عزائم کو خفیہ نہ رکھا تھا کہ ہم پر آج یہ الزام لگایا جائے کہ ہم نے بھی اپنے ذاتی اقتدار کے لئے ماشل لاء لگایا۔ ہم نے ۴ جولائی تک حکومت کی حمایت کی لیکن حالات قابو سے باہر ہوئے اور خانہ جنگی کا خدشہ پیدا ہوا تو فوج حرکت میں آئی۔ ۴ جولائی سے پہلے فوجی ہائی کمان کے جتنے بھی اجلاس ہوئے ان میں ہم نے زیادہ وقت اسی سوچ میں گزارا کہ کس طرح مارشل لاء سے گریز ممکن ہے۔

☆ ''آپ مارشل لاء کا ایک جواز یہ دیتے ہیں کہ ملک خانہ جنگی کے دہانے پر تھا۔ اس کے باوجود آپ نے ۹۰ دن کے اندر الیکشن کروانے کا اعلان بھی کروایا۔ آپ کو یقین تھا کہ ۴ جولائی سے ۱۴ اکتوبر کے عرصے میں قوم کا تناؤ دور ہو جائے گا اور وہ گھر جو اسلحہ خانوں میں تبدیل ہو چکے تھے، اچانک اللہ دین کے جن یہ اسلحہ غائب کر دیں گے؟

جنرل چشتی نے اس سوال کے جواب میں کہا۔ الیکشن کا انعقاد ان حالات میں بھی ممکن تھا۔ مارشل لاء میں کسی کو زیادہ گڑبڑ کی جرأت نہیں ہوتی، پھر فوج کی امداد کے لئے پولیس بھی موجود تھی۔ معاملہ تو لوگوں کو پولنگ بوتھ تک لانے کا تھا۔ اور پھر آپ قوم کی نیت پر کیوں شک کرتے ہیں کہ وہ ایک سانس میں تو دوبارہ الیکشن کا مطالبہ کر رہی ہے اور دوسری طرف لڑنے مرنے کے لئے بھی تیار بیٹھی ہو۔

☆ ''کیا کوئی ایسی قوت نہ تھی کہ ماضی میں مارشل لاء نہ لگتے''؟

اس سوال کے جواب میں جنرل چشتی نے سیاستدانوں کو مجرم ٹھہراتے ہوئے کہا۔ جب سیاستدان اپنی کرسی کے لئے دوسروں سے ناجائز کام کرواتے ہیں، قانون کو توڑتے ہیں اور اداروں کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں تو پھر مارشل لاء کو روکنا آسان نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے ملک کے چیف ایگزیکٹو اصولوں سے نہ ہٹتے تو ملک کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ کیا بھارت میں مدت پوری ہونے کے بعد کمانڈر انچیف کو ریٹائر نہیں کر دیا جاتا۔ کیا وہاں الیکشن وقت پر نہیں

Marfat.com

ہوتے۔ہم نے کیوں ایسا نہ کیا۔اس لئے کہ ذاتی اغراض آڑے آتی تھیں۔ذاتی اغراض کے لئے غلط فیصلہ کرنا انٹلکچوئل بددیانتی کے مترادف ہے۔ ملک کروڑوں روپے رشوت کمانے سے نہیں ٹوٹتا بلکہ بددیانتی میں کئے گئے ایک فیصلے سے ٹوٹ سکتا ہے۔میں آج بھی انٹلکچوئل بددیانتی پر زور دوں گا خدا کے لئے اس پر عمل کریں۔آپ لوگ بددیانتی کی خبر بڑھا چڑھا کر لگا دیتے ہیں جو معمولی رشوت میں ملوث ہو لیکن آپ ان فیصلوں کے خلاف نہیں لکھتے جو بددیانتی پر مبنی ہوں اور ان لوگوں کا احتساب نہیں کرتے جو اس طرح کے فیصلے کرتے ہیں۔

☆ ''آپ کے خیال میں سیاستدان ہر ماشل لاء کو نافذ ہونے سے روکنے میں ناکام کیوں رہے ہیں؟''

اس سوال کے جواب میں جنرل چشتی نے کہا۔

آپ کے سیاستدان کو ٹریننگ نہیں دی گئی۔ میں فوجی ہوں، اس کے مطابق جواب دوں گا۔ جرنیل کوئی ایک دن میں نہیں بنتا۔وہ گھس گھس کر اوپر پہنچتا ہے۔آپ ہیں کہ دکان سے اٹھا کر وزیر بنا دیتے ہیں اور وہی آپ کا بڑا سیاستدان بن جاتا ہے۔آپ نے نئے پودے بھی نہیں لگائے۔ یہ بزرگ سیاستدانون کی فکری بددیانتی ہے کہ انہوں نے نئی نسل کی تربیت نہیں کی۔شاید وہ نئے لوگوں کو ابھرتا ہوا دیکھ نہیں سکتے۔

☆ ''جنرل صاحب! ابھی تو وہ فرسٹ لائن موجود ہے۔آپ خود نصر اللہ خان، مفتی محمود مرحوم سے ملتے رہے ہیں۔کیا یہ لوگ دوکانوں یا مسجدوں سے اٹھ کر آپ کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے پہنچ گئے تھے؟''

یہ سوال سن کر جنرل چشتی نے کہا۔

اگر مفتی صاحب مرحوم اور نوابزادہ نصر اللہ سیاست کے جرنیل تھے تو انہوں نے جرنیلی کیوں

Marfat.com

نہیں کی۔ وہ کیوں حکومت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ جب ہم نے پی این اے سے کہا کہ حکومت میں آؤ تو پھر بھی فرسٹ لائن کابینہ میں شامل نہ ہوئی، انہوں نے کہا کہ ہم اپنے نمائندے بھیج دیں گے۔

میں نے جنرل صاحب کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

☆ آپ کے خیال میں یہ انہوں نے فکری بددیانتی کے تحت ایسا کیا کہ ان کا یہ فیصلہ اس لحاظ سے مستحسن نہ تھا کہ نئے لوگوں کو تربیت کا موقع ملے گا۔ شاید بوڑھے سیاستدانوں کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے اپنا حلقۂ اثر فوج میں نہیں بنایا۔ واضح الفاظ میں انہوں نے فوج میں ایفلٹریٹ نہیں کیا؟''

اس طویل سوال پر جنرل چشتی نے کہا۔

میرے نزدیک یہ کام غلط ہے۔ فوج آپ کے ملک کی ہے۔ بیرونی فوج نہیں کہ آپ اس میں اثر ونفوذ کریں۔ آپ کے بھائی فوج میں جاتے ہیں۔ وہ ملک کے حالات سے بے بہرہ نہیں ہوتے۔ انہیں ہر وقت ہر لمحہ آپ کی سوچ کا پتہ ہوتا ہے۔ آپ فوج کو اس کا کام کرنے دیں۔ اگر کبھی انہی مجبوراً آنا پڑے تو وہ مقصد پورا کر کے واپس چلے جائیں اگر وہ واپس نہ جائیں تو انہیں بھی خوف لاحق ہوتا ہے کہ ان سے برا سلوک ہوگا۔ اگر آپ یقین دلا دیں کہ احتساب نہ ہوگا تو وہ بخوشی واپس چلے جائیں گے۔ بہرحال ہم نے حالات سے مجبور ہو کر مارشل لاء لگایا تھا۔ ہم نے کوئی غلطی نہ کی تھی۔ اس لئے ہمیں کوئی خوف نہیں۔ اس کے علاوہ میں نے فوجی حکومت کے رکن کی حیثیت سے، الیکشن سیل کے چیئرمین کی حیثیت، وزیر کی حیثیت سے کئی بار کہا تھا کہ پاکستان میں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ جو آ جاتا ہے وہ جاتا نہیں اسے نکالا جاتا ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ نکالے نہ جائیں بلکہ باعزت چلے جائیں۔ باعزت جانے سے مراد یہ تھی کہ الیکشن کرا کے عزت کے ساتھ جائیں۔ میں مارچ ۸۰ء میں

Marfat.com

ریٹائر کر دیا گیا۔ جب میں فوج میں نہ رہا تو میں نے وزیر رہنا بھی پسند نہ کیا۔ اس لئے میں پچھلے تین برس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس سے پہلے عرصے کا آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں، اور میں کہتا ہوں کہ میں نے الیکشن کا ہر وقت مطالبہ کیا تھا۔ پوری فوجی حکومت الیکشن کا اعلان کر رہی تھی لیکن جو کچھ ہوا اور کیوں ہوا وہ سامنے ہے۔

☆ ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ الیکشن کے لئے ماحول سازگار ہے؟''

میرے اس سوال پر جنرل چشتی نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

حالات بھی ٹھیک ہیں اور قوم بھی چاہتی ہے کہ الیکشن ہو۔ پھر حکومت خود کہتی ہے کہ الیکشن ہوں گے۔ جب یہ بات طے ہے تو ہمیں ان طریقوں پر غور کرنا چاہئے جن کی مدد سے انتقال اقتدار کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

جنرل چشتی نے اس مرحلے پر حسب ذیل دس طریقے بیان کئے جن کے ذریعے مارشل لاء ختم کر کے سول حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔ جنرل چشتی نے ہر فارمولے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری شرط عائد کی ہے کہ موجودہ کابینہ کو توڑ دیا جائے اور پھر سی ایم ایل اے کی نگرانی میں

۱۔ بلدیاتی ارکان سے کہا جائے کہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر مرکزی کابینہ چن لیں۔ کابینہ اپنے طور پر وزیر اعظم کا انتخاب کر لے۔

۲۔ مارچ ۷۷ء کے انتخابات کی روشنی میں چنے جانے والے اور رنر اپ امیدواروں کو آپ قومی اسمبلی میں لے لیں۔ یہ کوئی چھ سو ارکان بن جائیں گے۔ ان میں سے وہ آدمی چھانٹ دیں جن کے خلاف دھاندلی کے الزامات ثابت ہو گئے تھے۔ اس طرح ۱۵۰ اشخاص نکل جائیں گے۔ باقی ۵۵۰ ارکان اپنی کابینہ اور وزیر اعظم چن لیں۔

۳۔ پورے ملک میں کسی ایک شخص کو نامزد کر دیں۔ وہ کوئی جرنیل ہو سکتا ہے، سیاستدان

Marfat.com

ہوسکتا ہے، منتظم ہوسکتا ہے، جج ہوسکتا ہے، پولیس مین ہوسکتا ہے، اسے کہیں اپنی حکومت بنا لے۔

۴۔ تمام سیاسی پارٹیوں کو جو پونے دوسو کے قریب ہیں، ان کے لیڈروں سے کہیں کہ وہ مل کر ایک کابینہ بنالیں اور حکومت قائم کریں۔۔ جو پارٹی اس میں نہ آئے اسے ملک دشمن سمجھا جائے میرے خیال میں تمام سیاسی جماعتیں شامل ہوجائیں گی۔

۵۔ مجلس شوریٰ سے کہیں کہ وہ اپنے درمیان سے کابینہ بنائیں اور نئی حکومت قائم کریں۔

۶۔ نامزد قومی حکومت قائم کرلی جائے۔

۷۔ سول اور فوج پر مشتمل مشترکہ کمان تشکیل دے لی جائے۔

۸۔ ہر صوبے کی کابینہ سے کہیں کہ وہ مل کر اپنی مرضی کی مرکزی کابینہ چن لے اور حکومت بنالے۔

۹۔ پورے ملک میں ریفرنڈم کرالیں کہ آیا موجودہ حکومت برقرار رہنی چاہئے یا کوئی دوسرا نظام آنا چاہئے۔

۱۰۔ آخری طریقہ وہی ہے جو ۷۳ء کے دستور کے تحت انتخابات کا ہے۔

جنرل چشتی نے کہا کہ میرے ان تمام طریقوں میں بنیادی شرط یہ ہے کہ پہلے موجود مرکزی کابینہ کو توڑ دیا جائے اور اس کی جگہ جس طریقے سے نئی حکومت تشکیل پائے اسے یہ ٹاسک دیا جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ موجودہ سال کے اندر اندر انتخابات منعقد کرا کے نئی نمائندہ حکومت بنادے گی۔

جنرل چشتی نے مزید کہا۔

میں نے یہ تمام فارمولے محض گپ بازی کے طور پر بیان نہیں کئے بلکہ ان کے پیچھے میری کئی

Marfat.com

برسوں کی گہری سوچ کارفرما ہے۔

میں نے کہا

☆ ''آپ بار بار الیکشن کی بات کر رہے ہیں، کیا آپ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ صرف آپ الیکشن کے حق میں ہیں؟ کیا آپ کا مطلب صحیح لے رہا ہوں؟''

جنرل چشتی نے کہا۔ ''میں تو آپ کے نوائے وقت کے ایک اداریئے کا جواب دے رہا ہوں۔ جس میں آپ نے سوال کیا..... تو درون خانہ چہ کردی؟ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ایک فوجی جرنیل تھا مجھے جو ڈیوٹی دی گئی میں نے نبھائی۔ میں الیکشن سیل کا چیئرمین تھا۔ سیاستدانوں کو ملتا تھا۔ تبادلۂ خیال کا موقع ملتا تھا۔ جو چیزیں سامنے آتی تھیں ان میں سے بعض تحریری طور پر اور بعض زبانی ہائی کمان تک پہنچا دیتا تھا۔ میں نے ہمیشہ یہی کہا تھا کہ عزت سے جانے کے لئے ضروری ہے کہ الیکشن کروا دیئے جائیں۔

☆ ''جنرل صاحب! یہ فرمایئے کہ آپ ایک طرف الیکشن کی حمایت کر رہے تھے، دوسری طرف پی این اے کو منظم طور پر توڑنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ کیا اس کو توڑ کر آپ مثبت نتائج لے سکتے تھے؟''

جنرل چشتی نے کہا۔ یہ سوال بہت اونچا ہے، اس کا جواب آج میرے لئے بڑا مشکل ہے لیکن اتنا کہوں گا کہ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں کسی نے ملک کی خاطر کام نہیں کیا۔ ہمیشہ اپنی ذات کو مقدم رکھا۔ بلکہ اگر ملک کو سامنے رکھتے تو حالات اور ہوتے۔ پی این اے میں پھوٹ پڑی تھی تو اپنی اپنی ذات کو مقدم رکھنے کی وجہ سے پڑی تھی۔ فوجی حکومت کی طرف سے پھوٹ نہیں ڈالی گئی۔ دیکھئے ہم نے ۴ جولائی کی رات کو تمام لیڈروں کو حفاظتی حراست میں لے لیا۔ پی این اے کے لیڈروں کو مری میں رکھا گیا۔ سی ایم ایل اے ان سے ملنے پہلی بار گئے تو میں بھی ساتھ تھا کیونکہ کور کمانڈر ہونے کی حیثیت سے یہ میرا ایریا تھا۔ مجھے یاد ہے

Marfat.com

ہم لنچ کھا رہے تھے کہ (اللہ غریق رحمت کرے) مفتی محمود نے بتایا کہ تحریکِ استقلال ہمارے ساتھ نہیں رہے گی۔ اس شہادت کے بعد یہ کہنا کہ فوجی حکومت نے پھوٹ ڈلوائی تھی غلط ہے۔ ہمارے لئے تو خود یہ نئی اطلاع تھی کہ اصغر خان پی این اے کو چھوڑ رہا ہے۔ مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جا سکتا کیونکہ ابھی ہر بات کہنے کا وقت نہیں آیا۔

میں نے کریدنے کے لئے اگلا سوال پوچھا۔

☆ ''کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ آپ نے حکومت میں شمولیت کی دعوت دے کر رہی سہی کسر نکال بھی دی؟''

جنرل چشتی نے جواب دیا۔

ہم نے نیک نیتی سے حکومت کی دعوت دی تھی۔ ہم نے ان میں پھوٹ ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کیا۔

میں نے پوچھا۔

☆ ''آپ نے اقتدار سنبھالا تھا، حکومت آپ کو کرنا چاہئے تھے، مسائل آپ کو حل کرنا تھے، اگر بفرض محال آپ نے قومی حکومت بنانا تھی تو آپ نے پیپلز پارٹی کو بھی دعوت دی ہوتی؟''

جنرل چشتی نے کہا۔

ہم نے تمام فریقوں کو دعوت دی تھی۔ پیپلز پارٹی نے دعوت قبول نہ کی۔ جہاں تک آپ کے سوال کے پہلے حصے کا تعلق ہے۔ میں اس سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ کیونکہ میں پوری فوجی ہائی کمان کی نمائندگی نہیں کرتا۔ میں تو اپنا نظریہ بتا سکتا ہوں۔ میرا نظریہ تھا کہ ہمیں الیکشن کرانے چاہئیں۔ یہی ہماری ذمہ داری تھی۔ حکومت فوج نے

Marfat.com

سنبھالی تھی اور حالات معمول پر لانے کی ذمہ داری بھی فوج کی تھی۔ سویلین افراد کو حکومت میں کیوں لیا جاتا۔ غلط کرتے یا صحیح ہمیں خود کرنا چاہئے تھا۔ ہم نے بہت بڑی ذمہ داری قبول کی تھی۔ میں اس سے زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ بات آگے نکل جائے گی۔

میں نے سوال کیا۔

☆ ''تو آپ کی بات نہ مانی گئی''۔

جنرل چشتی نے کہا۔

آپ فوج کے طریق کار کو کیوں نہیں سمجھتے۔ ہمیں اگر چہ اپنی رائے دینے کا پورا پورا حق ہوتا ہے اور ہم اس حق کو استعمال بھی کرتے ہیں لیکن حتمی فیصلہ ہمارا کمانڈر کرتا ہے۔ اخبارات میں اکثر چھپتا ہے کہ حکومت تو کوئی پیچھے بیٹھا چلا رہا ہے۔ یہ محض متھ (myth) ہے۔ ہر فیصلہ کرنے کا مجاز کمانڈر ان چیف یا سی ایم ایل اے ہی ہیں۔ میں یہ بھی واضح کر دوں کہ میں اپنے دور کی باتیں کر رہا ہوں۔ جب سے میں مستعفی ہوا ہوں مجھے حالات کا پتہ نہیں۔ میں بھی آپ لوگوں کی طرح باہر سے واقعات پر نظر ڈالتا ہوں اور حیران رہ جاتا ہوں کہ جب فیصلہ یہ ہوا ہے کہ صوبوں میں حکومتیں بنیں تو صرف بلوچستان میں کابینہ کیوں نہیں بنتی۔ کیا وہاں چھ آدمی میسر نہیں آتے جو وزیر بننے کے اہل ہوں۔ اب یہ کس کا فیصلہ ہے کہ وہاں حکومت نہ بنے۔ میں نہیں جانتا، نہ شاید آپ کو علم ہوگا۔

انٹرویو کئی گھنٹوں پر محیط ہو رہا تھا۔ موسم میں یکا یک تبدیلی آ چکی تھی اور باہر تیز بارش ہو رہی تھی۔

میں نے جنرل چشتی سے پوچھا۔

☆ ''اگر آپ کے کسی طریقے پر یا کسی دوسرے طریقے پر عمل کرتے ہوئے پر امن انتقال اقتدار نہیں ہوتا اور لوگ سڑکوں پر نکل آتے ہیں تو آپ کی نظر میں نتائج کیا ہوں گے۔

Marfat.com

جنرل چشتی نے کہا۔

جو نتائج آپ کو نظر آتے ہیں، وہی میں دیکھتا ہوں۔

☆ ''کیا ملک ایک نئے مارشل لاء کی گود میں چلا جائے گا''؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جنرل چشتی نے کہا میرے خیال میں ایسا نہیں ہوگا۔ آپ ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں، ہمارے ملک میں کبھی کسی جرنیل نے مارشل لاء نہیں لگایا۔ ہمیشہ فوج نے ایک ادارے کی حیثیت سے اقتدار سنبھالا ہے۔ ایوب خان بھی کمانڈر انچیف تھا اور پوری فوج کے ساتھ حرکت میں آیا تھا۔

☆ ''جنرل صاحب! آپ جب انتقال اقتدار کی بات کرتے ہیں اور آپ نے دس فارمولے پیش کر دیئے لیکن آپ نے ان خطرات کا جائزہ تک نہیں لیا جو اندرونی یا بیرونی طور پر ملک کو درپیش ہیں۔''

اس سوال کے جواب میں جنرل چشتی نے کہا۔

ان مسائل پر میری اپنی رائے ہو سکتی ہے۔ لیکن ہماری گفتگو طول پکڑ جائے گی میرے خیال میں ایسے سنگین خطرات نہیں ہیں کہ الیکشن نہ ہو سکیں یا انتقال اقتدار میں کوئی رکاوٹ پیش آ سکے''۔

آخر میں جنرل چشتی نے کہا۔

میں دوبارہ یہ وضاحت کرنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ میں آج ہر بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ میں استعفیٰ دے کر حکومت سے باہر آ گیا ہوں۔ میں ان کا ساتھی نہیں رہا۔ ساتھی ہوتا تو ساتھ ہوتا۔ اگر میں درون خانہ میں شامل ہوتا تو اندر کے آدمی کو نکالا نہیں جاتا۔ وہ چھوڑ کے بھی نہیں آیا۔ میری پوزیشن بہت عجیب ہے۔ میں یہ کہنے پر اکتفا کروں گا کہ انتقال اقتدار ہونا چاہئے۔ میرے خیال میں قوم کہتی ہے کہ سول حکومت آنی چاہئے۔ اگر

Marfat.com

حکومت کا موَقف کچھ اور ہے تو اس پر ریفرنڈم کرا لیا جائے۔ میں دردمندی سے گزارش کروں گا کہ انتخابات کا انعقاد بے حد ضروری ہے سب سے پہلے تو یہ انتخابات ۷۳ء کے دستور کے تحت ہونے چاہئیں اسے معطل کیا گیا ہے اور کب تک معطل رکھا جا سکتا ہے۔ اسے بروئے کار لانا چاہئے اور جلدی لانا چاہئے۔

جنرل چشتی نے کشمیر کے ایک جریدے 'کشیر' کا حوالے دیتے ہوئے کہا کہ اس پرچے نے لکھا ہے کہ میرا احتساب کیا جائے۔ میں بھی یہی چیلنج کرتا ہوں کہ میرا احتساب کیا جائے۔ میں جب سے فوج میں شامل ہوا ہوں۔ اس روز سے میرا احتساب کر لیا جائے۔ میرا دامن صاف ہے، صاف نظر آئے گا۔

انٹرویو تمام ہوا۔ میں جنرل چشتی کی شفاف صاف کوٹھی سے نکلا۔ بابِ خیبر سے شروع ہونے والی سڑک بارش میں نہا گئی تھی اور درختوں پر اوائل بہار کی کونپلیں بکھری گئی تھیں۔

Marfat.com

جنرل چشتی کے الزامات/انکشافات

حوالہ اشاعت ..... قومی ڈائجسٹ اکتوبر ۱۹۸۳ء

انٹرویو لینے والے ..... جناب مجیب الرحمٰن شامی

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

جنرل (ریٹائرڈ) فیض علی چشتی گزشتہ دنوں لاہور آئے تو ان سے ملنے اور بات چیت کرنے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی ..... ابھی یہ خواہش ان تک نہیں پہنچائی تھی کہ خبر ملی وہ پریس کلب میں آ رہے ہیں۔ یہاں وہ آئے تو سوالوں کے نرغے میں بھی آئے۔ سنیئر اور جونیئر اخبار نویسوں نے ان سے ہر طرح کے سوال پوچھے، انہوں نے تفصیلی جوابات دیئے لیکن کئی مقامات کو انہوں نے ''آف دی ریکارڈ'' قرار دے ڈالا ..... اس نشست کے بعد، میں نے مناسب سمجھا کہ اسی گفتگو کو مرتب کر دیا جائے۔ اسے کئی صحافیوں سے ان کا ''انٹرویو'' بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی تفصیل مختلف اخبارات میں شائع ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود بہت کچھ ایسا ہے، جو سامنے نہیں آیا۔ مجھے امید ہے ہمارے قارئین اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اہم نکات

☆ فوج ہوا میں فائر نہیں کرتی

☆ فوج کا اصل کام سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے

☆ اگر احتساب ہوتا رہتا تو کوئی شخص آئین توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکتا

☆ میرے پاس ایک بھی ایکڑ نہیں ہے۔ میں نے کوئی زمین الاٹ نہیں کرائی

☆ میں نے یحییٰ خان سے کہا تھا کہ ملٹری ایکشن نہ کیا جائے

☆ میں دل کی بات زبان پر لانے کا حوصلہ رکھتا ہوں

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شائع شدہ مکمل روداد

سب سے پہلے تو میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہاں آنے اور تبادلۂ خیالات کرنے کی دعوت دی۔ میں اپنی طرف سے کوئی تقریر نہیں کرنا چاہتا۔ میرے پاس کہنے کے لئے بہت کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ میں سچی بات کروں گا، جھوٹ بولنے کی مجھے عادت نہیں۔ سچ کہنے کے لئے بہت کچھ ہے، لیکن جھوٹ کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں۔ آپ جو چاہیں سوال کریں، میں جواب دوں گا۔ آپ جب انہیں چھاپنے لگیں تو خود ہی احتیاط کریں۔ آدمی بہت سی باتیں ایسی بھی کہہ جاتا ہے جن کا چھپنا مناسب نہیں ہوتا۔ میں کھل کر بات کروں گا، آپ احتیاط سے چھاپیں..... قومی مفاد کو مدنظر رکھیں۔

جنرل ضیاء الحق نے کچھ ہی دن پہلے کہا تھا کہ حکومت اور ملک دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ وہ حق دیتے ہیں اور بار بار کہہ چکے ہیں کہ اگر وہ یا کوئی اور غلط کام کرتا ہے تو اسے ٹوکا جائے۔ حکومت سے اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن ملک ہم سب کا ہے۔ جو شخص ملک کے خلاف ہے، میں اس کا جانی دشمن ہوں۔ ہم جو کچھ بھی کہتے ہیں اور بحث کرتے ہیں، اس سے ملک کی بہتری ہی مقصود ہوتی ہے۔ اگر ہمارے وجود کو کوئی بیماری لاحق ہو گئی ہے تو اس کا تفصیلی جائزہ لینا ہوگا، تاکہ مناسب علاج کیا جا سکے۔ مریض اپنے مرض کو چھپائے، ڈاکٹر کو نہ بتائے تو تشخیص صحیح نہیں ہو سکتی، تشخیص نہ ہو تو ٹھیک علاج نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمیں اپنی اجتماعی زندگی کا جائزہ لینا چاہئے تاکہ اسے درست کر سکیں۔

ایک دم بہت سی آوازیں: آپ مارشل لاء لگانے والوں میں تھے۔ اس کی ضرورت کیا تھی؟

☆ کیوں لگایا مارشل لاء آپ لوگوں نے؟

ج: مارشل لاء کی ضرورت تھی، حقیقی معنوں میں، فوج نے بہت طویل انتظار کیا۔ اس امید پر

Marfat.com

کہ حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔لیکن ایسا نہ ہو سکا۔اتنا لمبا انتظار تو آج تک کبھی کیا نہ گیا تھا۔ ۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے لیکن قوم نے کہا، دھاندلی ہوئی ہے۔ان انتخابات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔قومی اتحاد نے صوبائی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔اس روز پولنگ سٹیشن سنسان رہے۔ بہت کم لوگ ووٹ ڈالنے گھر سے نکلے۔ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ یہ گویا اعلان تھا ۷ مارچ کے انتخابات کو مسترد کرنے کا۔اس کے بعد احتجاجی تحریک شروع ہوئی، ہم نے بار بار کہا کہ حزب اختلاف سے مصالحت کی جائے اور انتخابات دوبارہ کرائے جائیں۔

س: ''ہم'' سے مراد کیا ہے؟

ج: ''ہم'' سے مراد فوج ہے، میں اپنے بارے میں ''ہم'' کا لفظ استعمال نہیں کرتا۔میں خود، کو ''میں'' کہوں گا۔

س: حکومت سے کیا مراد ہے، کس سے کہا گیا؟

ج: وزیر اعظم سے، اور کس سے؟

س: آپ بھی کہنے والوں میں تھے؟

ج: جب کسی میٹنگ میں بلایا جاتا تھا تو میں بھی شریک ہوتا تھا لیکن فوج کی ترجمانی کا حق چیف آف سٹاف کو ہے۔فوج اسی کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کرتی ہے۔

س: کہا جاتا ہے، فوجی ہائی کمان میں تبدیلی ہو رہی تھی، اس لئے مارشل لاء لگا دیا گیا۔

ج: مجھے ایسی کسی بات کا براہ راست علم نہیں۔میرے خیال میں اس میں کوئی صداقت نہیں۔ میں اپنے علم کی حد تک ہی بات کر سکتا ہوں۔

س: چار جولائی امریکہ کا یوم آزادی ہے۔اس رات امریکی سفارت خانے میں یومِ آزادی کی تقریب تھی، وزیر اعظم اور بڑے بڑے جرنیل اس میں شریک تھے۔کیا آپ بھی وہاں

Marfat.com

گئے تھے؟

ج: میں وہاں نہیں تھا۔ میرے خیال میں یہ کہنا بھی درست نہیں ہوگا کہ وزیراعظم اور کئی جرنیل رات گئے تک وہاں تھے۔ پرائم منسٹرز ہاؤس میں تو میٹنگ ہو رہی تھی، اس رات وزیراعظم کے پاس کیا سلیمانی ٹوپی تھی کہ وہ دونوں جگہ پائے جاتے۔ آپ لوگ سنی سنائی باتیں کر رہے ہیں۔ افواہوں کو خبریں بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ یہ حال ہے آپ کی معلومات کا۔

س: مارشل لاء لگانے کا فیصلہ کس نے کیا؟

ج: چیف آف آرمی سٹاف اور پانچ کور کمانڈرز، میرا ووٹ بھی اس کے حق میں تھا۔

س: یہ فیصلہ کب کیا گیا؟

ج: میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں، میں اس رات جنرل ضیاء کے گھر بیٹھا تھا، جنرل ضیاء نے یونیفارم پہنی ہوئی تھی۔ انہیں کہا گیا تھا کہ وہ تیار رہیں۔ کسی وقت بھی وزیراعظم ہاؤس میں انہیں بلایا جا سکتا ہے۔ وہاں میٹنگ ہو رہی تھی۔ دس بج گئے، جنرل ضیاء کو بلاوا نہ آیا۔ انہوں نے خود فون کیا، تاکہ صورتحال معلوم ہو۔ وزیراعظم نے کہا، یہ (قومی اتحاد والے) باسٹرڈ کسی بات پر نہیں آ رہے، اب کچھ اور کرنا پڑے گا۔ جنرل ضیاء نے پوچھا، کیا میں یونیفارم اتار لوں۔ اب یہاں میری ضرورت تو نہیں ہے؟ جواب ملا، آرام کیجئے، آپ کے آنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد مجھے آرڈر دیا گیا کہ حالات کے سدھرنے کی امید نہیں، اس لئے حرکت میں آ جاؤ۔

س: لیکن چند روز پہلے ہی تو آپ نے بیان دیا تھا۔ بھٹو حکومت کی حمایت کرتے ہوئے، اسے آئینی قرار دیا تھا۔

ج: میں نے ایسا کوئی بیان نہیں دیا۔

Marfat.com

س: مطلب ہے کہ افواج کے سربراہوں نے۔

ج: کیا معلوم ایسا کوئی بیان دیا بھی گیا تھا یا نہیں؟ میرا تو خیال ہے حکومت نے خود ہی بیان جاری کر دیا تھا۔ جن لوگوں کی طرف سے بیان جاری کیا گیا تھا، ان سے پوچھے بغیر۔ یہ میرا اندازہ ہے، حقیقت کا علم تو انہی کو ہوگا، جن کے نام اس پر لکھے تھے۔

س: ''کچھ اور'' سے کیا مطلب تھا وزیراعظم کا، کیا کوئی اور پلان بنایا گیا تھا؟

ج: 'کچھ اور' کا مطلب واضح ہے۔ خدشہ تھا کہ اب کشت وخون ہوگا۔ پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے درمیان مسلح جنگ ہوگی۔ ملک طوفان کی لپیٹ میں آجائے گا۔ یہاں لاہور میں انارکلی میں جو کچھ ہوا تھا۔ اسے ملک بھر میں دہرایا جاتا۔

س: کیا فوج حکومت کی حمایت جاری رکھ کر، حالات کو سنبھالا نہیں دے سکتی تھی؟

ج: اس کی بہت کوشش کی گئی، بہت ساتھ دیا گیا، لیکن آخر کب تک چھوٹ دے دی جاتی۔ بار بار وارننگ دی گئی تھی۔ ایک میٹنگ میں وزیراعظم تھے، ان کے کئی وزراء، میر افضل، گیلانی، کوثر نیازی، حنیف خان اور پیرزادہ وغیرہ موجود تھے۔ جنرل ٹکا خان بھی تشریف فرما تھے۔ فوج کے سربراہ اور کور کمانڈر بھی تھے۔ اس میٹنگ میں فوج کا کردار تفصیل سے زیر بحث آیا۔ ٹکا خان نے کہا کہ ۲۰۰ آدمی مار دو ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی۔ جب میری باری آئی بولنے کی تو، میں نے کہا میں فوج کا ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ رہا ہوں۔ اس لئے کچھ کہنے سے پہلے جنرل ٹکا خان سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اجازت دے دی گئی.....

وہ سوال اور جواب کچھ یوں تھے۔

س: جب فوج کو سول فورسز کی مدد کے لئے بلایا جاتا ہے، تو فورس کے استعمال کا طریقہ کیا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم؟

ج: کم سے کم۔

Marfat.com

س: کیا اس وقت آٹومیٹک اسلحہ استعمال کیا جاتا ہے؟

ج: نہیں۔

جب شوٹ کیا جاتا ہے، جب فوج کو شوٹ کرنے کا آرڈر ہوتا ہے، تو کس طرح شوٹنگ ہوتی ہے۔ شوٹ ٹو کل (Shoot to kill) یا ہوا میں فائر کیا جاتا ہے؟

ج: فوج ہوا میں فائر نہیں کرتی۔

س: لاہور میں فوج نے چالیس گولیاں چلائیں، لیکن تین افراد کو گولی لگی۔ باقی ۳۷ گولیاں کہاں گئیں؟ ملتان میں ۵۴ گولیاں چلائی گئی تھیں کہ ۳، ۴ گولیاں لگیں۔ کیا ہمارا سپاہی اس قدر نااہل ہے کہ ۲۵ گز کے فاصلے سے گولی چلائے اور خدانخواستہ وہ نشانے پر نہ لگے؟ جواب ہوگا ہرگز نہیں۔ ہمارے فوجیوں کا نشانہ بلا کا ہے۔ پھر بتایا جائے لاہور میں ۳۷ گولیاں اور ملتان میں ۵۰، ۵۱ گولیاں کیوں ہوا میں چلی گئیں؟ اس کا جواب ٹکا خان کے پاس نہیں تھا۔ میں ان کا بڑا احترام کرتا ہوں، لیکن احترام کا مطلب یہ تو نہیں آنکھ بند کر کے ہر بات تسلیم کر لی جائے۔ میں نے عرض کیا: جناب والا، یہ صورتحال بتا رہی ہے کہ جس آدمی نے گولی چلانی ہے، وہ آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ اسے آپ اپنے لئے استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اسے دشمن سے لڑنے کے لئے رہنے دیں۔ یہ سمجھ لیں کہ آرمی آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ اس لئے الیکشن دوبارہ کرائیں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

پوچھا گیا، اگر نئے الیکشن کے بعد بھی نتائج کو تسلیم نہ کیا گیا اور دھاندلی کے الزامات لگائے گئے تو پھر کیا ہوگا؟ میں نے جواب دیا، فوج کی نگرانی میں انتخابات کرائیے۔ اس صورت میں فوج کو یقین ہوگا کہ دھاندلی نہیں ہوئی۔ اگر ایسے منصفانہ الیکشن کے بعد کوئی ہنگامہ کرے گا، تو پھر سپاہی پوری کنوکشن کے ساتھ گولی چلائے گا۔ (اگر آپ جیت گئے تو) آخر وقت تک آپ کا ساتھ دیا جائے گا۔

Marfat.com

س: پھر الیکشن کیوں نہیں کرایا گیا؟

ج: اس سوال کا جواب میں کیسے دے سکتا ہوں۔ یہ فیصلہ کرنا میری ذمہ داری تو نہیں تھی۔

س: آپ نے بھی تو الیکشن نہیں کرایا، کیوں؟

ج: اس 'کیوں' کا جواب بھی میرے پاس نہیں ہے۔ یہ فیصلہ کرنا میرا کام نہیں تھا۔

س: آپ تو الیکشن سیل کے سربراہ تھے۔

ج: یہ سیل تو پہلے الیکشن کے التواء کے بعد قائم ہوا تھا، آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ الیکشن سیل نے متفقہ طور پر کہا تھا کہ اکتوبر ۷۹ میں الیکشن کرا دیئے جائیں۔

س: راؤ فرمان علی بھی آپ سے متفق تھے؟

ج: اس وقت تو تھے۔

س: آپ کا مشورہ کیوں نہیں مانا گیا؟

ج: مجھے کوئی خبر نہیں۔ میرے پاس تو وہی اطلاع ہو گی جو مجھے فراہم کی جائے گی۔ میں اسٹیبلشمنٹ کا وزیر تھا، کور کمانڈر تھا، لیکن مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نہیں تھا۔ ویسے جنرل ضیاء الحق نے کہا تھا کہ انہوں نے سیاستدانوں کے کہنے پر انتخابات ملتوی کئے ہیں۔

س: ان سیاستدانوں کے نام کیوں نہیں بتائے جاتے؟

ج: آپ غلط آدمی سے سوال کر رہے ہیں۔ میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی، بس کسی دوسرے کے الفاظ کو دہرایا ہے۔

س: موجودہ مارشل لاء کا مقصد کیا تھا؟

ج: انتخابات کرانا، پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے درمیان جھگڑا زور پکڑ گیا تھا۔ ان کو الگ الگ کر کے، ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑا کرنا ہمارا مقصد تھا۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہ ہمارے پیش نظر تھا، نہ ہماری ذمہ داری۔ دوسرے مقاصد کی، جو باتیں ہوتی رہتی ہیں، یہ بعد میں سامنے آئے

Marfat.com

ہیں۔اگر ۴ جولائی کی رات کو منزل کچھ اور قرار دی جاتی تو ہم ہرگز اس فیصلے کی حمایت نہ کرتے۔ میرا ووٹ ہرگز مارشل لاء کے حق میں نہ ہوتا۔

س: جب آپ کی بات نہیں مانی گئی، انتخابات کو دوسری بار بھی ملتوی کر دیا گیا، تو آپ نے اپنے عہدے سے استعفیٰ کیوں نہیں دیا؟

ج: میں فوج کا جرنیل تھا۔اس حیثیت سے میں وزیر بھی تھا۔فوج کا اپنا ڈسپلن ہے۔ایک سپاہی کے طور پر مجھے ہائی کمان کے احکامات کی پابندی کرنی چاہئے تھی۔اپنی رائے کا اظہار کرنا کافی تھا۔اس پر اصرار کیسے کیا جا سکتا تھا؟ میں فوج سے کیسے استعفیٰ دیتا؟ یہ کیسی عجیب بات ہوتی؟ لیفٹننٹ جنرل کی مدت ملازمت چار سال ہوتی ہے۔جب یہ پوری ہوئی، تو میں نے ایکسٹینشن کی درخواست نہیں دی، پورے چار سال بعد ریٹائر ہو گیا۔فوج سے ریٹائر ہوا تو پھر وزارت میں رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔آپ نوٹ کر لیں کہ وزارت سے مجھے نکالا نہیں گیا۔میں نے اپنی خواہش پر اور اپنے فیصلے کے مطابق استعفیٰ دیا تھا۔

فوج سے استعفیٰ کی بات کرتے ہوئے یہ بھی مدنظر رکھیں کہ میں نے اپنی عمر کے کئی سال فوج میں خدمات انجام دی ہیں۔فوج میری زندگی اور میری روح ہے۔میں نے جنگوں میں بھی حصہ لیا ہے۔میں ایک غریب آدمی ہوں۔اگر استعفیٰ دیتا تو پنشن کا کیا بنتا؟ عمر بھر کی محنت پر پانی پھر جاتا۔

س: سندھ میں آپ نے کتنے مربعے الاٹ کرائے تھے؟

ج: میرے پاس ایک بھی ایکڑ نہیں ہے۔میں نے کوئی زمین الاٹ نہیں کرائی۔

س: جنرل ضیاء الحق سے آپ کے اختلافات کب پیدا ہوئے؟

ج: اختلافات تو ساتھ ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں۔جب آپ اکٹھے ہوں، تب بھی کسی سے سو فی صد اتفاق تو نہیں ہوتا۔سفر کی رفاقت تو بہت سی مجبوریوں اور بہت سے عوامل کی پیداوار

Marfat.com

ہوتی ہے۔ جب مارشل لاء لگایا گیا تو اسی وقت سے مشہور کیا جانے لگا کہ جنرل ضیاء الحق جنرل نجیب ہیں اور میں ناصر ہوں۔ مجھے اس پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا گیا کہ میں ''مرد آہن'' ہوں۔ دو نام اس طرح ساتھ ساتھ آئے۔ اس کا سبب بھی جان لیجئے اور نتیجہ بھی۔ چانکیہ پڑھ لیجئے یا کوٹلیا یا میکیاولی، طاقت میں دو نام ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ قوت کا مرکز ایک ہی رہتا ہے، ایک ہی رہنا چاہتا ہے۔ جنرل ضیاء کے قریب بعض لوگ ایسے تھے، جو میرے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ میری رائے تو یہ تھی کہ الیکشن کرانے چاہئیں۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ فوج کا اصل کام سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ اسے جلد از جلد اس کا کام سونپ دیا جائے۔

س: اس طرح کی باتیں ریٹائرمنٹ کے بعد ہی کیوں کہی جاتی ہیں؟ حکومت میں رہتے ہوئے عوام کے حقوق یاد کیوں نہیں آتے؟

ج: یہ آپ کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں۔ میں تو ایک ہی رائے کا اظہار کرتا رہا ہوں۔ میں دل کی بات زبان پر لانے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا ہوں۔ ریٹائر ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟

المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں حکومت چھوڑنے کی روایت موجود نہیں۔ یہاں اقتدار سے Walkout کوئی نہیں کرتا، اٹھا کر پھینکا جاتا ہے۔ میری دیانتدارانہ خواہش ہے کہ یہ سلسلہ ختم ہو۔ جب تک میں شریک اقتدار رہا، اس کے لئے کوشش کرتا رہا اور آج بھی آپ کے ساتھ بیٹھا ہوں تو مقصد یہی ہے کہ لوگ عزت سے جانے کا راستہ نکالیں۔

س: آپ کی خواہش اپنی جگہ، لیکن پاکستان کے جرنیلوں نے پاکستان میں جمہوری عمل چلنے نہیں دیا۔ ایوب خان نے اس وقت مارشل لاء لگایا، جب انتخابات ہونے والے تھے۔ یحیٰی خان کا مارشل لاء بھی، ایوب خان اور اپوزیشن کے درمیان انتخابات کے انعقاد پر سمجھوتے

Marfat.com

کے بعد آیا۔ آپ کے مارشل لاء کے بارے میں بھی کئی سیاسی لیڈر کہتے ہیں کہ اگر ایک دو دن اور نہ آتا تو حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں سمجھوتہ ہو جاتا..... یہ سلسلہ کہیں رکے گا بھی یا نہیں؟

ج: اپنے مارشل لاء کے بارے میں، میں نے وضاحت کر دی ہے، سپریم کورٹ کا فیصلہ بھی موجود ہے۔ لاہور میں انارکلی کا واقعہ یاد نہیں رہا آپ کو؟

س: کیا ہوا تھا انارکلی میں؟

ج: کھر اور اس کے ساتھ نے کیا کیا تھا؟

س: کچھ بھی نہیں۔ ایک شیشہ ٹوٹا تھا، کسی دکان کا۔

ج: آپ اپنے حافظے کا جائزہ لیں۔ بہر حال.....۔

س: کھر کو اسی ''جرم'' کی ''سزا'' دینے کے لئے آپ نے اسے باہر جانے دیا؟

ج: میرا کوئی تعلق نہیں، اس کے باہر جانے سے۔ صوبائی حکومت نے کہا کہ ہم اسے اجازت دے رہے ہیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ اجازت دے دی گئی۔

س: آپ جواب لندن گئے تھے، تو کھر سے ملے کیوں تھے؟ کیا باتیں ہوئیں، آپ کے اور اس کے درمیان؟

ج: میں لندن میں گیا تھا لیکن آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ کھر سے نہیں ملا..... آپ لوگوں کے پاس کس قسم کی خبریں ہوتی ہیں؟ افواہوں پر یقین کر لیتے ہیں آپ؟

ایک اخبار نویس: صحافت آزاد کہاں ہے؟ خبروں تک ہماری رسائی نہیں ہونے دی جاتی، ہر طرف تو پردے پڑے ہوئے ہیں۔ (اس بات پر کئی اخبار نویس خود ہی ہنس پڑتے ہیں)۔

س: بات مارشل لاء کی ہو رہی تھی.....

ج: جی، مارشل لاء کی ہو رہی تھی۔ اس کا سبب بنے ہیں، سیاستدان۔ ہمارے سیاستدان

Marfat.com

بد دیانت تھے۔ ذہنی طور پر، انٹی لیکچوئلی (Intellectually)۔ ان کی وجہ سے احتساب کی کوئی روایت قائم نہیں کی جا سکی۔ اگر احتساب ہوتا رہتا تو کوئی شخص آئین توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکتا۔ ایوب خان کا کردار قیام پاکستان کے وقت کیا تھا؟ کیا انہوں نے اس وقت اپنے فرائض دیانتداری سے انجام دیئے تھے؟ کیا کسی نے ان سے کبھی یہ سوال پوچھا؟ انہیں ترقی پر ترقی کیوں دی گئی؟ جب کمانڈر انچیف بنے تو پھر عہدے کی معیاد میں توسیع کیوں کی جاتی رہی؟ اپنے ہمسائے کی طرف دیکھئے! وہاں کسی کمانڈر انچیف کی معیاد میں توسیع کی گئی کیا؟ ایک بار ایسا ہوا، اور وہ بھی غیر معمولی حالات میں۔ ہمارے سیاستدانوں نے کیوں ایسا نہیں کیا؟ ہمارے ہاں فوج میں کہا جاتا ہے کہ ایک تو گڈ کیپٹنز ہوتے ہیں اور ایک لائل لیفٹننٹس۔ اول الذکر اپنے کام میں ماہر ہوتے ہیں اور ثانی الذکر محض سر ہلانے والے۔ ہمارے ہاں لائل لیفٹننٹس کو ترجیح دی گئی ہمیشہ۔ خود سوچ لیجئے کہ یحییٰ خان کیا تھا، موسیٰ خان کیا تھے اور ٹکا خان کیا تھے۔

س: کیا آپ گڈ کیپٹن ہیں؟

ج: آپ میرا ریکارڈ ملاحظہ کر لیجئے..... بہرحال اگر احتساب کی روایت مستحکم ہوتی تو کبھی غلطیاں دہرائی نہ جاتیں۔ ایوب خان اور یحییٰ خان کا احتساب کیوں نہیں کیا گیا؟ ان کے بعد تو سیاسی حکومت آئی تھی، اس نے کیوں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔

س: کیا آپ احتساب کے لئے تیار ہیں۔

ج: بالکل تیار ہوں۔ میرا تو مطالبہ ہے کہ ۷۳ء کا دستور بغیر کسی ترمیم کے بحال کر دیا جائے۔

س: آرٹیکل ۶ سمیت؟

ج: آرٹیکل ۶ سمیت۔ جب مجھے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا تو دے لوں گا میں جواب۔ (کچھ رک کر) میں نے سنا ہے، مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔ مسلمان کو چاہئے کہ نہ

Marfat.com

ڈرے۔سامنا کرے۔جو ہو سو ہو۔

س: آپ نے اپنے دور میں کیا کچھ نہیں کیا؟ مسٹر بھٹو پر جیل جا کر تشدد تک تو کیا آپ نے، پھانسی کی رات تو جیل میں آپ نے.....؟

ج: میرا بھٹو اور ان کی جیل سے کیا تعلق۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میں نے آج تک کبھی پنڈی جیل میں قدم نہیں رکھا۔ نہ راولپنڈی میری ذمہ داری تھی اور نہ.....۔

س: آپ کور کمانڈر نہیں تھے؟

ج: اللہ کے بندے، پہلے اپنی معلومات تو درست کرو! میری کور کا ہیڈ کوارٹر پنڈی میں تھا، لیکن کیوں؟ اس لئے کہ میری کور کے تحت آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ تھا، مرالہ ہیڈ ورکس تھا، واخان اور خنجراب تک اس کی حدود تھیں۔ میرے انڈر چار جرنیل تھے۔ ایک جہلم میں اور ایک منگلہ میں، ایک مری میں اور ایک گلگت میں تھا۔ ان سے بہتر طور پر رابطہ برقرار رکھنے کے لئے راولپنڈی کو بیس بنایا گیا تھا۔ یہاں سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے متعلقہ مقامات تک آنا جانا آسان تھا۔ راولپنڈی میں اقامت اور بات ہے، ذمہ داری اور بات۔

س: جس رات مسٹر بھٹو کو پھانسی دی گئی.....

ج: اس رات میں گلگت میں تھا۔ میں دو اپریل کو وہاں گیا۔ ریڈیو سٹیشن کا افتتاح کیا۔ تین اپریل کو ایک پل کا افتتاح ہوا، مجھے پیغام ملا کہ واپس آ جایئے، راولپنڈی پہنچ جاؤ۔ میں روانہ بھی ہوا لیکن موسم کی خرابی نے روک لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچایا، اس رات راولپنڈی میں ہونے سے۔ میرے خلاف سازش تھی، اگر میں وہاں رہ جاتا تو نہ جانے کیا کیا، کیا جاتا۔ وہاں عدم موجودگی کے باوجود کیا کیا باتیں گھڑ کر نہیں پھیلائی گئیں..... میرے خلاف باتیں گھڑنے والا آج بھی سیکرٹری کے عہدے پر ہے۔ بہر حال میں اگلے دن واپس آ رہا تھا کہ گیارہ بجے میرے پائلٹ بریگیڈئر اکرم نے چٹ لکھ کر بھیجی کہ انہوں نے ریڈیو پر سنا ہے

Marfat.com

مسٹر بھٹو کو دفن کر دیا گیا ہے۔

میرا بھٹو کے معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک عدالتی فیصلہ تھا۔ مقدمہ عدالت میں چلتا رہا۔ بعد میں رحم کی اپیل گورنر پنجاب کے پاس گئی۔ نہ میں گورنر پنجاب تھا، نہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر۔ وہاں سے یہ معاملہ صدر کے پاس پہنچا۔ صدر بھی نہیں تھا۔ نہ سی ایم ایل اے تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا۔ اپیل مسترد کرنے کا۔ میں وزیر تھا، میرے محکمے میری ذمہ داری تھے۔

س: آپ کو اس بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔

ج: مجھے کیا پتہ ہو سکتا تھا؟ یہ معاملہ میرے سپرد تو نہیں تھا۔

س: کابینہ میں بھی زیر بحث نہیں آیا.....

ج: یہ مجھے یاد نہیں ہے، میرے حافظے کے مطابق، بہر حال میں مسٹر بھٹو کا فیصلہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔

س: آپ جب باہر گئے تو خیال تھا، واپس نہیں آئیں گے.....

ج: کب کی بات کر رہے ہیں آپ؟

س: جب آپ پہلی بار گئے تھے۔

ج: پہلی بار تو میں ۱۹۵۰ء میں گیا تھا۔

س: نہیں، وزارت چھوڑنے کے بعد۔

ج: کیوں نہ آتا واپس، پاکستان میرا وطن ہے۔ میں کوئی کانا ہوں کسی کا کہ واپس نہ آؤں۔

س: آپ کیا محسوس کرتے ہیں کہ اب ملک میں وہی حالات پیدا ہو رہے ہیں، جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے پہلے تھے؟

ج: اس سے بدتر ہیں۔ ملک کا مستقبل زیادہ بڑے خطروں میں گھرا ہوا ہے؟

س: پھر کیا ہونا چاہئے؟

Marfat.com

ج: انتخابات..... سندھ کی صورتحال سے دل گھبراتا ہے۔ ملک کی مثال ایک خاندان کی ہے۔ حکومت کا سربراہ کنبے کا سربراہ ہے۔ گھر میں باپ بچے کو جھڑکتا ہے، ڈانٹتا ہے تو وہ ناراض ہو کر کبھی کھانا کھانے سے انکار کر دیتا ہے، کبھی منہ پھیر کر لیٹ رہتا ہے۔ ایسے میں باپ کیا کرتا ہے؟ وہ ناراض بیٹے کو منا کر لاتا ہے اور جب تک وہ کھانے کی میز پر نہیں بیٹھتا، نوالہ اس (باپ) کے حلق سے بھی نیچے نہیں اترتا، سندھ کے بھائی ناراض ہیں، مشتعل ہیں تو انہیں منانا، ان کا غصہ ٹھنڈا کرنا، کنبے کے سربراہ پر لازم ہے..... جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوتا رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ملک میں انتظامیہ نام کی کوئی شے موجود نہیں ہے۔ بحران یہ بھی ہے کہ ایڈمنسٹریشن کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

کرنے کا کام یہ ہے کہ مارشل لاء کے اس مقصد کو پورا کیا جائے۔ جس کے لئے اس کا نفاذ عمل میں آیا تھا۔

س: وگرنہ آپ نئے مارشل لاء کا خطرہ محسوس کرتے ہیں؟

ج: آج تک جب بھی کوئی مارشل لاء لگا، پوری فوج ہی نے لگایا.....

س: فیصلہ کرنے والے تو چند افراد ہوتے ہیں؟

ج: میرا مطلب ہے، چلئے یوں کہہ لیجئے کہ چیف آف آرمی سٹاف نے لگایا۔ کمانڈر انچیف کے علاوہ نیچے سے بغاوت کر کے کسی نے مارشل لاء نافذ نہیں کیا۔ اب مارشل لاء لگا ہوا ہے، چیف آف آرمی سٹاف چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہیں۔ ایسے میں کسی نئے جرنیل کی آمد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ سربراہ حکومت خود اپنی ناکامی کا اعتراف کر کے حکومت اپنی مرضی سے اور اپنے انتخاب کے مطابق کسی دوسرے کے سپرد کر دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نیچے سے کوئی بغاوت کرے۔ ایسا ہمارے ہاں ہوا نہیں آج تک۔ خدا کرے نہ ہو کبھی۔ فوج کا اتحاد اور ڈسپلن بہت قیمتی ہے۔ پاکستان فوج کی تباہی افورڈ نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

س: کیا آج اس بات کا امکان ہے کہ.....

ج: میں ایسے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ میرا تو اصرار ہے جلد از جلد انتقال اقتدار کر دیا جائے۔

س: کیا کوئی قابل عمل فارمولا وضع کرنا ممکن ہے؟

ج: بالکل ممکن ہے، جہاں ارادہ ہو وہاں راستہ نکل آتا ہے۔ اگر ارادہ نہ ہو تو وہ کیا کہتے ہیں پنجابی میں جتھاں ڈھیر (پورا محاورہ آپ یاد کر لیں)۔

س: کیا آپ ایم آر ڈی کے مقاصد سے متفق ہیں؟

ج: اگر میں کہوں ہاں تو آپ جا کر سرخی لگا دیں گے کہ چشتی نے ایم آر ڈی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم، ایم آر ڈی کے مقاصد کیا ہیں۔ میں تو اپنے مقاصد کی بات کر رہا ہوں۔ میں الیکشن چاہتا ہوں۔ آزادانہ اور منصفانہ الیکشن۔ فوج کے زیر انتظام۔ اس میں سب کو شریک ہونے کا موقع دیا جائے۔

س: آپ ۱۲ اگست کے ڈھانچہ کو قابل عمل نہیں سمجھتے؟

ج: ہرگز نہیں، میں اسے مسترد کرتا ہوں، پوری قوم اسے مسترد کر چکی ہے۔ سیاسی جماعتوں اور ۱۹۷۳ء کے بلا ترمیم دستور کی بحالی کے بغیر بحران ختم نہیں ہو سکے گا، بلکہ گہرا ہوتا جائے گا۔ خدشہ ہے یہ کوئی ایسا رخ اختیار نہ کرے کہ جس کے نتائج دیکھنے کی کسی کو تاب نہیں ہے۔ طاقت کے استعمال سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ طاقت کا اصول یہ ہے کہ اگر اس کے ایک بار استعمال سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہ کئے جا سکیں تو پھر بار بار اس پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اور مقاصد اتنے ہی دور ہوتے جاتے ہیں۔ نفرت اور تلخی پھیلتی جاتی ہے۔ مشرقی پاکستان کا المیہ ہمارے سامنے ہے۔ میں اس وقت فوج کا ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ تھا۔ میں نے یحییٰ خان سے کہا تھا کہ ملٹری ایکشن نہ کیا جائے۔ ہم ایک ایسی دلدل میں پھنستے جائیں گے

Marfat.com

جس سے زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔

س: انتخابی عمل تو ۱۲ اگست کے ڈھانچے کے تحت بھی شروع ہو جائے گا۔ اب لوکل باڈیز کے انتخابات ہو رہے ہیں، پھر.....

ج: لوکل باڈیز کے کیا انتخابات ہو رہے ہیں؟ بیوروکریسی کے بوجھ تلے دبے ہوئے ادارے کونسا مسئلہ حل کر سکتے ہیں؟ جب آپ انتخابات کے بعد قومی اور صوبائی سطح پر حکومت عوامی نمائندوں کو سونپ دیتے ہیں پورا ملک ان کے سپرد کرنے کے پابند ہیں، تو عوام کے چنے ہوئے لوگوں پر مقامی سطح پر اعتماد کیوں نہیں کیا جاتا؟ میں جب وزیر تھا، میں نے آزاد کشمیر میں لوکل باڈیز کے انتخابات کرانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ ڈپٹی کمشنر منتخب نمائندوں کے ماتحت ہوں گے۔ کارپوریشن کا سربراہ شہر کا سربراہ ہوگا، ڈسکٹرکٹ کونسل کا چیئرمین پورے ڈسٹرکٹ کا چیئرمین ہوگا۔ اسے کلیدی حیثیت حاصل ہوگی۔ اگر اس طرح انتخابات کرائے جائیں اور بنیادی اداروں کو خودمختار بنایا جائے، تب تو ان کے قیام کا فائدہ ہے، وگرنہ یہ بیوروکریسی کے دباؤ سے کراہتے رہیں گے۔

میرا مطالبہ ہے کہ مقامی نمائندوں کو مکمل خودمختاری دی جائے۔ ۱۲ اگست کے ڈھانچے کے تحت پارلیمنٹ کے نام پر جو کچھ وجود میں آئے گا (اگر حالات وہاں تک پہنچ سکے تو) اسے قوم تسلیم نہیں کرے گی۔ مارشل لاء کو قوم کے بنائے ہوئے آئین کے تحت حکومت قوم کے سپرد کر دینی چاہئے۔ اس میں بتائے گئے طریقے کے تحت، جو ترمیم ضروری ہوگی، کر لی جائے گی۔

س: آپ جنگ کا کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں؟

ج: خدانہ کرے کہ کسی سے ہماری جنگ ہو..... لیکن یہ یاد رکھیں کہ پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریے پر رکھی گئی تھی۔ بھارت نے ہمارے وجود کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔ وہ ہماری تباہی

Marfat.com

کے لئے موقع کی تاک میں ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ہم چوکس رہیں اور ہماری افواج دفاع کے علاوہ اور کسی چیز سے سروکار نہ رکھیں۔

س: کیا آپ فوج کے لئے ملکی سیاست میں کسی آئینی کردار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

ج: فوج کا ایک ہی کردار ہے، سرحدوں کی حفاظت۔ترکی کی بات یہاں کی جاتی ہے۔میں ترکی زبان جانتا ہوں۔ترکی کے بارے میں میری معلومات اور مطالعہ کم نہیں، وہاں فوج کا کیا کردار ہے، کیا نہیں .....اس سے قطع نظر وہاں کی فوج اس بات پر فخر کرتی ہے اور ترک قوم بھی اس فخر میں شریک ہے کہ ترک فوج نے آج تک کسی کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ اسے کوئی شکست نہیں دے سکا۔

س: کیا آپ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہو رہے ہیں؟

ج: فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔

س: کیا کوئی نئی سیاسی جماعت بنانے کا خیال ہے؟

ج: عین ممکن ہے۔کبھی ایسا وقت آجائے، میں جرنیل ہوں، اب رنگروٹ بن کر نئے سفر کا آغاز نہیں کر سکتا، لیکن فی الحال کچھ کہنا مشکل ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب
میرے پاس بھٹو کے قتل کا اوپن چیک موجود تھا

حوالہ اشاعت ..... مون ڈائجسٹ سالنامہ اکتوبر ۱۹۸۴ء

انٹرویو لینے والے ..... جناب ادیب جاودانی، ایڈیٹر مون ڈائجسٹ

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

جنرل فیض علی چشتی کا نام قومی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب ملک میں جو فوجی انقلاب آیا وہ اس ''آپریشن فیئر پلے'' کے انچارج تھے۔ موجودہ مارشل لاء کے نفاذ میں ان کا کردار انتہائی اہم اور مرکزی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ وہی تھے جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو حراست میں (۱) لیا۔ ۵ جولائی ۷۷ء کو انہیں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کے دست راست کی حیثیت حاصل تھی۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد عوامی و سیاسی حلقوں کی طرف سے انہیں ''مرد آہن'' کا خطاب دیا گیا۔ وہ ۷۸-۱۹۷۷ء میں الیکشن سیل کے چیئرمین اور وفاقی وزیر بھی رہے۔ وہ پاکستان آرمی کے ملٹری سیکرٹری بھی رہے پاک آرمی کی وہ ہائی کمان جس نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس ہائی کمان میں افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ضیاء الحق اور پاکستان آرمی کے پانچوں کور کمانڈر لیفٹننٹ جنرل محمد اقبال، لیفٹننٹ جنرل محمد سوار خان، لیفٹننٹ جنرل جہاں زیب ارباب،

---

۱ (ذوالفقار علی بھٹو کو کسی نے بھی حراست میں نہیں لیا تھا۔)

Marfat.com

لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی اور لیفٹننٹ جنرل غلام حسن شامل تھے۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء نافذ کرانے والی ملٹری ہائی کمان میں شامل ان پانچوں کور کمانڈرز میں سے جنرل فیض علی چشتی اور جنرل غلام حسن سب سے پہلے ریٹائر ہوئے۔ لیفٹننٹ جنرل محمد اقبال اور لیفٹننٹ جنرل محمد سوار خان نے جنرل کے عہدہ پر ترقی پائی اور ریٹائر ہونے سے پہلے علی الترتیب چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور وائس چیف آف آرمی سٹاف تعینات رہے۔

چونکہ مارشل لاء کے نفاذ میں جنرل فیض علی چشتی نے سب سے اہم اور مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اس لئے ان کی ریٹائرمنٹ پر عوامی اور سیاسی حلقوں میں بہت سی قیاس آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔ عام خیال یہی ہے کہ چونکہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے جنرل چشتی کے بعض اختلافات ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے جنرل چشتی کو اقتدار میں شمولیت کا مزید موقع نہیں دیا اور لیفٹننٹ جنرل کی حیثیت سے ان کی مدت ملازمت چار سال پوری ہوتے ہی انہیں ریٹائرمنٹ دے دی۔ جنرل فیض علی چشتی نے فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد ''چشتی ایسوسی ایٹس لمیٹڈ'' کے نام سے اپنا ایک نجی کاروباری ادارہ قائم کر رکھا ہے اور اپنے اس کاروبار کی نگرانی کے لئے وہ راولپنڈی میں قیام پذیر ہیں۔

میری یہ دیرینہ خواہش تھی کہ میں جنرل فیض علی چشتی سے ملوں، ان سے پوچھوں کہ اپنے ہاتھوں لگائے گئے مارشل لاء کے موجودہ درخت کی چھاؤں انہیں کیوں نصیب نہیں ہوئی۔ وہ کیوں اس شجر سایہ دار کی موجودگی میں ''کڑی دھوپ'' میں کھڑے ہیں۔ اب جب کہ فوج سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ قومی مسائل پر کس انداز میں سوچتے ہیں، ملک اور قوم کو اس وقت جن گھمبیر حالات کا سامنا ہے، ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے ان کے پاس کیا راستہ ہے؟ انہیں کوئی پچھتاوا تو نہیں؟ ..... بالآخر مجھے یہ موقع مل گیا۔ جنرل فیض علی چشتی نے مجھے مل بیٹھنے اور گفتگو کے لئے وقت دے ہی دیا، ان سے یہ انٹرویو تین نشستوں میں لیا

Marfat.com

گیا، دو نشستیں راولپنڈی میں ان کے گھر پر ہوئیں اور تیسری نشست لاہور میں ان کے دو روزہ قیام کے دوران ان کے ایک عزیز کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ ان سے میری ملاقات کا تمام تر احوال سوالاً جواباً نذرِ قارئین ہے۔

☆☆☆☆☆

اہم نکات

☆ بھٹو خود یہ چاہتا تھا کہ فوج اس سے اقتدار چھین لے

☆ اقتدار پر قابض ہونا صرف دو منٹ کا کام تھا

☆ ملک کے گھمبیر سیاسی حالات کے باعث جنرل ضیاء الحق کی بقاء میں پاکستان کی بقاء ہے

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شائع شدہ مکمل روداد

سوال: جنرل صاحب، ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اس ملک میں جو فوجی انقلاب آیا تھا، ملک اور قوم ابھی تک اس انقلاب کے ثمرات سے دوچار ہیں، ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ میں آپ نے انتہائی اہم، انتہائی مرکزی کردار ادا کیا تھا، آپ فوج سے ریٹائر ہو چکے ہیں، مگر آپ کا لایا ہوا یہ انقلاب آٹھویں سال میں داخل ہو چکا ہے۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء نافذ کرتے وقت اس وقت کی ملٹری ہائی کمان کے پیش نظر جو مقاصد تھے، آپ کے خیال میں کیا وہ پورے ہو گئے ہیں، اگر یہ مقاصد ابھی تک پورے نہیں ہوئے تو آپ جنرل محمد ضیاء الحق کے سات سالہ دور اقتدار پر کس طرح تبصرہ کریں گے؟

جواب: ادیب جاودانی صاحب، آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ کالعدم پاکستان پیپلز پارٹی اس وقت ملک میں برسر اقتدار تھی، ان انتخابات کے نتیجے میں اس پارٹی کے امیدوار بھاری اکثریت سے جیت کر قومی اسمبلی میں پہنچے۔ حزب اختلاف میں شامل نو سیاسی جماعتوں کے انتخابی اتحاد، پاکستان قومی اتحاد نے برسر اقتدار پارٹی پر انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کا الزام لگایا اور اس کے خلاف احتجاجی تحریک شروع ہو گئی۔ پاکستان قومی اتحاد کی یہ احتجاجی تحریک کئی ماہ تک جاری رہی۔ اس میں روز بروز شدت آتی گئی۔ ملک میں خانہ جنگی کے آثار رونما ہونے لگے۔ اس وقت کے وزیر اعظم کو بعض شہروں میں مارشل لاء تک نافذ کرنا پڑا، افواج پاکستان کا اس ملک کے عوام کی نظروں میں بے پناہ احترام ہے مگر جب اس وقت کے وزیر اعظم نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے فوج کو استعمال کرنے کی کوشش کی تو اس سے فوج کا وقار مجروح ہونے کی صورتحال پیدا ہو گئی۔ اس وقت ملٹری کی ہائی کمان نے ملک کے وزیر اعظم اور اس

Marfat.com

کی کابینہ کو واشگاف الفاظ میں یہ وارننگ دی کہ وہ پاکستان قومی اتحاد سے کوئی سمجھوتہ کریں، ملک سے خانہ جنگی کو ختم کرائیں اور اگر ملک میں امن وامان کی بحالی کے لئے پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے قومی اسمبلی کے انتخابات دوبارہ کرائے جانے کا مطالبہ واپس نہیں لیا جاتا تو انتخابات دوبارہ کرانے کا اعلان کیا جائے۔ فریقین کو مذاکرات کی میز تک بھی لایا گیا مگر جب سمجھوتے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو فوج نے اپنا وقار مجروح کرانے کی بجائے، ملک کے اقتدار کو عارضی طور پر اپنے ہاتھوں میں لے کر خود اپنی نگرانی میں انتخابات کرانے کا فیصلہ کرلیا۔

جب مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ کیا گیا تو یہ طے پایا تھا کہ فوج تین ماہ کے اندر اندر انتخابات کرانے کے بعد واپس بیرکوں میں چلی جائے گی۔ انتخابات کو ابتداء میں مؤخر کیا گیا اور بعد ازاں انہیں نامعلوم مدت کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ آپ کے سوال کا تفصیلی جواب میں تو دے سکتا ہوں مگر شاید آپ اسے شائع نہ کر سکیں گے۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء جن مقاصد کے لئے لگا تھا، میں کہتا ہوں وہ پورے نہیں ہوئے۔ کیوں پورے نہیں ہوئے؟ اس کا جواب آپ میری بجائے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے پوچھئے۔

سوال: کیا آپ کو مارشل لاء کے نفاذ کے دوران ادا کئے گئے اپنے کردار پر کوئی پشیمانی تو نہیں؟ کیا آپ یہ تو نہیں سوچتے کہ مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ درست نہیں تھا؟

جواب: ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ جن حالات میں کیا گیا تھا وہ صحیح تھا اور میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے اپنا کردار ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں ادا کیا تھا، ماشل لاء کے نفاذ کے فیصلے کو اس ملک کی سب سے بڑی عدالت نے جائز قرار دے دیا تھا۔

سوال: تو کیا یہ سمجھا جائے کہ آپ کی نظر میں موجودہ حکومت جائز اور قانونی ہے؟

جواب: میں نے یہ کب کہا ہے؟ ماشل لاء کا نفاذ کرتے وقت ملٹری ہائی کمان کے پیش نظر جو

Marfat.com

مقاصد تھے، سپریم کورٹ نے ان مقاصد کی تکمیل تک اسے جائز اور قانونی قرار دیا تھا اور انتخابات کرانے کے لئے کم سے کم مدت کا حکم صادر کیا تھا نہ کہ فوج کو "لامحدود مدت" تک کے لئے اقتدار سنبھالے رکھنے کا جواز مہیا کیا تھا۔

سوال: جنرل صاحب، عام طور پر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء اس وقت لگایا گیا جب اس کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ برسر اقتدار پارٹی اور پاکستان قومی اتحاد کے لیڈروں کے مابین اصولی طور پر انتخابات دوبارہ کرانے کا سمجھوتہ ہو گیا تھا، محض سمجھوتے کی تفصیلات پر چند اختلافات باقی تھے جن کا ختم ہو جانا انتہائی قرین امکان تھا، آپ اس سلسلہ میں کیا کہیں گے؟

جواب: اگر کچھ لوگ اس قسم کا تاثر دیتے ہیں کہ مارشل لاء کے نفاذ کا کوئی جواز نہیں تھا تو وہ صحیح نہیں کہتے۔ بعض بڑے بڑے شہروں میں خود وزیر اعظم بھٹو نے مارشل لاء نافذ کر دیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ بھٹو فوج کو اپنے عزائم کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر فوج بھٹو کی نہیں تھی، اس ملک اور قوم کی تھی۔ کیا کوئی مجھے اس بات کا جواب دے سکتا ہے کہ جب فوج نے انارکلی میں گولی چلائی تو اس ملک کا کوئی شہری کیوں نہیں مرا۔ فوج کبھی ہوائی فائرنگ نہیں کرتی۔ فوج کا سپاہی جب ہوائی فائر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ فائرنگ کا حکم دینے والے کے ساتھ نہیں ہے۔ پاکستانی قوم فوج کا بے پناہ احترام کرتی ہے۔ ملک کے عوام کو فوج کا احترام کرنا بھی چاہئے کہ اس ملک کو فوج نے بھارت کے مذموم عزائم سے بچا رکھا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں جب وزیر اعظم نے چند بڑے بڑے شہروں میں جزوی مارشل لاء نافذ کر کے فوج کو اپنی کرسی کے لئے استعمال کرنا چاہا تو فوج نے بظاہر احکامات کی تعمیل بھی کی مگر وہ عوام کا قتل عام کرنے سے گریزاں بھی رہی۔ بعض فوجی افسروں نے اپنے بھائی بندوں پر گولی چلانے کے حکم کے خلاف احتجاجاً فوج سے استعفے بھی دیئے۔ جب ملک میں یہ

Marfat.com

حالات تھے تو مارشل لاء کے نفاذ کا جواز سامنے تھا، فوج کی ہائی کمان نے ملک کی قانونی حکومت کو بہت وقت دیا، ۷ مارچ سے ۴ جولائی تک کا عرصہ حالات کو سنبھالنے کے لئے کچھ کم نہیں تھا۔ فوج کی ہائی کمان نے ماشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ انتہائی ناگزیر حالات میں کیا تھا۔ فوج کی ہائی کمان کو اس فیصلے تک پہنچنے کی راہ خود ذوالفقار علی بھٹو نے دکھائی تھی۔ بڑے شہروں میں جزوی ماشل لاء اسی کے حکم سے لگایا گیا تھا۔ فوج کی ہائی کمان نے ۳ جولائی کی شب کو بھٹو کو اقتدار سے ہٹا کر، ملک کا نظم ونسق سنبھال لینے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر برسر اقتدار پارٹی اور پاکستان قومی اتحاد کے لیڈروں میں سمجھوتے کی امید پیدا ہو جانے کے بعد یہ فیصلہ ملتوی کر دیا گیا۔ ۴ جولائی کو برسر اقتدار پارٹی اور پاکستان قومی اتحاد کے لیڈروں کے مابین شام گئے تک مذاکرات ہوتے رہے، وزیراعظم کے حکم پر افواج پاکستان کے کمانڈر ان چیف سارا دن اپنے آفس میں وزیراعظم کی ٹیلی فون کال کے منتظر رہے۔ وزیراعظم نے انہیں پابند کر رکھا تھا کہ انہیں کسی وقت بھی مذاکرات کی میز پر بلایا جا سکتا ہے۔ رات دس بجے تک وزیراعظم کی طرف سے افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف کو مذاکرات کی کامیابی یا ناکامی کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی تو انہوں نے خود وزیراعظم کو ٹیلی فون کر کے اس سلسلہ میں استفسار کیا۔ اس وقت میرے علاوہ جنرل ریاض محمد خان مرحوم اور جنرل عارف بھی کمانڈر انچیف کے آفس میں موجود تھے۔ وزیراعظم بھٹو نے ٹیلی فون پر جنرل محمد ضیاء الحق سے کہا۔ ''آپ کو اس لئے زحمت نہیں دی گئی کہ وہ کسی طرح نہیں مانتے۔ ان کے لئے اب کچھ اور ہی کرنا پڑے گا۔''..... جب وزیراعظم نے ٹیلی فون پر مذاکرات کی ناکامی کا اعتراف کر لیا تو جنرل محمد ضیاء الحق نے مجھے فوج کی ہائی کمان کے فیصلے پر اسی رات عمل درآمد کرنے کا حکم دے دیا۔ جو لوگ یہ تاثر دیتے ہیں کہ مارشل لاء اس وقت لگایا گیا جب اس کا کوئی جواز نہیں وہ یا تو حقائق سے نابلد ہیں یا اپنے کسی مقصد کے لئے دانستہ تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کر

Marfat.com

رہے ہیں۔

سوال: جنرل صاحب، جیسا کہ آپ نے تھوڑی دیر پہلے کہا ہے، فوج کی ہائی کمان نے برسراقتدار پارٹی کے لیڈروں کو پاکستان قومی اتحاد کے ساتھ کسی سمجھوتے پر پہنچنے کی وارننگ دے دی تھی، اس کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ حالات کے نہ سدھرنے کی صورت میں مارشل لاء نافذ کرنے کا اشارہ کر دیا گیا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ بھٹو جیسے ذہین اور زیرک سیاست دان نے مارشل لاء کے نفاذ کو روکنے کے لئے مناسب اقدام کیوں نہیں کیا؟

جواب: بات یہ ہے ادیب صاحب کہ ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی تھی اور پاکستان قومی اتحاد نے اس کے خلاف احتجاجی تحریک شروع کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ انتخابات میں دھاندلی نہ ہوتی تو نتائج مختلف بھی ہو سکتے تھے۔ برسراقتدار پارٹی کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا مگر اس پارٹی کے لیڈر دوبارہ انتخابات کے لئے اس لئے تیار نہیں ہو رہے تھے کہ اس طرح وہ بین الاقوامی طور پر اپنی ساکھ گنوا بیٹھتے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی یہی سوچ تھی کہ پاکستان قومی اتحاد دوبارہ انتخابات کا مطالبہ چھوڑ دے۔ جب برسراقتدار پارٹی اور پاکستان قومی اتحاد کے مابین مذاکرات کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ بھٹو کا دھیان فوج کی ہائی کمان کی طرف ضرور گیا ہوگا۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے مارشل لاء کے نفاذ کو پیش نظر کیوں نہیں رکھا۔ اس نے فوج کی طرف سے مارشل لاء کے نفاذ کے امکان کو نظر انداز یقیناً نہیں کیا ہوگا۔ میرا خیال یہ ہے کہ بھٹو ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار ہو چکا تھا کہ فوج اس سے اقتدار چھین لے، دراصل وہ ملک کا اقتدار خود فوج کے حوالے کر کے اپنا ''امیج'' خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ فوج اقتدار پر قبضہ کر لے تاکہ وہ عوام کے پاس جائے تو سیاستدان کے طور پر اس کے پاس ساکھ بھی ہو اور سیاست کرنے کے لئے ''ایشو'' بھی موجود ہو۔ وہ مذاکرات کو عمداً طول دیتا رہا، اس کے ذہن میں

Marfat.com

یقیناً یہ بات تھی کہ یا تو پاکستان قومی اتحاد کی تحریک طوالت کے باعث دم توڑ جائے گی یا فوج درمیان میں آجائے گی اور سیاستدان کے طور پر اس کا تشخص، تباہ ہونے سے بچ جائے گا، مارشل لاء یقیناً بھٹو کی عین توقع کے مطابق لگا تھا۔

سوال: کیا بھٹو نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ مارشل لاء اس کے اندازوں کے برعکس کئی سال تک طوالت بھی اختیار کر سکتا ہے؟ اور کیا خود آپ کو یہ اندازہ تھا کہ آپ جس مارشل لاء کے نفاذ میں شامل ہو رہے ہیں۔ یہ اتنا طویل ہو جائے گا؟

جواب: مارشل لاء نافذ کرنے والی فوج کی ہائی کمان میں، خود میں بھی شامل تھا۔ ہائی کمان نے مارشل لاء محض دوبارہ انتخابات کرانے کے لئے نافذ کیا تھا، میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اندازہ تو خود ہائی کمان کو بھی نہیں تھا کہ مارشل لاء اتنا طویل ہو جائے گا۔ کم از کم میرا اس بات پر قطعی یقین تھا کہ ہم ضرورت سے ایک دن بھی زیادہ فوج کو بیرکوں سے باہر نہیں رکھیں گے۔ مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ فوج کی جس ہائی کمان نے کیا تھا۔ اس میں جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ فوج کے اس وقت کے پانچوں کمانڈر شامل تھے۔ آج جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی حکومت میں شامل نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کے وقت اس کو کئی سال تک طول دینے کا کوئی خیال اگر کسی کے ذہن میں تھا تو صرف جنرل محمد ضیاء الحق کے ذہن میں ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بھٹو نے بھی ہماری طرح یہی سوچا ہوگا کہ فوج ''ٹیک اوور'' کرے گی، انتخابات کرائے گی اور واپس بیرکوں میں چلی جائے گی۔

سوال: جنرل صاحب ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ آپ جنرل محمد ضیاء الحق کے دستِ راست تھے مگر مارشل لاء نافذ کرنے والے جرنیلوں میں سے جو دو جرنیل سب سے پہلے اقتدار سے الگ ہوئے ان میں ایک آپ تھے، آپ کو ریٹائر

Marfat.com

کر دیا گیا، کیا ایسا جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ آپ کے بعض اختلافات کے باعث تو نہیں ہوا؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ''کاؤنٹر کوپ'' کے ذریعہ خود اقتدار میں آنا چاہتے تھے؟

جواب: یہ غلط ہے، میں جتنا عرصہ فوج میں رہا، ملک اور قوم کا وفادار رہا، میرا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک ملک کے منتخب نمائندوں کو ملک کا اقتدار منتقل نہیں ہوتا ملک کی بقا اسی بات میں ہے کہ ملک کا نظم و نسق جنرل محمد ضیاء الحق کے پاس رہے، کسی بھی ملک میں جب اس ملک کی فوج، ملک کی قانونی حکومت کو ہٹا کر اقتدار اپنے ہاتھ میں لیتی ہے، عام طور پر اس حکومت کو بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء لگا تو جنرل محمد ضیاء الحق نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے طور پر ملک کا اقتدار سنبھال لیا، جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت کو ملکی اور بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اگر کوئی جرنیل ''ملٹری کوپ'' کر کے اقتدار میں آتا ہے تو اس کی حکومت کو ملکی اور بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لئے جانے کا امکان بہت کم ہوگا اگر اسے تسلیم نہیں کیا جاتا تو سمجھئے کہ کچھ نہیں بچا۔ اگر کوئی جرنیل، جنرل محمد ضیاء الحق کو اس طرح اقتدار سے ہٹاتا ہے تو اس صورت میں وہ جرنیل غداری کا مرتکب ہوگا۔ میرا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ اس وقت پاکستان کی بقاء اس بات میں ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت کو کسی بھی غیر قانونی طریقے سے نہ ہٹایا جائے۔ میں جب تک فوج میں رہا، میں نے ایسے عناصر پر کڑی نظر رکھی جو جنرل محمد ضیاء الحق کے اقتدار کو غیر قانونی طریقے سے ختم کرنے کے بارے میں سوچ سکتے تھے۔ اس کی مثال موجود ہے۔ میں دو ہفتے کے لئے کینیڈا گیا، میرے پیچھے جنرل تجمل نے گڑبڑ کی کوشش کر ڈالی، اسے حکومت نے سزا بھی دی ہے، یہ سزا اسے کس بات پر دی گئی ہے، آخر اس نے کچھ تو کیا ہوگا۔ جبھی اسے یہ سزا دی گئی ہے۔ اگر میں پاکستان میں ہوتا تو کس کی جرأت تھی کہ وہ جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف انگلی بھی اٹھا سکتا۔ اگر کوئی ایسی جسارت کرتا تو میں اس کی ایسی کی تیسی کر دیتا۔ مائی کے کسی لال میں یہ

Marfat.com

جرأت نہیں تھی کہ وہ میری موجودگی میں پاکستان کی بقاء پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا۔ میں جنرل محمد ضیاء الحق کو پاکستان کی بقاء سے تعبیر کرتا ہوں جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ میں جنرل محمد ضیاء الحق سے اقتدار چھین کر خود اقتدار میں آنا چاہتا تھا۔ وہ نہ میرے بھی خواہ ہیں نہ جنرل محمد ضیاء الحق کے اور نہ ہی اس ملک اور قوم کے، اس قسم کی باتیں ہوئی تھیں۔ بعض لوگوں نے جنرل محمد ضیاء الحق کو جنرل نجیب اور مجھے کرنل جمال ناصر بنا کر پیش کیا تھا، بی بی سی سے اس قسم کی خبر بھی نشر ہو گئی تھی۔ ان دنوں میں فوج میں تھا، میں نے خود جنرل محمد ضیاء الحق کے دفتر میں جا کر، ان باتوں کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی تھی اور ان سے سوال کیا تھا آیا وہ ان باتوں سے کیا تاثر لے رہے ہیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے مجھے کہا تھا کہ انہیں میری وفاداری پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ میری ریٹائرمنٹ آئی تو میں نے مدت ملازمت میں توسیع نہیں مانگی، انہوں نے از خود مجھے ایکسٹینشن یا ترقی نہیں دی اور جب میری ریٹائرمنٹ کا وقت آیا، مجھے ریٹائر کر دیا۔ مجھے جنرل ضیاء الحق سے کبھی بھی کوئی ذاتی پرخاش نہیں رہی، میں ان کا ماتحت رہا ہوں۔ ان کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں نے لگی لپٹی سے کبھی کام نہیں لیا۔ خوشامد بھی نہیں کی اور ان کے ساتھی کی حیثیت سے انہیں یہ ضرور جتلاتا رہا کہ فوج کو اپنا کام نپٹا کر بیرکوں میں واپس جانا چاہئے۔ ہمارے ذاتی اختلافات کوئی نہیں تھے۔ آج بھی نہیں ہیں لیکن ملک کو کیسے چلانا چاہئے اس بات پر اختلافات ہو سکتے ہیں، فوج کو کس طرح سے استعمال کرنا چاہئے، اپنے ملک کے لئے اور دوسروں ملکوں کے خلاف، خارجہ پالیسی کیا ہونی چاہئے، افغانستان کے ساتھ، ہندوستان کے ساتھ اور دوسرے ممالک کے ساتھ، اہم تقرریوں پر اختلافات ہو سکتے ہیں، کس صوبے کا گورنر کسے ہونا چاہئے، اس قسم کے اختلافات تھے، میں صرف مشورہ دے سکتا تھا، ہر فیصلہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو کرنا ہوتا ہے، تمام فیصلے خود جنرل محمد ضیاء الحق کرتے تھے، میں یہ

Marfat.com

نہیں کہتا کہ سارے ٹھیک کام میں نے کروائے، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں جو بھی مشورہ دیتا تھا وہ درست ہی ہوتا ہوگا۔ فوج کے کمانڈر انچیف، جنرل محمد ضیاء الحق اگر کام کرنا چاہتے ہیں اور یہ کام میرے خیال میں اگر غلط ہے تو اس صورت میں میرا کام مشورہ دینا تو ہو سکتا ہے، میرے مشورے کو ماننا یا نہ ماننا اس بات کا اختیار صرف کمانڈر انچیف کو حاصل ہے۔ اسی قسم کے اختلافات تھے ہمارے، یہ تو اب بھی ہوں گے۔

فوج نے ملکی نظم و نسق عارضی طور پر اپنے ہاتھوں میں لیا تھا، انتخابات کرانے کے بعد فوج کو اقتدار، ملک کے منتخب نمائندوں کے ہاتھوں میں منتقل کر دینا تھا اور میں جب تک فوج میں رہا، جنرل محمد ضیاء الحق کو یہی مشورہ دیتا رہا کہ وہ انتخابات کرائیں، انہوں نے میرے اس اصولی اختلاف سے میرے متعلق کوئی دوسرے رائے قائم کر لی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، کم از کم میرا دل صاف ہے، میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے ان کے احکامات بجالانے میں کبھی بد دیانتی نہیں کی، اپنی سوچ اور صلاحیت کے مطابق ان کو کبھی غلط مشورہ نہیں دیا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں جنرل محمد ضیاء الحق کو اقتدار سے الگ کرنا چاہتا تھا وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر مجھے یہی کام کرنا تھا تو یہ کام تو میں اس رات بھی کر سکتا تھا جب میں نے ''آپریشن فیئر پلے'' کی نگرانی کی تھی۔ میں فوج کے ''ٹیک اوور'' کرنے کی کاروائی کا انچارج تھا۔ مجھے جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے ۴ جولائی کی شام ۱۰ بجے ٹیک اوور کرنے کا حکم مل گیا تھا۔ بھٹو کا گھر مجھ سے تین منٹ کے فاصلے پر تھا اور یہ صرف میں تھا جو ''پرائم منسٹر ہاؤس'' میں داخل ہو سکتا تھا، کیا میں ذوالفقار علی بھٹو کو جنرل محمد ضیاء الحق کے حکم سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں بھٹو کو جنرل محمد ضیاء الحق اور ہائی کمان کے فیصلے سے آگاہ کر کے یہ پیش کش کرتا کہ میں ان کے اقتدار کو بچا سکتا ہوں تو کیا خیال ہے وہ مجھے جنرل محمد ضیاء الحق کی جگہ افواج پاکستان کا کمانڈر انچیف مقرر کر کے، جنرل محمد ضیاء الحق کی معذولی اور انہیں حراست میں لے لینے کا

Marfat.com

حکم نہ دیتا، میں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ میں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ اس وقت ماشل لاء ملک اور قوم کے وسیع تر مفاد میں لگایا جا رہا تھا۔ میں فوج کی ہائی کمان کے فیصلے سے انحراف کر کے، بھٹو سے اپنی ترقی کا سودا کرتا تو یہ فوج سے وفاداری نہ ہوتی ایسا ملک اور قام سے غداری کے مترادف ہوتا۔ مجھے اپنے خون پر ناز ہے، میرا خمیر لائلٹی کی مٹی سے اٹھایا گیا ہے۔ میں نے وہی کیا جو قوم کے مفاد میں تھا۔ میں نے ایک پتا بھی اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیا اور ''ٹیک اوور'' کی کاروائی مکمل کر دی۔ جن لوگوں نے مجھے جنرل نجیب کے ساتھ کرنل ناصر کا خطاب دے کر اور اس قسم کا پراپیگنڈہ کر کے کہ میں جنرل محمد ضیاء الحق کو ہٹا کر خود ان کی جگہ لینا چاہتا ہوں میرے اور جنرل کے درمیان وفاداری اور اعتماد کی دیوار گرانے کی کوشش کی ہے، ان کو میرا جواب یہ ہے کہ یہ کام ۴ جولائی کی شب اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ میں بھٹو سے سودا کر کے افواج پاکستان کا کمانڈر انچیف مقرر کئے جانے کا تقرر نامہ لے لیتا، یہ خبر گیارہ بجے کے ریڈیو بلٹن میں نشر ہو جاتی اور اس کے بعد ۵ جولائی کا سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے میں بھٹو کو راستے سے ہٹا دیتا۔ (چند لمحے خاموشی) میرے لئے یہ صرف چند منٹ کا کام تھا مگر خدا گواہ ہے میں نے ایسا نہیں سوچا تھا۔ کسی کو ایسا سوچنا نہیں چاہئے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ جنرل محمد ضیاء الحق کو کسی بھی غیر قانونی طریقے سے اقتدار سے ہٹایا گیا تو ملک کی بقاء خطرے میں پڑ جائے گی۔

سوال: جنرل صاحب آپ نے کہا ہے کہ ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب پرائم منسٹر ہاؤس میں صرف آپ جا سکتے تھے؟ کیا آپ اس رات پرائم منسٹر ہاؤس کے اندر گئے تھے؟ کیا بھٹو سے اس رات آپ کی ملاقات ہوئی تھی، اس کے ساتھ آپ کا کوئی ڈائیلاگ ہوا تھا؟

جواب: میں اس رات پرائم منسٹر ہاؤس کے اندر نہیں گیا۔

سوال: پھر بھٹو کے پاس کون گیا تھا؟

Marfat.com

جواب: کوئی بھی نہیں گیا، کیا ضرورت تھی جانے کی؟

سوال: جب اسے مری لے جانا مقصود تھا کون اسے ''حفاظت'' میں لینے کے لئے اس کے پاس پہنچا تھا؟

جواب: میں نہیں گیا۔ میں تو بہت بڑا جرنیل تھا، میں کیوں جاتا میں لیفٹننٹ جنرل تھا۔ لیفٹننٹ جنرل کو آپ کیا سمجھتے ہیں، بہت آفت شے ہوتا ہے۔ آج جرنیلوں نے اپنی قدر و قیمت گنوادی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھے پولیس افسر کا کردار ادا کرنے کی گالی دیں۔ یہ کام میرا کوئی بھی ماتحت کرسکتا تھا۔ میرے کسی ماتحت نے اسے مری لے جانے کے لئے ''حفاظت'' میں لیا ہوگا۔

سوال: پاکستان کو اس وقت جو سیاسی بحران درپیش ہے، آپ کے خیال میں اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟

جواب: صرف ایک ہی راستہ ہے، ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت عام انتخابات کا فوری نفاذ، اس ملک کے عوام کو اقتدار میں شامل کئے بغیر کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ قوم جمہوریت کی بحالی کے بغیر سیاسی بحران میں سے نہیں نکل سکے گی۔

سوال: حال ہی میں آزاد کشمیر کے علاقے میں پاکستان اور بھارت کی فوجوں کے درمیان فائرنگ اور جھڑپوں کی خبریں آئی تھیں۔ یہ بھی تاثر ہے کہ بھارت کے عزائم اچھے نہیں، آپ کا کیا خیال ہے، بھارت کی طرف سے پاکستان کے لئے کسی قسم کا خطرہ موجود ہے؟

جواب: بھارت پاکستان کا ازلی دشمن ہے، پاکستان نے ہندوستان کی پسلی سے جنم لیا ہے اور ہندوستان کے لیڈروں نے پاکستان کو ابھی تک دل سے قبول نہیں کیا۔ وہ اکھنڈ بھارت کے متمنی ہیں۔ بھارت سے پاکستان کو کل بھی خطرہ تھا۔ آج بھی خطرہ ہے اور کل کو بھی خطرہ ہوگا۔ یہ سوچنا کہ بھارت موقع ملنے پر پاکستان کے وجود پر ضرب لگانے کی کوشش نہیں کرے

Marfat.com

گا، احمقانہ سوچ ہوگی بھارت پہلے ہی پاکستان کو دولخت کر چکا ہے اگر ہم نے بھارت کو اپنا دوست سمجھنے کی کوشش کی تو اس کے نتائج ملک اور قوم کے حق میں اچھے نہیں ہوں گے۔

سوال: جنرل صاحب، بھارت کی طرف سے دباؤ اور افغانستان میں روسی یلغار سے پاکستان کو جو خطرہ لاحق ہے اس سے نجات پانے کے لئے کیا حکومت کی موجودہ حکمت عملی درست ہے، ایک ریٹائر جنرل کی حیثیت سے آپ حکومت کو کیا مشورہ دیں گے؟

جواب: میں اس سلسلہ میں حکومت کی حکمت عملی پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا تاہم میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ بیرونی خطرات سے نپٹنے کے لیے ہمیں قوم کے اندرونی اتحاد کی ضرورت ہے، سوال یہ ہے کہ کیا قوم، حکومت کی حکمت عملی کے پیچھے متحد ہے، اگر قوم متحد نہیں ہے تو ارباب اقتدار کو سوچنا چاہئے کہ وہ قوم کو کس طرح اعتماد میں لے سکتے ہیں۔ اگر قوم کو اعتماد میں نہ لیا گیا تو اس کے نتائج وہ بھی ہو سکتے ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ پاکستان کا وجود (خدانخواستہ) ختم بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارے ازلی دشمنوں کے عزائم پورے بھی ہو سکتے ہیں۔

سوال: جنرل صاحب، آپ تو پاکستان کی سرحدوں کے محافظ رہ چکے ہیں۔ اس کا بازوئے شمیر زن رہے ہیں، آپ کے منہ سے پاکستان کے ختم ہو جانے کی بات کچھ اچھی نہیں لگتی۔ کیا آپ ایسا برسر اقتدار جرنیلوں سے اختلاف کی وجہ سے تو نہیں کہتے؟

جواب: ادیب صاحب، ۱۹۴۷ء میں مملکت خداداد کے نام سے ملک معرض وجود میں آیا تھا۔ کیا آج کا پاکستان وہی ہے، کیا پاکستان کا نقشہ وہی ہے جو اس کے قیام کے وقت تھا۔ کیا ملک پہلے ہی ہمارے لیڈروں کی ناعاقبت اندیشیوں کے باعث دو ٹکڑے نہیں ہو چکا تو پھر اب ایسا کیوں نہیں سوچنا چاہئے۔ اگر ہم نے ملک کے محافظوں کا احترام، عوام کے نزدیک فوج کا وقار قائم نہ رکھا تو کیا نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی فوج اپنے ملک کے عوام کی مدد کے بغیر ملک کی سرحدوں کا تحفظ نہیں کر سکتی تاہم میرا یہ عقیدہ ہے کہ پاکستان قائم رہے گا۔ یہ ملک

Marfat.com

باقی رہے گا۔ اس پر جو قیامت گزرنا تھی، وہ گزر چکی ہے۔ اس کو توڑنے والوں نے کیا کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس کا نقشہ وہ نہیں رہا، جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تھا تاہم میرا یہ عقیدہ ہے کہ پاکستان محض زمین کے ٹکڑے کا نام نہیں ہے۔ یہ محض آبادی کا نام بھی نہیں ہے اگر آبادی کی اکثریت کا نام پاکستان ہوتا تو ۱۹۴۷ء میں معرض وجود میں آنے والے پاکستان کی نصف سے زیادہ آبادی بنگلہ دیش کے نام سے علیحدہ ہو چکی ہے۔ پھر پاکستان بنگلہ دیش کو ہونا چاہئے تھا۔ بنگلہ دیش اور پاکستان سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی آبادی ابھی تک ہندوستان میں ہے۔ پاکستان کی اساس ایک نظریئے پر رکھی گئی تھی اور اس نظریئے کے علمبردار ہم ہیں۔ اس لئے ہمارا ملک پاکستان ہے۔ ہندوستان کے مسلمان ۱۹۴۷ء سے پہلے کی سی جدوجہد کریں تو ہندوستان کے نقشے پر ایک پاکستان اور ابھر سکتا ہے۔ جب میں یا کچھ دوسرے لوگ پاکستان کی فوجی طاقت اور اس کے دفاع کو تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں، ہم نے فوج کو اس کے اصل فرائض کی طرف سے ہٹا دیا ہے اور اس طرح ہمارا دفاع کمزور ہو رہا ہے۔ میں ایک مثال دیتا ہوں، آپ ایک بار بر کے پاس بال کٹوانے کیلئے جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے بال کاٹنے چھوڑ دیئے ہیں۔ اب دوسرا کاروبار کرتا ہوں، کیا آپ اس کو حجام کہیں گے؟ یقیناً نہیں۔ جو ڈاکٹر آپریشن کرنا ترک کر دے آپ اسے سرجن نہیں کہہ سکتے۔ آدمی جس ''پروفیشن'' میں کام کرتا ہے۔ اسی کے حوالے سے اس کی شناخت ہوتی ہے اور جس پروفیشن میں وہ ہوتا ہے اسی سے متعلقہ کام کر سکتا ہے۔ جرنیل کا کام لڑنا ہے، سرحدوں کی حفاظت کے لئے جنگی حکمت عملی بنانا ہوتا ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان نے آج تک پاکستان کو دل سے نہیں مانا، اگر ہماری فوج طاقتور ہو گی تو کوئی ہماری طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ ہمیں ملک کو نظریاتی اور اقتصادی طور پر مضبوط کرنا چاہئے۔ ہمارا ملک دنیا کا واحد ملک ہے جس کے بارے میں

Marfat.com

سیاستدان ٹوٹ جانے کی بات کرتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ملک کو سیاستدان نہیں چلا سکے۔ بار بار فوج کو آنا پڑا۔ سیاست دان اپنے اغراض و مقاصد کے لئے بار بار ''ذہنی بددیانتی'' کے مرتکب ہوئے۔ انہوں نے فوج میں غلط جرنیلوں کو 'پروموٹ'' کیا، ایوب خان جیسا فوجی جس نے ''باؤنڈری کمیشن'' کے روبرو پاکستان کی نمائندگی کے دوران پاکستان سے غداری کی، وہی فوجی افسر نہ صرف اس ملک کی فوج کا کمانڈر انچیف بنا بلکہ اسے بار بار اس عہدے پر ''ایکسٹینشن'' ملی۔ کیا موسیٰ خان اس قابل تھا کہ اسے پاک افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا جاتا۔ یحییٰ خان کے بارے میں کسے معلوم نہی تھا کہ وہ زانی، شرابی اور بدکردار ہے۔ جرنیل فوج نہیں بناتی سیاست دان بناتے ہیں۔ ملک کا چیف ایگزیکٹو بناتا ہے۔ جس فوج کے جرنیل ایوب خان، موسیٰ خان اور یحییٰ خان جیسے ہوں گے وہ کیا خاک لڑے گی۔ باقی مجھے جنرل محمد ضیاء الحق سے کیا اختلاف ہوسکتا ہے۔ کوئی ذاتی اختلاف نہیں تھا۔ یہی اختلاف تھا کہ میں انہیں یہ یاد دلاتا رہتا تھا کہ ہم نے مارشل لاء کس مقصد کے لئے لگایا تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ فوج کی توجہ سرحدوں کی حفاظت کے فرض سے ہٹ کر معاملات سیاست میں اٹکی رہے، جنرل ضیاء الحق سے چند اصولی اختلافات کے باوجود میں پھر کہتا ہوں کہ غیر قانونی طریقے سے انہیں اقتدار سے الگ کرنے کا مطلب (خام بدہن) اس ملک کو ختم کرنے کی کوشش کے مترادف ہوگا۔ جنرل محمد ضیاء الحق کو فوج برسر اقتدار لائی ہے۔ مارشل لاء فوج نے لگایا تھا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے نہیں لگایا تھا۔ اس ملک کی سب سے بڑی عدالت نے ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کو جائز قرار دیا ہے۔ پوری دنیا جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت کو مانتی ہے، چاروں صوبوں کی لیڈرشپ نے انہیں سربراہ مملکت اور حکومت کے چیف ایگزیکٹو کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ تاہم پاکستان کو مضبوط اور طاقتور رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ قوم کا اعتماد حاصل کریں، انتخابات کرائیں اور ملک کا اقتدار قوم کے منتخب

Marfat.com

نمائندوں کے سپرد کردیں ویسے یہ میں بھی جانتا ہوں کہ مارشل لاء حکام کا جمہوری نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ میں نے گزشتہ سال مارچ میں ''نوائے وقت'' کو ایک تفصیلی انٹرویو میں انتقال اقتدار کے لئے کئی ایک راستے کی نشان دہی کی تھی۔ میرا آج بھی عقیدہ ہے کہ میں نے صحیح راستے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

سوال: جنرل صاحب آپ نے ایوب خان، موسیٰ خان اور یحییٰ خان کے بارے میں جو کچھ کہا قوم کو کافی حد تک ان کے بارے میں علم ہو چکا ہے۔ آپ نے جنرل گل حسن، جنرل ٹکا خان اور باقی بڑے بڑے جرنیلوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ خصوصاً قوم کو اس بات سے یقیناً دلچسپی ہوگی کہ جنرل گل حسن ذوالفقار علی بھٹو کو کس طرح اقتدار میں لائے اور بھٹو نے انہیں بہت جلدی افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف کے عہدے سے کیوں الگ کر دیا؟ جنرل ٹکا خان، بھٹو کا کیسا وزیر دفاع (۱) تھا کہ اسے ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ کی کانوں کان خبر نہیں ہو سکی؟ وہ کیسا کمانڈر انچیف تھا؟

جواب: جنرل گل حسن، بھٹو کو کس طرح اقتدار میں لایا یہ بات اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔ البتہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسے بھٹو نے اس لئے زیادہ عرصہ افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف کے طور پر نہیں رکھا کہ وہ بھٹو کا آلہ کار نہیں بنا۔ جنرل گل حسن کا شمار ''گڈ کیپٹنز'' میں ہوتا ہے۔ ''گڈ کیپٹنز'' ایک فوجی اصطلاح ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا فوجی افسر جو دوسرے کا آلہ کار نہ بنے۔ جنرل ٹکا اچھا فوجی افسر تھا۔ آپ کی اس بات کا جواب تو جنرل ٹکا ہی دے سکتا ہے کہ اسے ملک کا وزیر دفاع ہونے کے باوجود ہمارے فیصلے کا کیوں علم نہیں ہوا۔ جب ہم نے بھری محفل میں دو مرتبہ بھٹو کو اس بات کی وارننگ دے دی تھی کہ دوبارہ الیکشن ''اناؤنس'' کر دے۔ ورنہ فوج ٹیک اوور کرنے پر مجبور ہوگی۔ یہ بات

---

۱ وہ وزیر دفاع نہیں تھے وہ وزیر مملکت برائے نیشنل سیکورٹی تھے۔

Marfat.com

فوج کے کمانڈروں نے حکومت کے سربراہ کو نارمل حالات میں کہی ہوتی تو وہ یقیناً ''ایکشن'' لیتا مگر ملک کے حالات اس قدر بگڑے ہوئے تھے کہ بھٹو کو فوج کے کمانڈروں کی بات سننا پڑی۔ ہم نے سب کام تدبر سے اور انتہائی منصوبہ بندی کے ساتھ کیا تھا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کوئی پرندہ تک نہیں مرا اور ملک میں انقلاب آ گیا۔ میں ''آپریشن فیئر پلے'' کو سراہوں گا تو خودستائی ہوگی مگر آپ اسے اس طرح سوچئے کہ اگر ایک آدمی پرائم منسٹر ہاؤس میں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جاتا اور وہ ایک آدمی بھٹو ہوتا تو ''آپریشن'' ناکام رہ جاتا۔ وہ کسی عورت کے روپ میں، کسی ملازم کے بہروپ میں کسی بھی طرح نکل سکتا تھا مگر میں نے ہر پہلو پر نظر رکھی تھی نہ کسی کو پرائم منسٹر ہاؤس میں داخل ہونے دیا، یا نہ نکلنے دیا۔ اگر جنرل محمد ضیاء الحق بھٹو کی استدعا پر اسے وہ رات پرائم منسٹر ہاؤس میں گزار لینے کی رعایت نہ دیتے تو صبح کو شہر میں ایک بھی فوجی نظر نہ آتا اور انقلاب بھی آ چکا ہوتا جیسا کہ آ چکا تھا۔

سوال: اس بات میں کہاں تک صداقت ہے کہ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء اس لئے لگا گیا تھا کہ بھٹو کی حکومت فوج کی ہائی کمان میں تبدیلی کر رہی تھی۔

جواب: یہ غلط ہے۔ کم از کم میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔

سوال: جس رات مارشل لاء نافذ ہوا، وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اس کی اطلاع دینے فوج کا کونسا افسر گیا تھا؟

جواب: کوئی نہیں گیا تھا۔

سوال: کیا ایف ایس ایف کے لوگ پرائم منسٹر کی حفاظت کے لئے موجود نہیں تھے۔ کیا ان کی حفاظتی گارڈ نہیں تھی۔

جواب: موجود تھے۔

سوال: انہوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی؟

Marfat.com

جواب: اگر کسی نے کوئی مزاحمت کی ہوتی تو کیا خون خرابہ نہ ہوتا؟ وزیراعظم کی حفاظتی گارڈ بھی تھی، ایف ایس ایف کے لوگ بھی تھے۔ جب فوج نے انہیں ہتھیار پھینک دینے کو کہا، انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ انہوں نے فوج کی سنیارٹی کا احترام کیا۔

سوال: آپ کہتے ہیں بھٹو کو مارشل لاء کے نفاذ کی اطلاع دینے کے لئے کوئی فوجی افسر پرائم منسٹر ہاؤس کے اندر نہیں گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ بھٹو کو مارشل لاء کے نفاذ کی اطلاع کس طرح ملی؟

جواب: بھٹو کے وزیروں کو فوج کے آدمیوں نے گھروں سے پکڑا ہوگا۔ سلام کرکے عزت کے ساتھ۔ اس کے بیوی بچوں نے آپ کے خیال میں کیا کیا ہوگا۔ کسی وفاقی وزیر کی بیوی نے تھانے دار کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں دی ہوگی۔ لازمی بات ہے ان نے وزیراعظم کو اطلاع دی ہوگی مسعود محمود کو پکڑا گیا تھا۔ اس کی بیوی نے وزیراعظم کو ٹیلی فون کیا ہوگا۔ جب وزیراعظم کو اس قسم کے ٹیلیفون ملے ہوں گے، لازمی بات ہے کہ اس نے بھی کسی کو ٹیلی فون کر کے پوچھا ہوگا کہ یہ سب کیا ہے، وہ کس سے پوچھ سکتا تھا۔ وہ افواج پاکستان کے کمانڈر ان چیف سے ہی پوچھ سکتا تھا۔ اس نے پوچھا ہوگا اور جنرل محمد ضیاء الحق نے بتا دیا ہوگا کہ ہم نے ٹیک اوور کر لیا ہے۔ آپ اب وزیراعظم نہیں ہیں۔

سوال: اگر بھٹو کو ٹیک اوور سے پہلے پتہ چل جاتا کہ فوج کی ہائی کمان مارشل لاء لگا رہی ہے تو اس صورت میں اس کا ردعمل کیا ہوتا؟

جواب: کیا ان کو پتہ نہیں تھا۔ ہم نے ان کو بار بار انتخابات کے انعقاد کا اعلان کرنے کے لئے کہا تھا۔ یہ فوج کا مثبت کردار تھا جو وہ ادا کر رہی تھی اور بھٹو کو یقیناً پتہ تھا کہ حالات اسے کس طرف لے جا رہے ہیں۔ اگر اسے نہیں پتہ تھا تو ممکن ہے پتہ لگنے پر وہ کوئی ایکشن لے

Marfat.com

لیتا، اگر اسے یا اس کے وزیر دفاع کو پتہ نہیں لگ سکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہائی کمان کی پلاننگ اچھی تھی۔ ''ٹیک اوور'' کرنے کا حکم مجھے دیا گیا تھا۔ میں نے بھٹو کو اس طرح اقتدار سے نکال باہر کیا جس طرح مکھن میں سے بال نکالتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ میری جرنیلی اچھی تھی۔ اگر جنرل محمد ضیاء الحق مجھے اسی رات بھٹو کو پرائم منسٹر ہاؤس سے مری لے جانے کی اجازت دے دیتے تو صبح کو اسلام آباد کی سڑکوں پر ایک بھی فوجی تک نظر نہ آتا۔ اسلام آباد کے لوگوں کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہوتا کہ ملک میں انقلاب آچکا ہے۔

سوال: کیا ''ٹیک اوور'' کے باوجود بھٹو کو بدستور پرائم منسٹر ہاؤس میں رکھنا رسک والی بات نہیں تھی؟

جواب: یہ یقیناً رسک والی بات تھی، یہ آسان کام نہیں تھا۔ ایک مشکل کام تھا۔ آپ اس بات کو اس طرح سوچیں حضور کہ ایک آدمی ہے، جسے آپ قابو میں کرنا چاہتے ہیں۔ وزیر اعظم کو جو پرائم منسٹر ہاؤس میں موجود ہے اور کسی وقت بھی وہاں سے نکل سکتا ہے۔ آپ ساری دنیا کو قابو کر لیں مگر ایک آدمی نکل جائے۔ وزیر اعظم پرائم منسٹر ہاؤس سے نکل جاتا تو کیا آپریشن کامیاب ہو جاتا؟ اگر وہ نکل جاتا تو آپریشن ناکام ہو جاتا۔ اور آج کل کے زمانے میں ایک آدمی کا نکل جانا بھلا کیا مشکل ہے۔ پرائم منسٹر ہاؤس کوئی چھوٹا سا گھر تو نہیں ہے۔ ایک آدمی شلوار پہن کر سر پر وگ لگا کر کوئی بھی روپ دھار کر نکل جانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کے بعد ملٹری ہائی کمان کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ جان کی بازی لگا دینے کے مترادف تھا۔ ملٹری ہوئی کمان نے جان کی بازی لگائی تھی۔ ملک اور قوم کے مفاد کے لئے اور خدا کا فضل ہے کہ ہم ناکام نہیں رہے۔ تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی سامنے رکھئے، میں نے نہ صرف یہ کیا کہ کسی کو پرائم منسٹر ہاؤس میں داخل نہیں ہونے دیا بلکہ کسی کو اس رات پرائم منسٹر ہاؤس سے باہر بھی نہیں نکلنے دیا۔ پرائم منسٹر ہاؤس میں کوئی ایسا شخص بھی داخل ہو سکتا تھا

Marfat.com

جو بھٹو کو نقصان پہنچا سکتا۔ اس کو شوٹ کر دیتا اور اس طرح میری طرف سے کیا گیا ''ٹیک اوور''، ''آپریشن فیئر پلے'' نہ رہتا۔ اگر فوج کے انتظامات درست نہ ہوتے تو کوئی بھی اندر جا سکتا تھا۔ آپ جا سکتے تھے۔ آپ جرنیل کی وردی پہن کر چلے جاتے۔ فوجیوں کو کیا پتہ ہے کہ آپ کون ہیں۔ وہ وردی دیکھتے اور آپ کو اندر چلے جانے دیتے۔ آپ اندر جا کر بھٹو کو مار بھی سکتے تھے اور یہ بھی کر سکتے تھے کہ اسے اپنے ہمراہ نکال لے جاتے، اس رات پرائم منسٹر ہاؤس کے اندر کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ صرف ایک شخص اندر جا سکتا تھا وہ میں تھا۔ صرف جنرل چشتی کو یہ اختیار حاصل تھا اور کسی کو نہیں۔ کیونکہ آرڈرز مجھے ملے تھے۔ حتیٰ کہ جنرل محمد ضیاء الحق بھی، اس رات پرائم منسٹر ہاؤس میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ حکمت عملی ہوتی ہے۔ ایسے کام اعلیٰ درجے کی منصوبہ بندی کے بغیر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتے۔ بغیر خون خرابے کے راتوں رات ملک میں انقلاب برپا کرنا کوئی عام سا کام تو نہیں ہے۔

سوال: کیا آپ کو اس رات یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ آپ جس پر چاہیں گولی چلا سکتے ہیں؟

جواب: آپ کے خیال میں مجھے یہ اختیار حاصل نہیں ہونا چاہئے تھا؟ مجھے یہ حکم تھا کہ میں جس پر چاہوں گولی چلا سکتا ہوں۔ جس کو چاہوں جان سے مار سکتا ہوں۔ ۴ جولائی کو جب مجھے حکم دیا گیا تھا کہ ٹیک اوور کر لو تو اس میں یہ بات شامل تھی کہ میں ''ٹیک اوور'' کی کاروائی مکمل کرنے کے لئے مزاحمت کرنے والے ہر شخص کو شوٹ کر سکتا ہوں۔ میں کسی کو بھی جان سے مار سکتا تھا مگر میں نے پرندہ تک زخمی نہیں ہونے دیا۔ کسی کو خراش تک نہیں آنے دی۔ یہی میری جرنیلی تھی، یہی میرا تدبر تھا۔ مجھے معلوم ہے بعض حلقوں میں یہ بات اڑائی گئی تھی کہ میں نے جیل میں بھٹو پر تشدد کیا تھا۔ آپ خود سوچئے اگر مجھے بھٹو سے کوئی ذاتی پرخاش ہوتی، کیا ۴ جولائی کو میرے پاس ''اوپن چیک'' نہیں تھا۔ کیا آپ کا جرنیل اتنا گرا ہو سکتا ہے کہ وہ ایک قیدی پر تشدد کرے گا۔ وہ مرے ہوئے کو جا کر مارے گا۔ کیا جنرل چشتی ایسا کر

Marfat.com

سکتا تھا۔اس قسم کی گھٹیا حرکت تو فوج کا کوئی عام جوان بھی نہیں کرسکتا۔ میں تو پاک فوج کا ایک جانا پہچانا جرنیل تھا۔ یہ ساری باتیں بعض حلقے عمداً پھیلا رہے ہیں۔ اپنے مخصوص مقاصد کے لئے میرے خلاف اس قسم کی باتیں پھیلانے والے جھوٹے ہیں۔ میں سچا اور کھرا آدمی ہوں۔تاریخ اس بات کی گواہی دے گی۔

سوال: جنرل صاحب، آپ ۷۸-۱۹۷۷ء میں الیکشن سیل کے چیئرمین رہے ہیں، کیا آپ بتائیں گے کہ موجودہ حکومت نے دومرتبہ انتخابات کا اعلان کر کے انہیں ملتوی کیوں کیا تھا؟ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کے پاس بعض سیاسی لیڈر آتے رہے کہ انتخابات ملتوی کر دیجئے؟

جواب: اس سوال کا جواب میں آپ کو اس طرح دوں گا کہ پاکستان آٹھ کروڑ عوام کا ملک ہے۔ میں بھی ان آٹھ کروڑ عوام میں سے ایک ہوں۔ میں ان سے ملتا ہوں۔ان میں سے ایک کروڑ کہتے ہیں کہ الیکشن مت کراؤ تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ملک کے عوام یہ کہہ رہے ہیں کہ الیکشن مت کراؤ۔ جب سیاسی لیڈروں کی بات کریں گے تو میں سیاسی پارٹیوں کے سربراہوں کو سیاسی لیڈر کا درجہ دوں گا۔اگر مسلم لیگ کا لیڈر پیر آف پگارا ہے تو چوہدری ظہور الٰہی مرحوم کی کہی گئی بات سیاسی لیڈر کی بات نہیں سمجھی جاسکتی۔تحریک استقلال کا سربراہ ایئر مارشل اصغر خان ہے۔اگر اصغر خان کہتا ہے کہ الیکشن نہ کراؤ تو سمجھئے یہ بات سیاسی لیڈر کہہ رہا ہے اور اگر یہی بات مجھے مشیر پیش امام کہتا ہے تو یہ سیاسی لیڈر کی بات نہیں ہے۔اگر مجھے مفتی محمود، نواب زادہ نصر اللہ خان، شیر باز خان مزاری، میاں طفیل محمد، مولانا شاہ احمد نورانی، چوہدری محمد اشرف اور سردار عبدالقیوم خان یہ کہتے کہ الیکشن نہ کراؤ تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ سیاسی لیڈروں نے الیکشن نہ کرانے کی بات کہی تھی۔ان لیڈروں میں سے کسی نے مجھے ایسا نہیں کہا۔ محض وہ سیاست دان اس قسم کی باتیں کہتے رہے جو زیادہ سے زیادہ قومی اسمبلی کی نشست پر اپنی اپنی پارٹی کے امیدوار نامزد ہو سکتے تھے لہذا یہ کہنا غلط ہوگا کہ الیکشن سیاسی

Marfat.com

لیڈروں کی درخواست پر ملتوی کئے گئے تھے۔

سوال: پھر یہ انتخابات کیوں ملتوی ہوتے رہے؟

جواب: موجودہ حکومت ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات کروانے کے عزم وارادہ سے سامنے آئی تھی۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں انتخابات کے انعقاد کا اعلان بھی ہو گیا تھا مگر اس دوران سابقہ حکومت کی بہت سی بے ضابطگیاں سامنے آ گئیں اور ''احتساب'' کا سلسلہ شروع کرنے کا خاصا معقول جواز ان انتخابات کے التواء کا باعث بنا۔ ازاں بعد ۱۹۷۹ء میں دوبارہ انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں، ان انتخابات کو ملتوی کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ یہ تو جنرل محمد ضیاء الحق ہی بتا سکتے ہیں کہ یہ انتخابات کیوں ملتوی ہوئے تھے۔

سوال: جنرل صاحب جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جنرل محمد ضیاء الحق کا اقتدار آٹھویں سال میں داخل ہو چکا ہے۔ کیا یہ ان کے کامیاب سیاستدان ہونے کی دلیل نہیں ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ گزشتہ دنوں جاپان کے وزیر اعظم نے انہیں دنیا کا بہترین سیاستدان قرار دیا ہے۔ میں ان کو اس لئے بھی کامیاب سیاستدان کہتا ہوں کہ ہر چند انہوں نے انتخابات نہیں کرائے تاہم انہیں گزشتہ سات سال سے قوم کا اعتماد حاصل ہے۔ ان کی خارجہ پالیسی کو دیکھیں تو ہمارے ہمسایہ ملک میں آگ اور خون کا جو کھیل جاری ہے، پاکستان اس کی آنچ سے بچا ہوا ہے، آپ کیا تبصرہ کریں گے؟

جواب: کیا ہم محض جاپان کے سرٹیفکیٹ پر جنرل محمد ضیاء الحق کو بہترین سیاستدان مان لیں۔ جاپان کے لئے اس بات کی کیا اہمیت ہے کہ پاکستان دنیا کے نقشے پر باقی رہتا ہے یا نہیں، اس بات کا فیصلہ تو پاکستانی قوم ہی کر سکتی ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق کامیاب سیاست دان ہیں یا نہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ انہیں سات سال سے عوام کا اعتماد حاصل ہے۔ آپ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے مگر میں اس کی مثال اس طرح دیتا ہوں کہ آپ نے اپنا بچہ دسویں جماعت میں

Marfat.com

داخل کرا کر اسے ایک سال میں دسویں جماعت کا امتحان پاس کر لینے کو کہا مگر وہ گزشتہ سات سال سے دسویں جماعت میں مسلسل فیل ہو رہا ہے کیا آپ اپنے اس بچے کو ہونہار طالب علم کہیں گے؟ ہوسکتا ہے جنرل ضیاء الحق دس سال حکومت کریں، تاہم اگر وہ الیکشن نہیں کر اسکے جس کے لئے وہ اقتدار میں آئے تھے تو انہیں کون کامیاب سیاستدان کہے گا۔ آپ کہیں، میں تو نہیں کہتا۔ ایک طرف کہا جاتا ہے کہ اسلام ایک دن میں نافذ ہوسکتا ہے مگر گزشتہ سات سال سے اس کو نافذ کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ابھی تک نافذ نہیں ہوسکا، کیا یہ کامیابی ہے۔ آپ صحافی ہیں، آپ کے ہاتھ میں قلم ہے۔ آپ جنرل ضیاء الحق کے سات سالہ دور کو کامیاب قرار دے سکتے ہیں (میں نے آپ کا اداریہ پڑھا ہے) مگر میں آپ کی رائے پر صاد نہیں کرتا شاید میری باتوں سے آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ میں ضیاء الحق کے خلاف بات کر رہا ہوں۔ مین پہلے بھی کہہ چکا ہوں میں پھر کہتا ہوں لکھ دیجئے تا کہ سب جان لیں، ضیاء الحق کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ میں اس ملک کا جرنیل رہا ہوں، اس ملک کے لئے میں نے جنگیں لڑی ہیں۔ اس کو سر بلند دیکھنے کا عادی ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے سات سال تک نہایت کامیابی سے حکومت کی ہے تو میں پوچھتا ہوں کیا آپ کے ملک کے اقتصادی حالات درست ہیں۔ کیا آپ کی دفاعی حالت درست ہے، کیا دوسرے ممالک میں ہماری وہی عزت ہے جو دوسرے ممالک کی ہم کرتے ہیں؟ کیا چادر اور چار دیواری کو تحفظ حاصل ہے، کیا ملک میں امن وامان ہے؟ اور اگر یہ سب کچھ نہیں ہے تو پھر کون کہتا ہے کہ ملک گزشتہ سات سال سے بہت اچھا چل رہا ہے۔ آپ نے ''مون ڈائجسٹ'' میں مارشل لاء کے سات سالہ دور اقتدار کو کامیاب قرار دیا ہے۔ آپ ایسا کہتے رہیں۔ خدا آپ کو مزید توفیق دے۔ جنرل ضیاء الحق اس ملک میں اسلام نافذ کرے، اس کا وقار بلند کرے، قوم کا اعتماد حاصل کرے اور ساری عمر اس ملک پر حکومت کرے، اسے کون

Marfat.com

ہٹا سکتا ہے، صدر سائیکارنو لائف پریزیڈنٹ تھے مگر جب مرے وہ ملک کے پریزیڈنٹ نہیں تھے۔ جب میں جنرل ضیاء الحق کی پالیسیوں پر تنقید کرتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی فرد پر تنقید کرتا ہوں، میں حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کرتا ہوں جو میرا حق ہے۔ اس ملک کے کسی بھی شہری کا حق ہے۔

سوال: جنرل صاحب جیسا کہ ان دنوں حکومت کی طرف سے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے خاصا کام ہو رہا ہے کیا حکومت کی یہ کوششیں قابل ستائش نہیں ہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم الیکشن کا مطالبہ مؤخر کر کے حکومت کی نفاذ اسلام کی کوششوں میں اس کے ساتھ بھرپور تعاون کریں؟

جواب: انہیں اسلام نافذ کرنے سے کون روکتا ہے، اسلام تو ایک دن میں نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ جب تک ملک میں اسلامی نظام نافذ نہیں ہوتا، وہ اقتدار نہیں چھوڑیں گے تو قوم ان کو اس کام کے لئے کتنے سال دے۔ اگر وہ ساری عمر اسلام نافذ نہیں کر پاتے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ساری عمر حکومت کریں، یہ کیسا پیمانہ ہے۔

سوال: جنرل صاحب سنا ہے ہماری فوج نے گزشتہ چند سالوں میں جدید ترین اسلحہ حاصل کر لیا ہے، کیا بہترین اسلحہ کی وجہ سے ہماری جنگی صلاحیت میں اضافہ نہیں ہو گیا؟

جواب: ادیب صاحب، لڑائی کے دوران اسلحہ نہیں لڑتا انسان لڑتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ کے ہاتھ میں دنیا کی سب سے مہنگی گن ہالینڈ اینڈ ہالینڈ تھما کر آپ کو نشانہ لگانے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اگر آپ اچھے نشانچی ہیں آپ نے نشانہ لگاتے رہنے کی پریکٹس نہیں چھوڑی تو آپ نشانہ لگائیں گے ورنہ آپ کا نشانہ ضائع ہو جائے گا۔ اگر آپ اچھے نشانچی ہیں تو آپ سیالکوٹ کی بنی ہوئی معمولی سی گن سے شکار کر سکتے ہیں۔ جو تلوار گزشتہ سات سال سے نیام میں ہے جو فوج دوسرے کاموں میں مصروف ہے اس کی جنگی صلاحیت کے بارے میں کیا

Marfat.com

کہا جاسکتا ہے۔اس کا صحیح اندازہ تو جنگ کے دوران ہی ہوسکتا ہے۔

سوال: جنرل صاحب، آپ ۱۹۸۰ء تک جنرل محمد ضیاء الحق کے شریک اقتدار رہے ہیں، آپ کا کہنا ہے کہ فوج کی ہائی کمان نے مارشل لاء کا نفاذ محض انتخابات کرانے کے لئے کیا تھا، آپ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپ جب تک اقتدار میں شامل رہے جنرل محمد ضیاء الحق کو یہ یاد دلاتے رہے ہیں کہ فوج نے ملک کی عنان اقتدار کس مقصد کے لئے اپنے ہاتھ میں لی تھی، آپ جب جب بھی جنرل محمد ضیاء الحق کو انتخابات کرانے کی یاددہانی کراتے رہے ان کا کیا جواب ہوتا تھا؟

جواب: ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے آج تک جنرل ضیاء الحق نے کبھی ایک مرتبہ بھی یہ کہا ہے کہ وہ انتخابات نہیں کرائیں گے۔انہوں نے مجھے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ وہ انتخابات نہیں کرائیں گے۔جس طرح وہ پوری قوم کو انتخابات کرانے کی یقین دہانی کراتے رہے ہیں، اسی طرح مجھے بھی کراتے رہے ہیں۔

سوال: کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ پاکستان میں عوام نے جب کبھی حکومت وقت کے خلاف کوئی تحریک چلائی تو عوام کی سیاسی قیادت اس اس قسم کی تحریک کے فوائد سمیٹنے میں ناکام رہی اور ہر مرتبہ فوج نے اقتدار سنبھال لیا۔آپ کے خیال میں کوئی سیاسی حل تجویز کیا جاسکتا ہے کہ ملک بار بار مارشل لاء سے محفوظ رہے؟

جواب: قوم کی سیاسی قیادت حکومت کے خلاف برپا ہونے والی سیاسی تحریکوں کے ثمرات سمیٹنے میں اس لئے ناکام ہو جاتی رہی ہے کہ ہماری سیاسی قیادت میں لیڈرشپ کا فقدان ہے۔جب بھی کسی حکومت وقت کے خلاف تحریک چلتی ہے۔ایسی تحریکوں کو قوم ''لیڈ'' کرتی ہے۔لیڈران تحریکوں کی قیادت نہیں کرتے، ہمارے ملک میں اس وقت کوئی ایک بھی ایسا سیاست دان موجود نہیں ہے جو پوری قوم کو قابل قبول ہو۔ پوری قوم جس کے پیچھے چل

Marfat.com

پڑے ایک آدھ جو لیڈر اس معیار کا تھا ختم ہو گیا۔ اس قسم کا لیڈر سامنے آ جائے تو موجودہ حکومت ایک دن بھی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ حکومت کو پتہ ہے کہ ہمارے سیاسی لیڈر کتنے پانی میں ہیں اور وہ اس بات کو ''ایکسپلائٹ'' کر رہی ہے۔

سوال: جنرل صاحب، یہ عجیب بات ہے کہ ہماری سیاسی پارٹیوں کو ہر حکومت کو ہٹانے کے لئے سیاسی اتحاد قائم کرنے پڑتے ہیں۔ ہمارے ہاں سیاسی اور انتخابی اتحاد بنانے کی روایت بہت پرانی ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارے ہاں کبھی کوئی سیاسی جماعت ایسی نہیں بنی جس کی جڑیں عوام میں موجود ہوں؟

جواب: آپ جب تک عوام میں جڑیں لگاتے ہی نہیں، وہ خود بخود کیسے لگ جائیں گی۔ آپ کسی درخت کی کاشت تو کریں، اس کی مثال آپ کو میں اس طرح دیتا ہوں کہ آپ کے گھر میں ایک باغ ہے۔ آپ اچھے مالی ہیں اور آپ نے پھلدار پودے کاشت کر رکھے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ فلاں پودا دس سال تک پھل دے گا۔ اس کے بعد اس کو بور نہیں لگے گا۔ اگر آپ واقعی اچھے مالی ہیں تو کیا آپ اس پودے کے ختم ہونے سے پہلے اس کی جگہ پھل کیلئے دوسرا پودا تیار نہیں کریں گے؟ تین سال پہلے سے نیا پودا نہیں لگا دیں گے۔ اسی طرح سیاست ایک پھلدار درخت ہے۔ سیاست کے ثمرات سمیٹنے کیلئے بہت طویل منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام میں جڑیں گاڑنا ایک اچھا خاصا پراسس ہے۔ ہماری بعض سیاسی جماعتوں کو ماضی میں کافی حد تک عوام میں پذیرائی ملی مگر ان سیاسی جماعتوں میں سیاسی عمل کبھی جاری نہیں رکھا گیا۔ اگر کچھ سیاسی جماعتوں نے اس پراسیس کو جاری رکھا بھی تو بدقسمتی یہ ہوئی کہ ملک میں سیاسی عمل روک دیا گیا۔ اگر ہم نے قوم کو بار بار دیانتدارانہ انتخابات کی بھٹی میں سے گزارا ہوتا تو چھوٹی چھوٹی سیاسی جماعتوں کی جگہ ہمارے ملک میں دو چار بڑی سیاسی جماعتیں ابھر آئی ہوتیں۔ موجودہ حالات کو ہی لے لیجئے، گزشتہ سات

Marfat.com

سال سے ملک میں سیاسی عمل رکا ہوا ہے۔ان حالات میں کوئی سیاسی پارٹی کیا خاک عوام میں جڑیں بنائے گی۔قوم کیلئے قابل قبول سیاسی قیادت کس طرح سامنے آسکتی ہے۔ایک بات میں آپ کواور بتادوں حضور کہ لوکل باڈیز کے انتخابات سے کسی ملک کی قومی قیادت نہیں ابھرا کرتی۔قومی قیادت،قومی پلیٹ فارم سے ابھرا کرتی ہے۔ایک آدمی راولپنڈی میں مقامی طور پر مقبول ہونے کی وجہ سے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لے کر کونسلر بن جاتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ پاکستان کا لیڈر ہوسکتا ہے۔ پاکستان کا لیڈر بننے کیلئے کسی بھی لیڈر کی شخصیت میں اور بھی بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔آج پاکستان میں وہ کونسا سیاسی لیڈر ہے جس کی پاکستان کے چاروں صوبوں میں پذیرائی ہے۔کوئی بھی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حکومت کو اس ملک کی سیاسی قیادت کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔

سوال: جنرل صاحب، جولوگ جنرل محمد ضیاء الحق کی مخالفت میں اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ یہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے کہ چلیں اگر جمہوریت نہیں تو ضیاء الحق بھی کیوں ضروری ہے، کوئی دوسرا جرنیل کیوں نہیں، کیا یہ لوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر مارشل لاء کے مسلسل نفاذ سے ۱۹۷۳ء کے آئین کو مکمل طور پر ختم کردینے کی راہ پر گامزن نہیں ہیں؟

جواب: (چند لمحے خاموشی) اس کا جواب مشکل ہے۔میری سنیں، انسان فانی ہے۔اللہ جنرل ضیاء الحق کو ساری عمر زندہ رکھے لیکن اگر ضیاء الحق آج کسی وجہ سے وفات پا جاتا ہے تو ملک کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کون ہوگا۔آپ کہیں گے کہ جنرل عارف؟ میں کہتا ہوں کیوں؟ آپ کہتے ہیں جنرل رحیم، میں کہتا ہوں کیوں؟ چیف ایئر مارشل انور شمیم کیوں نہیں؟..... مگر وہ بھی کس قانون کے تحت؟ سوال یہ ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا ''سیکنڈ ان کمانڈ'' کون ہے۔کسی بھی حادثاتی صورتحال میں کون جنرل محمد ضیاء الحق کی جگہ لے گا۔کیا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنا ''نمبر ٹو'' نامزد کرے اور پھر کون ہے جو

Marfat.com

یہ کہتا ہے کہ جرنل ضیاء الحق چلا جائے؟ کیسے چلا جائے، اگر ضیاء الحق الیکشن کرانے کے بعد چلا جاتا ہے تو پھر کیا ہے؟ کیا برائی ہے اس میں، کسی اور کو ''ہینڈ اوور'' کر کے چلا جاتا ہے تو یہ کوئی نیا مارشل لاء تو نہیں ہوگا۔ مارشل لاء تو ختم ہی نہیں ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خدانخواستہ جنرل ضیاء الحق کو کچھ ہو جاتا ہے تو پھر کیا راستہ ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں اقتدار کس کو منتقل ہوگا۔ کس طرح منتقل ہوگا۔ کیا ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی رات سے آج تک چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنی یہ ذمہ داری نبھائی ہے کہ وہ اپنے ''سیکنڈ ان کمانڈ'' کو نامزد کریں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اس صورت میں ان کے عقب میں قوم کے لئے تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

سوال: آپ تو کسی چوتھے مارشل لاء کا خطرہ محسوس نہیں کرتے؟

جواب: تیسرا مارشل لاء ختم ہوگا تو چوتھا لگے گا، نئے مارشل لاء کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

سوال: جنرل صاحب ایک زمانے میں حکومت کی طرف سے اس قسم کی خبریں سامنے آئی تھیں کہ انتخابات درجہ بدرجہ ہوں گے۔ غالباً کہنا یہ مقصود تھا کہ حکومت پہلے صوبائی انتخابات کرائے گی۔ اگر حکومت قومی اسمبلی کے انتخابات سے پہلے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کراتی ہے تو آپ کے خیال میں قومی سیاست پر اس کے کیا اثرات ہوں گے؟

جواب: اگر صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات قومی اسمبلی کے انتخابات سے پہلے ہو جاتے ہیں تو صوبوں میں حکومتیں بن جاتی ہیں تو اس صورت میں کسی ایک صوبے کے نمائندے اگر اس قسم کی قرارداد پاس کر دیتے ہیں کہ وہ وفاق کے ساتھ نہیں ہیں تو کیا ہوگا۔ حکومت کے اندر جو لوگ اس قسم کی سوچ رکھتے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں حکومت میں رکھا جائے۔ انہوں جوتے مار کر حکومت سے نکال باہر کرنا چاہئے۔ قوم کے لئے یہی بہتر ہے کہ انتخابات ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق ہو جائیں۔ پہلے قومی اسمبلی کے انتخابات ہی ہونے چاہئیں۔

Marfat.com

یہ قوم کا حق ہے اس کے بعد جو کچھ قوم کے نمائندے کریں گے، ہوتا رہے گا۔

سوال: جنرل صاحب ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جب احتساب کا عمل شروع ہوا اور سابق حکومت کے ''وزیروں وغیرہ'' کی گرفتاریاں شروع ہوئیں تو عین ان دنوں میں غلام مصطفیٰ کھر حکومت کی اجازت سے لندن روانہ ہو گیا۔ سنا ہے اس کو لندن بھجوانے میں آپ کا بہت ہاتھ تھا۔ آپ ماشاء اللہ انتہائی ذہین اور مدبر جرنیل رہے ہیں، حیرت ہے کہ غلام مصطفیٰ کھر آپ کو کس طرح جل دے کر نکل گیا؟

جواب: غلام مصطفیٰ کھر کو نہ صرف پنجاب کی صوبائی حکومت نے باہر جانے کا این او سی دیا تھا بلکہ اسے وفاقی حکومت نے لندن جانے کی اجازت دی تھی۔ خود ضیاء الحق نے اجازت دی تھی۔

سوال: آپ نے اس کے لندن سے واپس نہ آنے پر لندن میں جا کر اس سے ملاقات بھی تو کی تھی؟

جواب: میں نے لندن میں اس سے (۱) کوئی ملاقات نہیں کی تھی۔

سوال: کچھ حلقوں کا خیال ہے کہ اسے آپ نے نکل بھاگنے کا موقع فراہم کیا تھا۔

جواب: آپ کیسی بات کر رہے ہیں، وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی اجازت سے پاکستان سے باہر گیا تھا۔ میں اسے نکل بھاگنے کا موقع کیوں دیتا؟

سوال: کیا آپ ریٹائرمنٹ کے بعد قومی تقریبات میں شامل ہوتے ہیں؟

جواب: حکومت نے مجھے کبھی کسی تقریب میں شمولیت کا دعوت نامہ نہیں بھیجا، حالانکہ یہ میرا حق ہے۔ جنرل اقبال اور جنرل سوار کی ریٹائرمنٹ سے پہلے، میں فوج کا سب سے سنیئر ریٹائرڈ افسر پنڈی میں موجود تھا مگر حکومت نے مجھے کبھی کسی قومی تقریب میں مدعو نہیں کیا۔ نہ

---

۱ جنرل چشتی نے کھر سے نہیں بلکہ کھر نے جنرل چشتی سے ملاقاتیں کی تھیں۔

Marfat.com

۲۳ مارچ کو، نہ ۱۴ اگست کو اور نہ ہی کسی دوسرے ملک کے سربراہ کی آمد پر۔

سوال: آخر ایسا کیوں ہے، اس کا کچھ تو پس منظر ہوگا؟

جواب: حکومت سے پوچھئے۔ پتہ نہیں وہ مجھ سے کیوں خوفزدہ ہیں۔ مجھے سرکاری تقریبات میں کیوں نہیں بلاتے۔ تقریبات میں بلانا تو درکنار اگر کوئی فوجی افسر مجھ سے ملاقات کے لئے آتا ہے تو وہ اس کو بھی روک دیتے ہیں۔ میرا ٹیلی فون ٹیپ ہوتا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہی، آخر میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔ آپ مجھ سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ دو مرتبہ پنڈی میں مجھ سے ملاقات کر چکے ہیں۔ آپ کا میرے پاس آنا ان کے علم میں ہوگا، وہ مجھ سے ملنے والوں کو ہراساں کرتے ہیں۔

سوال: مجھے آپ کے پاس آنے سے کسی نے نہیں روکا۔ پنڈی میں آپ کی رہائش گاہ سے واپسی پر کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا۔ میرا نہیں خیال کہ وہ اس حد تک آپ کو چیک کرتے ہیں؟

جواب: وہ میرا ٹیلی فون ٹیپ کرتے ہیں، مجھ سے ملنے والوں سے باز پرس ہوتی ہے۔ آپ صحافی ہیں، ان کے سات سالہ دور اقتدار پر ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ وہ آپ کو کیوں روکیں گے لیکن مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں ان کا مخالف نہیں ہو، کسی کا دشمن نہیں ہوں، اس ملک کا جرنیل رہا ہوں، اس ملک کے لئے جان تو دے سکتا ہوں، اس کے خلاف ہونے والی کسی سازش میں شریک نہیں ہو سکتا۔

سوال: آج کل آپ کیا کرتے ہیں؟

ستارہ بسالت کی نصف مربعہ زمین ملی تھی، وہ فروخت کر کے کاروبار شروع کیا ہے۔ ''چشتی ایسوسی ایٹس لمیٹڈ'' کے نام سے اپنا ایک نجی کاروباری ادارہ بنایا ہے، حکومت کو مزید زمین کیلئے درخواست دے رکھی ہے تا کہ کل کو یہ نہ کہیں کہ چشتی نے کچھ مانگا نہیں۔

Marfat.com

سوال: جنرل صاحب کیا ریٹائرمنٹ کے بعد آپ جنرل محمد ضیاء الحق سے کبھی نہیں ملے؟

جواب: ولیمہ کی تقریبات میں کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی ہے۔ رسمی ہیلو ہیلو سے زیادہ کچھ نہیں۔

سوال: جنرل صاحب نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل میں ملوث بعض ملزمان نے اقبال جرم کیا تو بعض حلقوں کی طرف سے کہا گیا تھا کہ ان ملزمان کو جنرل چشتی نے یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ انہیں موت کی سزا سے بچا لیا جائے گا۔ جب ملزم میاں محمد عباس نے اقبال جرم کیا تو اس وقت بطور خاص اس قسم کی باتیں سننے میں آئی تھیں کہ آپ نے ان کے وکیل کو بعض یقین دہانیاں کرائی تھیں۔ آپ اس سلسلہ میں کیا کہیں گے؟

جواب: ان ملزمان کے ''اقبال جرم'' سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی، میں کون تھا انہیں سزائے موت سے بچانے کی یقین دہانیاں کرانے والا، اگر کچھ حلقوں میں اس قسم کی باتیں ہوئی تھیں تو یہ سب غلط تھیں۔

سوال: سنا ہے میاں زاہد سرفراز کو وزیر آپ نے بنایا تھا؟

جواب: میں نے بہت سے دوسرے سیاستدانوں کو بھی وزیر بنایا تھا۔ چوہدری ظہور الٰہی کو کس نے وزیر بنایا تھا۔ باقی لوگوں کو کس نے وزیر بنایا تھا؟ آپ کہتے ہیں میں نے میاں زاہد سرفراز کو وزیر بنایا تھا، میں کہتا ہوں میں تو کنگ میکر تھا۔ (قہقہہ)..... میں نے کسی کو کچھ نہیں بنایا۔ اگر تین آدمیوں پر مشتمل ایک بورڈ نامزد ہونے والے کابینہ کے اراکین کا انٹرویو لیتا ہے اور میں اس بورڈ کا رکن ہوتا ہوں تو ظاہر ہے وزیر نامزد کرنے والوں میں میرا عمل دخل تو ہوتا تاہم ہم نے وزیر قومی اتحاد میں شامل سیاسی جماعتوں کی سفارش پر مقرر کئے تھے۔

سوال: آپ نے کہا ہے کہ آپ ''کنگ میکر'' ہیں؟ آپ نے ایسا غالباً اس لئے کہا ہے کہ آپ ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب ''اپریشن فیئر پلے'' کے انچارج تھے۔

جواب: ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کو ''اپریشن فیئر پلے'' کا انچارج میں اس لئے تھا کہ میں وہاں کا کور

Marfat.com

کمانڈر تھا۔ اگر میری جگہ وہاں کوئی دوسرا ہوتا تو یہ کام وہ بھی کرتا۔

سوال: کیا آپ جنرل محمد ضیاء الحق کو کنگ سمجھتے ہیں؟

جواب: میں نے یہ کب کہا ہے۔ وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہیں حضور..... اور اب صدر مملکت ہیں۔

سوال: جنرل صاحب مستقبل میں آپ کا سیاست میں حصہ لینے کا ارادہ تو ہوگا؟

جواب: آپ کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں آپ؟ اس ملک میں سیاست کہاں ہے، میں سیاست دان نہیں ہوں۔ قوم کا سپاہی ہوں، جرنیل ہوں۔ میری قوم نے مجھے کبھی پکارا اور جس بھی محاذ پر پکارا تو لبیک کہوں گا۔

سوال: جنرل صاحب، میں نے آپ کے ساتھ ہونے والی تین نشستوں کے دوران یہ محسوس کیا ہے کہ آپ کا گفتگو کرنے کا انداز خاصا کھردرا ہے، کیا عملی زندگی میں آپ کے اس خالص فوجی انداز نے آپ کو نقصان نہیں دیا۔

جواب: میں نے لیفٹننٹ کی حیثیت سے فوج میں کمیشن لیا تھا۔ جرنیل کے طور پر ریٹائر ہوا ہوں۔ اس سے زیادہ ترقی اور کیا ہو سکتی ہے۔ پھر میں نقصان میں کب رہا، میں سچی اور کھری گفتگو کرنے کا عادی ہوں۔ آپ میرے انداز کو ''کھردرا'' تو کہہ سکتے ہیں، یہ لہجہ منافقانہ نہیں ہے۔ یہ جھوٹے آدمی کا لہجہ نہیں ہے۔

سوال: ان دنوں حکومت بظاہر عام انتخابات کی تیاریاں کر رہی ہے، صدر مملکت نے ۱۲ اگست ۱۹۸۳ء کو ملک میں جمہوریت کی بحالی کا ایک پروگرام دیا تھا، کیا اس مرتبہ انتخابات بخیر و خوبی مکمل ہو جائیں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: آپ کے سوال کا جواب جنرل ضیاء الحق دے سکتے ہیں یا خدا جانتا ہے کہ کیا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

جیل میں بھٹو پر تشدد کے سلسلہ میں میرا نام کیوں آیا؟

حوالہ اشاعت ..... مون ڈائجسٹ سالنامہ مئی ۱۹۸۶ء

انٹرویو لینے والے ..... جناب ادیب جاودانی، ایڈیٹر مون ڈائجسٹ

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

جنرل فیض علی چشتی کا نام قومی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب ملک میں جو فوجی انقلاب آیا وہ اس ''اپریشن فیئر پلے'' کے انچارج تھے۔ موجودہ مارشل لاء کے نفاذ میں ان کا کردار انتہائی اہم اور مرکزی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ وہی تھے جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو حراست میں لے لیا۔ ۵ جولائی ۷۷ء کو انہیں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کے دست راست کی حیثیت حاصل تھی۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد عوامی و سیاسی حلقوں کی طرف سے انہیں ''مرد آہن'' کا خطاب دیا گیا۔ وہ ۷۸-۱۹۷۷ء میں الیکشن سیل کے چیئرمین اور وفاقی وزیر بھی رہے۔ وہ پاکستان آرمی کے ملٹری سیکرٹری بھی رہے۔ پاک آرمی کی وہ ہائی کمان جس نے ۵ جولائی ۷۷ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اس ہائی کمان میں افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ضیاء الحق اور پاکستان آرمی کے پانچوں کور کمانڈرز لیفٹننٹ جنرل محمد اقبال، لیفٹننٹ جنرل سوار خان، لیفٹننٹ جنرل جہاں زیب ارباب، لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی اور لیفٹننٹ جنرل غلام حسن شامل تھے۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء نافذ کرانے والی ملٹری ہائی کمان میں شامل ان پانچوں کور کمانڈرز میں سے جنرل فیض علی چشتی اور جنرل غلام حسن سب سے پہلے ریٹائر ہوئے۔ لیفٹننٹ جنرل محمد اقبال اور لیفٹننٹ جنرل محمد سوار خان نے جنرل

Marfat.com

کے عہدہ پر ترقی پائی اور ریٹائر ہونے سے پہلے علی الترتیب چیئرمین جوائنٹ چیفس آف ڈیفنس سٹاف اور وائس چیف آف آرمی سٹاف تعینات رہے۔

چونکہ مارشل لاء کے نفاذ میں جنرل فیض علی چشتی نے سب سے اہم اور مرکزی کردار ادا کیا تھا اس لئے ان کی ریٹائرمنٹ پر عوامی اور سیاسی حلقوں میں بہت سی قیاس آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔ عام خیال یہی ہے کہ چونکہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے جنرل چشتی کے بعض اختلافات ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے جنرل چشتی کو اقتدار میں شمولیت کا مزید موقع نہیں دیا اور لیفٹننٹ جنرل کی حیثیت سے ان کی مدت ملازمت چار سال پوری ہوتے ہی انہیں ریٹائرمنٹ دے دی۔ جنرل چشتی کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ انہوں نے وزیراعظم بھٹو کے آخری لمحات میں ان پر جیل میں تشدد کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پیپلز پارٹی کی مقبولیت کے پیش نظر انہوں نے اپنا سیاسی مستقبل پیپلز پارٹی کے ساتھ وابستہ کرنے کے لئے متعدد مرتبہ پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرمین بیگم نصرت بھٹو اور قائم مقام چیئرمین مس بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی کوشش کی ہے۔ بہرحال جنرل فیض علی چشتی پاکستان کے قومی حلقوں کی ایک ایسی متنازعہ فیہ شخصیت ہیں جسے پاکستان کا ہر شہری توجہ سے پڑھنا چاہتا ہے۔

مون ڈائجسٹ نے دو سال پیشتر بھی جنرل فیض علی چشتی کا ایک انٹرویو شائع کیا تھا مگر اس وقت حالات کے تقاضے یقیناً مختلف تھے۔ اس لئے بہت کچھ نہ تو انہوں نے کہا تھا اور شاید نہ ہی ہم چھاپ سکتے تھے، اس مرتبہ جنرل فیض علی چشتی سے ملاقات میں قدرے کھل کر اور زیادہ اعتماد کے ساتھ باتیں ہوئی ہیں۔ ان سے ہونے والی گفتگو کو سوالاً جواباً نذر قارئین ہے۔

Marfat.com

اہم نکات

☆ تشدد کا افسانہ کس نے تراشا، کیوں تراشا

☆ بھٹو کی پھانسی میں ۲۴ گھنٹے تاخیر کیوں کی گئی

☆ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لاء نفاذ میں جنرل ضیاء کے حقیقی عزائم کیا تھے

☆ ملک کے گھمبیر سیاسی مسائل کا حل کیا ہے

☆☆☆☆☆

شائع شدہ مکمل روداد

سوال: جنرل صاحب، ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اس ملک میں جو فوجی انقلاب آیا تھا، ملک اور قوم ابھی تک اس انقلاب کے ثمرات سے دوچار ہیں، ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ میں آپ نے انتہائی مرکزی کردار ادا کیا تھا، جس وقت یہ مارشل لاء نافذ ہوا اس وقت مارشل لاء کی ہائی کمان نے قوم کو یہ مژدہ سنایا تھا کہ فوج کے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں اور وہ ۹۰ دن کے اندر انتخابات کروا دینے کے بعد واپس بیرکوں میں چلی جائے گی۔ ازاں بعد پہلے احتساب اور بعد میں انتخابات کا پروگرام بنا اور اس طرح انتخابات دوسری مرتبہ بھی ملتوی ہو گئے۔ فروری ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی بنیادوں پر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہو

Marfat.com

جانے کے بعد ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ملک سے مارشل لاء اٹھالیا گیا تھا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء نافذ کرتے وقت کی ملٹری ہائی کمان کے پیش نظر جو مقاصد تھے، آپ کے خیال میں کیا وہ پورے ہو گئے ہیں، اگر یہ مقاصد ابھی تک پورے نہیں ہوئے تو آپ فوج کے ساڑھے آٹھ سالہ اقتدار اور پارلیمنٹ کے اشتراک سے جنرل محمد ضیاء الحق کے موجودہ سیاسی کردار پر کیا تبصرہ کریں گے؟

جواب: ادیب جاودانی صاحب، آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے، کالعدم پاکستان پیپلز پارٹی اس وقت ملک میں برسر اقتدار تھی۔ ان انتخابات کے نتیجے میں اس پارٹی کے امیدوار بھاری اکثریت سے جیت کر قومی اسمبلی میں پہنچے۔ حزب اختلاف میں شامل نو سیاسی جماعتوں کے انتخابی اتحاد پاکستان قومی اتحاد نے برسر اقتدار پارٹی پر انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کا الزام لگایا اور اس کے خلاف احتجاجی تحریک شروع وہ گئی۔ پاکستان قومی اتحاد کی یہ احتجاجی تحریک کئی ماہ تک جاری رہی۔ اس میں روز بروز شدت آتی گئی۔ ملک میں خانہ جنگی کے آثار رونما ہونے لگے۔ اس وقت کے وزیر اعظم کو بعض شہروں میں مارشل لاء تک نافذ کرنا پڑا۔ افواج پاکستان کا اس ملک کے عوام کی نظروں میں بے پناہ احترام ہے مگر جب اس وقت کے وزیر اعظم نے اپنے اقتدار کو بچانے کیلئے فوج کو استعمال کرنے کی کوشش کی تو اس سے فوج کا وقار مجروح ہونے کی صورتحال پیدا ہو گئی۔ اس وقت کی ملٹری ہائی کمان نے ملک کے وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کو واشگاف الفاظ میں یہ وارننگ دی کہ وہ پاکستان قومی اتحاد سے کوئی سمجھوتہ کریں۔ ملک سے خانہ جنگی ختم کرائیں اور اگر ملک میں امن و امان کی بحالی کیلئے پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے قومی اسمبلی کے انتخابات دوبارہ کرائے جانے کا مطالبہ واپس نہیں لیا جاتا تو انتخابات دوبارہ کرانے کا اعلان کیا جائے۔ فریقین کو مذاکرات کی میز تک بھی لایا گیا مگر جب سمجھوتے

Marfat.com

جنرل ضیاء الحق کی کیبنٹ میٹنگ۔ محمود ہارون، جنرل جمال سعید میاں، غلام اسحاق خان، مصنف، جنرل رحیم الدین، جنرل کے ایم عارف، مسٹر ظہور اظہر کیبنٹ سیکرٹری، جنرل ضیاء الحق، (جنرل شہزادہ صادق الرشید محمد عباسی)، جنرل فضل الحق، میر علی احمد تالپور، جنرل غلام حسن، محمد علی ہوتی، محی الدین بلوچ

مصنف، ضیاء الحق (بریگیڈیئر ظفر علی خان۔ ملٹری سیکرٹری ٹو جنرل ضیاء الحق)

Marfat.com

چیئرمین لیبر کمیشن جناب عطا اللہ سجاد' لیبر منسٹر جنرل چشتی کو کمیشن رپورٹ پیش کر رہے ہیں۔ 1979ء

1972ء مری' صدر پاکستان اینڈ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو'
میجر جنرل عبدالمجید ملک' مصنف بریگیڈیئر چشتی

Marfat.com

مصنف، جنرل محمد ضیاء الحق، عباس ہوید اتہران ایران، بریگیڈیئر ظفر علی خان

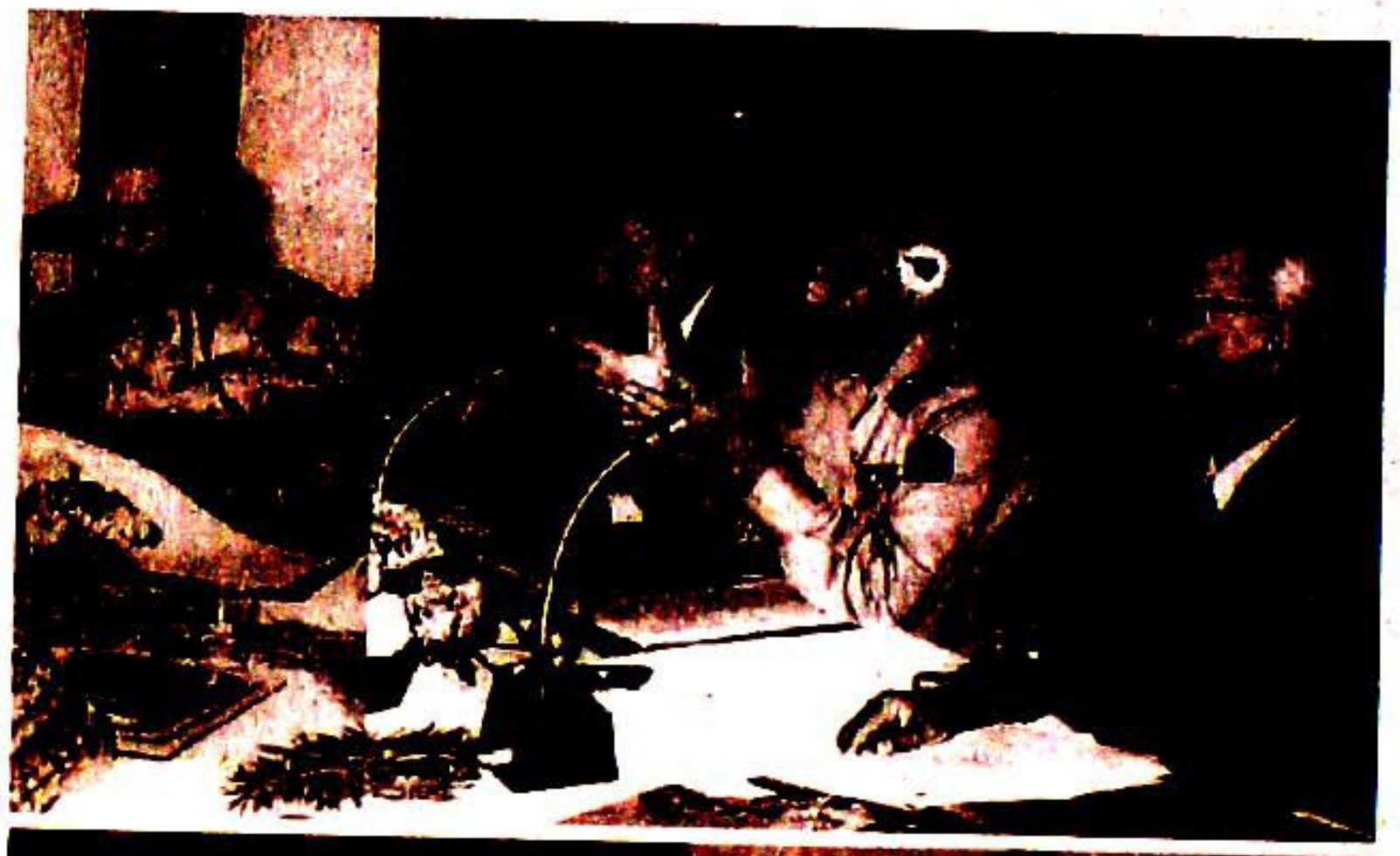

1977ء مارشل لاء کی پہلی کابینہ

اے کے بروہی، جنرل ضیاء الحق، غلام اسحاق خان، مصنف، غلام مصطفیٰ کوکل،
جنرل حبیب اللہ خان جنرل غلام حسن خان، کیبنٹ سیکرٹری گلزار بانو

Marfat.com

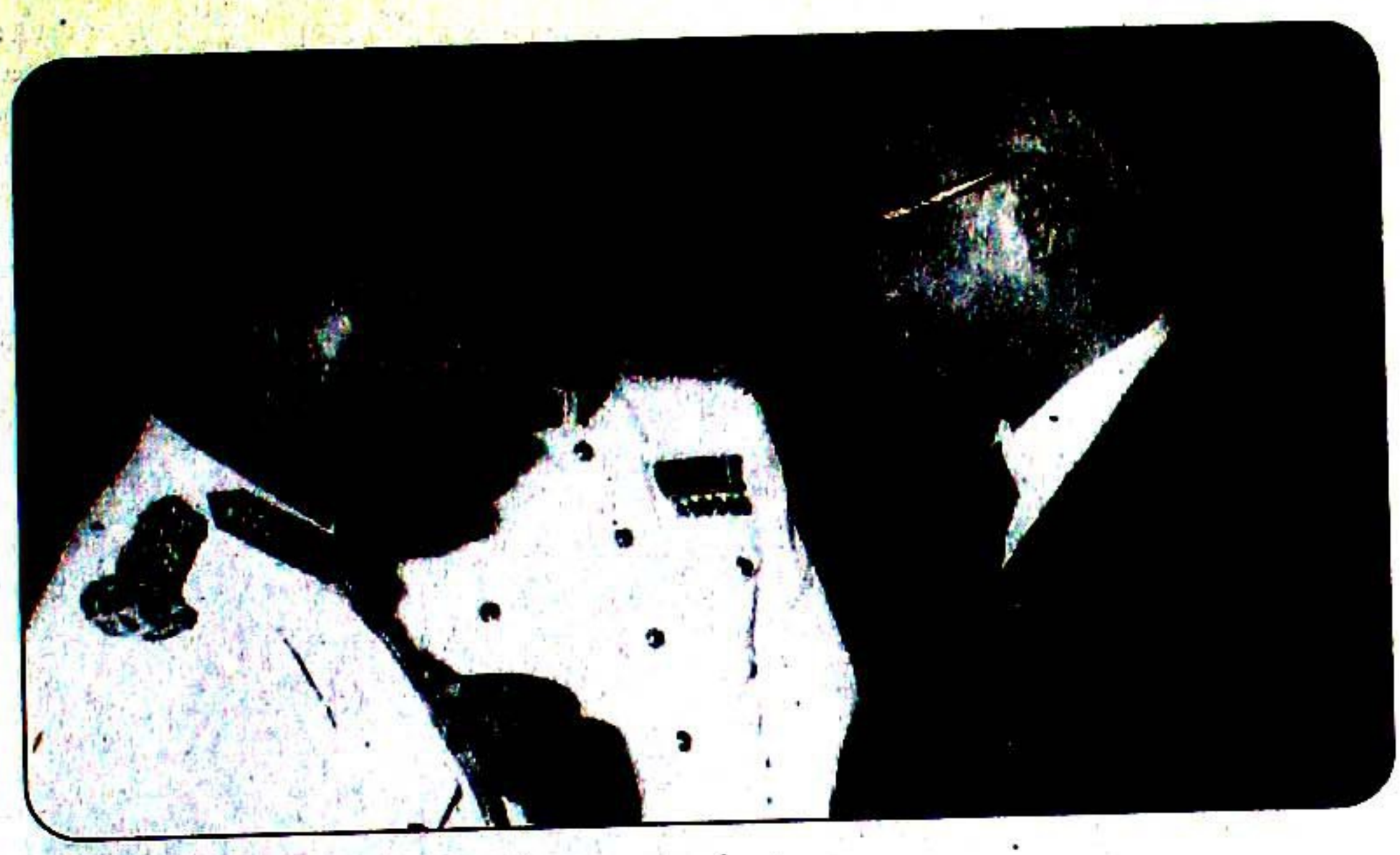

مصنف' اے کے بروہی' جنرل اسلم شاہ

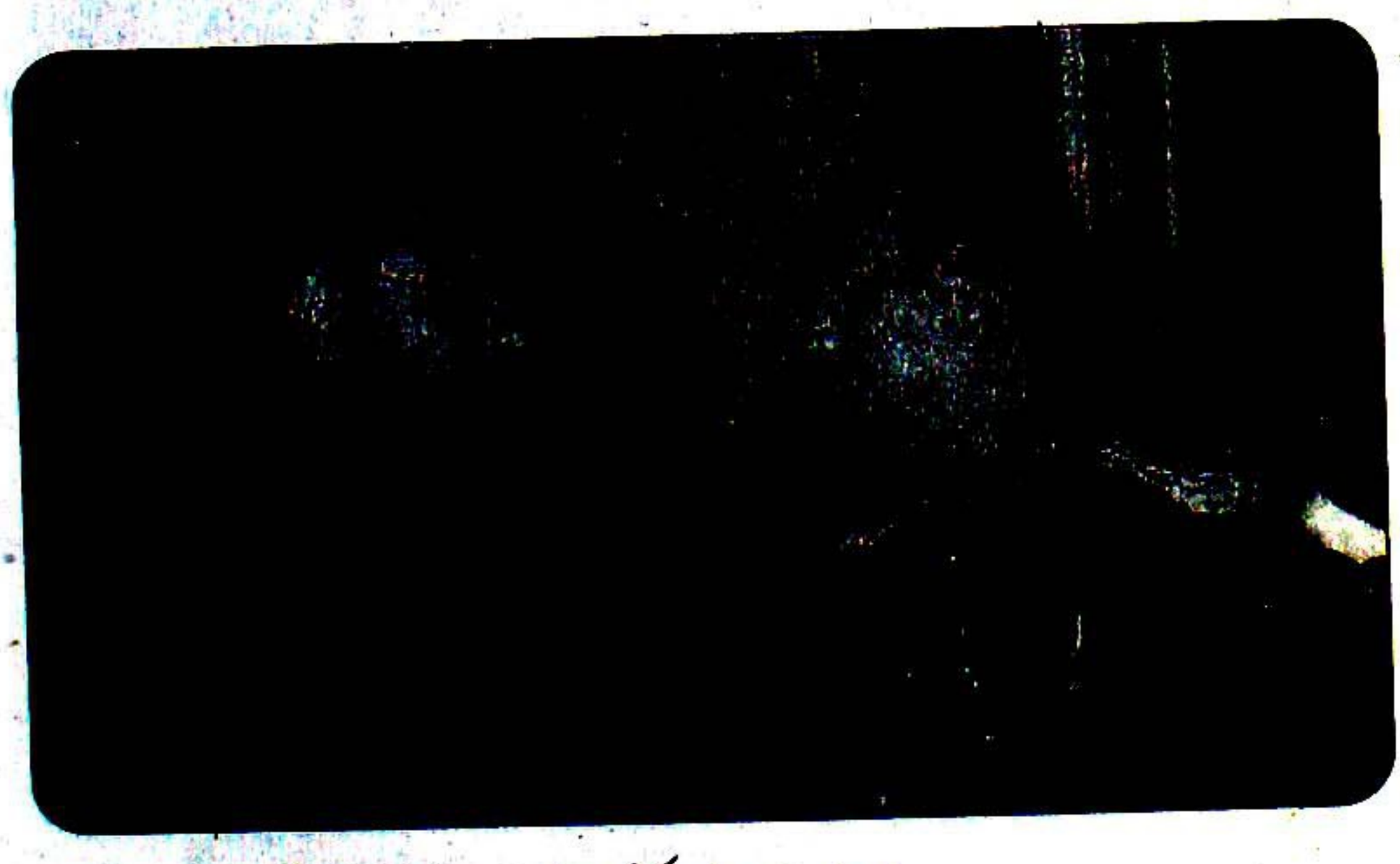

مصنف اور مولانا کوثر نیازی

مصنف' جولائی 1979ء چیئرمین ہوآفنگ پیکنگ

Marfat.com

میٹنگ HH مسٹر آغا خان، مصنف 10 کور کمانڈر

طائف-کرپشن شہیداں پی آئی اے برائے تعزیت

(بائیں سے دائیں) غلام اسحاق خان، مصنف، جنرل ضیاء الحق، کراؤن پرلیس شہزادہ فہد، بریگیڈیئر نواب احمد اشرف سفیر پاکستان

مصنف بحیثیت 10 کور کمانڈر، جنرل ضیاء الحق اور ممبرانِ وفاقی کابینہ کو کارگل پر بریفنگ

Marfat.com

لیبر منسٹر لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی وفد کے ہمراہ چین جاتے ہوئے 1979ء

1973ء چھمب، وزیراعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، جنرل آفتاب احمد خان، کمانڈر 10 کور، مصنف میجر جنرل کمانڈر 23 ڈو،
(بریگیڈیئر شیر علی باز بریگیڈیئر کمانڈر) بریگیڈیئر منصور احمد کمانڈر آرٹلری 23 ڈو)

Marfat.com

1966ء سٹاف کالج کوئٹہ، مصنف بطور انسٹرکٹر
(دائیں سے بائیں) جنرل اختر علی ملک، لیفٹیننٹ کرنل وجاہت حسین،
لیفٹیننٹ کرنل حیدر جنگ، مصنف لیفٹیننٹ کرنل چشتی، لیفٹیننٹ کرنل ممتاز علی

فیڈرل منسٹر اسٹبلشمنٹ، کشمیر افیئرز اور شمالی علاقہ جات جنرل فیض علی چشتی،
چوہدری ظہور الٰہی فیڈرل منسٹر لیبر اور فیڈرل منسٹرز فار شپنگ مسٹر مصطفیٰ گوکل کے ہمراہ

Marfat.com

شاہراہ قراقرم کا رسمی افتتاح جون 1978ء تھا کوٹ جناب کنگ پیاڈ' نائب وزیر اعظم چین'
پرنس محی الدین' جنرل ضیاء' مصنف اور جنرل صفدر بٹ

مصنف بحیثیت منسٹر فار اسٹیبلشمنٹ اینڈ انسپکشن کمیشن برائے کشمیر افیئرز اینڈ شمالی علاقہ جات کی
برٹش سیکرٹری آف سٹیٹ مسٹر برلن ریمس کے ہمراہ وہائٹ ہال لندن

Marfat.com

کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو فوج نے اپنا وقار مجروح کرانے کی بجائے ملک کے اقتدار کو عارضی طور پر اپنے ہاتھوں میں لے کر خود اپنی نگرانی میں انتخابات کرانے کا فیصلہ کرلیا۔

جب مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ کیا گیا تو یہ طے پایا تھا کہ فوج تین ماہ کے اندر اندر انتخابات کرانے کے بعد واپس بیرکوں میں چلی جائے گی۔ انتخابات کو ابتداء میں مؤخر کیا گیا اور بعد ازاں انہیں نامعلوم مدت کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

میرا خیال ہے کہ اب یہ بات کوئی راز نہیں رہی کہ انتخابات کو بار بار کیوں مؤخر یا گیا تھا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو اقتدار کی لت لگ چکی تھی۔ وہ جیسے تیسے انتخابات کو ٹالتے رہے۔ فوج کی جس ہائی کمان نے مارشل لاء نافذ کیا تھا اس میں سے سب سے پہلے ملک کے اندر جمہوریت کی بحالی کے لئے میں نے آواز اٹھائی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے ریٹائر ہونا پڑا جبکہ آپ دیکھ رہے ہیں، پوری قوم دیکھ رہی ہے کچھ لوگ دس گیارہ سال سے ایک ہی منصب پر قائم چلے آرہے ہیں۔ انہیں کوئی ریٹائر نہیں کرتا۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء جن مقاصد کے لئے لگا تھا اگر فی الواقع ان مقاصد کو پورا کرنا مقصود تھا تو میں کہتا ہوں کہ یہ کام کئی سال پہلے بھی ہو سکتا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں فوج کے ٹیک اوور کا مقصد قوم کو خانہ جنگی سے بچانا اور مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں برسر اقتدار پارٹی کی طرف سے دھاندلی کے باعث قوم جمہوریت کی جس راہ سے بھٹکی تھی اسے جمہوریت کی اس راہ پر گامزن کرنا تھا۔ مگر بعد میں قومی مفاد پس منظر میں چلا گیا اور اقتدار پر قائم رہنے کی ہوس غالب آ گئی۔ آپ نے اپنے سوال میں کہا ہے کہ ۲۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ملک سے مارشل لاء اٹھا لیا گیا۔ میں آپ کی غلط فہمی دور کر دوں، ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء ابھی تک قوم پر مسلط ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کی رو سے چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ وزیر اعظم کے ماتحت رکھا گیا تھا اور اب آپ کی پارلیمنٹ اور آپ کا وزیر اعظم چیف آف آرمی سٹاف کے ماتحت ہے۔ کیا ہم نے ۵ جولائی

Marfat.com

۱۹۷۷ء کو اسی جمہوریت کے نفاذ کے لئے مارشل لاء نافذ کیا تھا۔ ہم نے ایک ٹانگ سے لنگڑی جمہوریت کا علاج کرنے کے لئے قوم کو ''آپریشن فیئر پلے'' دیا تھا مگر بڑے سرجن نے لنگڑی لولی جمہوریت کی دوسری ٹانگ کاٹ کر اسے اپاہج کر کے اپنے گھر میں ڈال لیا ہے۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء جن مقاصد کے لئے لگا تھا، میں کہتا ہوں ان مقاصد کو پورا کرنے سے عمداً صرفِ نظر برتا گیا ہے۔ یہ مقاصد ہرگز پورے نہیں ہوئے۔

سوال: جنرل صاحب، بھارت کی طرف سے دباؤ اور افغانستان میں روسی یلغار سے پاکستان کو جو خطرہ لاحق ہے اس سے نجات پانے کے لئے کیا حکومت کی موجودہ حکومت عملی درست ہے۔ ایک ریٹائرڈ جنرل کی حیثیت سے آپ حکومت کو کیا مشورہ دیں گے؟

جواب: میں اس سلسلہ میں حکومت کی حکمت عملی پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا تاہم میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ بیرونی خطرات سے نپٹنے کے لئے ہمیں قوم کے اندرونی اتحاد کی ضرورت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا قوم، حکومت کی حکمت عملی کے پیچھے متحد ہے، اگر قوم متحد نہیں ہے تو ارباب اقتدار کو سوچنا چاہئے کہ وہ قوم کو کس طرح اعتماد میں لیں، اگر قوم کو اعتماد میں نہ لیا گیا تو اس کے نتائج وہ بھی ہو سکتے ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ادیب صاحب، ۱۹۴۷ء میں مملکت خداداد کے نام سے جو ملک معرض وجود میں آیا تھا، کیا آج کا پاکستان وہی ہے؟ کیا پاکستان کا نقشہ وہی ہے جو اس کے قیام کے وقت تھا؟ کیا ملک پہلے ہی ہمارے لیڈروں کی ناعاقبت اندیشیوں کے باعث دو ٹکڑے نہیں ہو چکا تو پھر اب ایسا کیوں نہیں سوچنا چاہئے، اگر ہم نے ملک کے محافظوں کا احترام، عوام کے نزدیک فوج کا وقار قائم رکھا تو کیا نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی فوج اپنے ملک کے عوام کی مدد کے بغیر ملک کی سرحدوں کا تحفظ نہیں کر سکتی تاہم میرا یہ عقیدہ ہے کہ پاکستان قائم رہے گا۔ یہ ملک باقی رہے گا اس پر جو قیامت گزرنا تھی وہ گزر چکی ہے۔

Marfat.com

پاکستان کی اساس ایک نظریئے پر رکھی گئی تھی اور اس نظریئے کے علمبردار ہم ہیں اس لئے ہمارا ملک پاکستان ہے۔

سوال: تو کیا یہ سمجھا جائے کہ آپ کی نظر میں مارشل لاء کا ساڑھے آٹھ سالہ دور جائز اور قانونی تھا؟ اور مارشل لاء لگاتے وقت آپ کے ذہن میں بحالی جمہوریت کا نقشہ یہی تھا؟

جواب: میں نے یہ کب کہا ہے؟ مارشل لاء کا نفاذ کرتے وقت ملٹری ہائی کمان کے پیش نظر جو مقاصد تھے، سپریم کورٹ نے ان مقاصد کی تکمیل تک اسے جائز اور قانونی قرار دیا تھا اور انتخابات کرانے کے لئے کم سے کم مدت کا حکم صادر کیا تھا نہ کہ فوج کو ''لامحدود مدت'' تک کے لئے اقتدار سنبھالے رکھنے کا جواز مہیا کیا تھا۔ مارشل لاء نافذ کر کے ہم نے ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق انتخابات کرانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت ملٹری ہائی کمان کے ذہن میں یہ بات ہرگز نہیں تھی کہ پارلیمنٹ اور وزیراعظم چیف آف آرمی سٹاف کے انڈر کام کریں گے۔ مارشل لاء نافذ کرنے والی فوج کی ہائی کمان میں، خود میں بھی شامل تھا۔ ہائی کمان نے مارشل لاء محض دوبارہ انتخابات کرانے کے لئے نافذ کیا تھا۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اندازہ تو خود ہائی کمان کو بھی نہیں تھا کہ مارشل لاء اتنا طویل ہو جائے گا۔ کم از کم میرا اس بات پر قطعی یقین تھا کہ ہم ضرورت سے ایک دن بھی زیادہ فوج کو بیرکوں سے باہر نہیں رکھیں گے۔ مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ فوج کی جس ہائی کمان نے کیا تھا۔ اس میں جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ فوج کے اس وقت کے پانچوں کمانڈر شامل تھے۔ آج جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ وہ سب اپنے عہدوں سے ریٹائر ہو چکے ہیں، ان میں سے کوئی بھی حکومت میں شامل نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کے وقت اس کو کئی سال تک طول دینے کا کوئی خیال اگر کسی ذہن میں تھا تو صرف جنرل محمد ضیاء الحق کے ذہن میں ہو سکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ بھٹو نے بھی ہماری طرح یہی سوچا ہو گا کہ فوج ''ٹیک اوور'' کرے گی۔،

Marfat.com

انتخابات کرائے گی اور واپس بیرکوں میں چلی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو نے مارشل کو آنے دیا ہوگا۔

سوال: جنرل صاحب ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ آپ جنرل محمد ضیاء الحق کے دست راست تھے مگر مارشل لاء نافذ کرنے والے جرنیلوں میں سے جو دو جرنیل سب سے پہلے اقتدار سے الگ ہوئے ان میں ایک آپ تھے، آپ کو دوسروں سے پہلے ریٹائر کر دیا گیا۔ کیا ایسا جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ آپ کے بعض اختلافات کے باعث تو نہیں ہوا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ''کاؤنٹر کوپ'' کے ذریعہ خود اقتدار میں آنا چاہتے تھے؟

جواب: یہ غلط ہے، میں جتنا عرصہ فوج مین رہا، ملک اور قوم کا وفادار رہا، میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی جرنیل، جنرل محمد ضیاء الحق کو اس طرح اقتدار سے ہٹاتا ہے تو اس صورت میں وہ جرنیل غداری کا مرتکب ہوگا۔ میرا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ اس وقت پاکستان کی بقاء اس بات میں ہے کہ موجودہ حکومت کو کسی بھی غیر قانونی طریقے سے نہ ہٹایا جائے میں جب تک فوج میں رہا۔ میں نے ایسے عناصر پر کڑی نظر رکھی جو جنرل محمد ضیاء الحق کے اقتدار کو غیر قانونی طریقے سے ختم کرنے کے بارے میں سوچ سکتے تھے۔ اس کی مثال موجود ہے میں دو ہفتے کے لئے کنیڈا گیا، میرے پیچھے جنرل تجمل نے گڑبڑ کی کوشش کر ڈالی۔ اسے حکومت نے سزا بھی دی ہے۔ یہ سزا اسے کس بات پر دی گئی ہے۔ آخر اس نے کچھ تو کیا ہوگا جبھی اسے یہ سزا دی گئی ہے۔ اگر میں پاکستان میں ہوتا تو کس کی جرأت تھی کہ وہ حکومت کی طرف انگلی بھی اٹھا سکتا، اگر کوئی ایسی جسارت کرتا تو میں اس کی ایسی تیسی کر دیتا، مائی کے کسی لال میں یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ میری موجودگی میں پاکستان کی بقاء پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا۔ جو یوں کہتے ہیں کہ میں جنرل ضیاء الحق سے اقتدار چھین کر خود اقتدار میں آنا چاہتا تھا۔ وہ نہ

Marfat.com

میرے بھی خواہ ہیں نہ جنرل محمد ضیاء الحق کے اور نہ ہی اس ملک اور قوم کے، اس قسم کی باتیں ہوئی تھیں۔ بعض لوگوں نے جنرل محمد ضیاء الحق کو جنرل نجیب اور مجھے کرنل جمال ناصر بنا کر پیش کیا تھا۔ بی بی سی سے اس قسم کی خبر بھی نشر ہوگئی تھی، ان دنوں میں فوج میں تھا۔ میں نے خود جنرل محمد ضیاء الحق کے دفتر میں جا کر، ان باتوں کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی تھی اور ان سے سوال کیا تھا آیا وہ ان باتوں سے کیا تاثر لے رہے ہیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے مجھے کہا کہ انہیں میری وفاداری پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ میری ریٹائرمنٹ آئی تو میں نے مدت ملازمت میں توسیع نہیں مانگی۔ انہوں نے از خود مجھے ایکسٹینشن یا ترقی نہیں دی اور جب میری ریٹائرمنٹ کا وقت آیا مجھے ریٹائر کر دیا۔ مجھے جنرل محمد ضیاء الحق سے کبھی بھی کوئی ذاتی پرخاش نہیں رہی۔ میں ان کا ماتحت رہا ہوں۔ ان کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں نے لگی لپٹی سے کبھی کام نہیں لیا۔ خوشامد کبھی نہیں کی اور ان کے ساتھی کی حیثیت سے انہیں یہ ضرور جتلاتا رہا کہ فوج کو اپنا کام نپٹا کر بیرکوں میں واپس جانا چاہئے۔ ہمارے ذاتی اختلافات کوئی نہیں تھے، آج بھی نہیں ہیں لیکن ملک کو کیسے چلانا چاہئے اس بات پر اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن فوج کو کس طرح سے استعمال کرنا چاہئے، اپنے ملک کے لئے اور دوسرے ملکوں کے خلاف، خارجہ پالیسی کیا ہونی چاہئے۔ افغانستان کے ساتھ، ہندوستان کے ساتھ اور دوسرے ممالک کے ساتھ، اہم تقرریوں پر اختلافات ہو سکتے ہیں۔ کس صوبے کا گورنر کسے ہونا چاہئے۔ اس قسم کے اختلافات تھے۔ میں صرف مشورہ دے سکتا تھا۔ ہر فیصلہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو کرنا ہوتا ہے، تمام فیصلے خود جنرل محمد ضیاء الحق کرتے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارے ٹھیک کام میں نے کروائے، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں جو بھی مشورہ دیتا تھا وہ درست ہی ہوتا ہوگا۔ فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ضیاء الحق اگر کام کرنا چاہتے ہیں اور یہ کام میرے خیال میں اگر غلط ہے تو اس صورت میں میرا کام مشورہ

Marfat.com

دینا تو ہوسکتا ہے، میرے مشورے کو ماننا یا نہ ماننا اس بات کا اختیار صرف کمانڈر انچیف کو حاصل ہے۔ اسی قسم کے اختلافات تھے ہمارے یہ تو اب بھی ہوں گے۔ فوج نے ملکی نظم ونسق عارضی طور پر اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔ انتخابات کرانے کے بعد فوج کو اقتدار ملک کے منتخب نمائندوں کے ہاتھوں میں منتقل کر دینا تھا اور میں جب تک فوج میں رہا جنرل ضیاء الحق کو یہی مشورہ دیتا رہا کہ وہ انتخابات کرائیں۔ انہوں نے میرے اس اصولی اختلاف سے میرے متعلق کوئی دوسری رائے قائم کر لی ہو تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کم از کم میرا دل صاف ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے ان کے احکامات بجا لانے میں کبھی بد دیانتی نہیں کی۔ اپنی سوچ اور صلاحیت کے مطابق ان کو کبھی غلط مشورہ نہیں دیا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں جنرل محمد ضیاء الحق کو اقتدار سے الگ کرنا چاہتا تھا وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر مجھے یہی کام کرنا تھا تو یہ کام تو میں اس رات بھی کر سکتا تھا جب میں نے ''اپریشن فیئر پلے'' کی نگرانی کی تھی۔ میں فوج کے ''ٹیک اوور'' کرنے کی کارروائی کا انچارج تھا۔ مجھے جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے ۴ جولائی کی شام ۱۰ بجے ٹیک اوور کرنے کا حکم مل گیا تھا۔ بھٹو کا گھر مجھ سے تین منٹ کے فاصلہ پر تھا اور یہ صرف میں تھا جو پرائم منسٹر ہاؤس میں داخل ہو سکتا تھا۔ کیا میں ذوالفقار علی بھٹو کو جنرل محمد ضیاء الحق کے حکم سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں بھٹو کو جنرل محمد ضیاء الحق اور ہائی کمان کے فیصلے سے آگاہ کر کے یہ پیش کش کرتا کہ میں ان کے اقتدار کو بچا سکتا ہوں تو کیا خیال ہے وہ مجھے جنرل محمد ضیاء الحق کی جگہ افواج پاکستان کا کمانڈر انچیف مقرر کر کے، جنرل ضیاء الحق کی معزولی اور انہیں حراست میں لے لینے کا حکم نہ دیتا؟ میں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ میں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ اس وقت مارشل لاء ملک اور قوم کے وسیع تر مفاد میں لگایا جا رہا تھا۔ میں فوج کی ہائی کمان کے فیصلے سے انحراف کر کے بھٹو سے اپنی ترقی کا سودا کرتا تو یہ فوج سے وفاداری نہ ہوتی۔ ایسا ملک اور قوم سے غداری کے مترادف ہوتا۔ مجھے

Marfat.com

اپنے خون پر ناز ہے، میرا خمیر لائلٹی کی مٹی سے اٹھایا گیا ہے۔ میں نے وہی کیا جو قوم کے مفاد میں تھا۔ میں نے ایک پتا بھی اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیا اور ٹیک اوور کی کاروائی مکمل کر لی۔ جن لوگوں نے مجھے جنرل نجیب کے ساتھ کرنل ناصر کا خطاب دے کر اور اس قسم کا پراپیگنڈہ کر کے کہ میں جنرل محمد ضیاء الحق کو ہٹا کر خود ان کی جگہ لینا چاہتا ہوں۔ میرے اور جنرل ضیاء الحق کے درمیان وفاداری اور اعتماد کی دیوار گرانے کی کوشش کی، ان کو میرا جواب یہ ہے کہ یہ کام ۴ جولائی کی شب اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ میں بھٹو سے سودا کر کے افواج پاکستان کا کمانڈر انچیف مقرر کئے جانے کا تقرر نامہ لیتا، یہ خبر گیارہ بجے کے ریڈیو بلٹن میں نشر ہو جاتی اور اس کے بعد ۵ جولائی کا سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے بھٹو کو راستے سے ہٹا دیتا، میرے لئے یہ صرف چند منٹ کا کام تھا مگر خدا گواہ ہے میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ کسی کو ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔ میرا ضمیر بالکل مطمئن ہے، میں نے فوج کی ملازمت کے دوران آرڈر تسلیم کئے ہیں، ملک اور قوم کے مفاد میں سچی اور کھری بات کہنے سے کبھی نہیں جھجکا، ضمیر کو دبا کر اپنے سنیئرز کی چاپلوسی کبھی نہیں کی۔

سوال: بعض حلقوں کا خیال ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد چوہدری فضل الٰہی مرحوم نے ملک کا صدر رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے جنرل ضیاء الحق کو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ فوج کے ٹیک اوور کے بعد ملک کے سربراہ نہیں رہنا چاہتے مگر آپ نے انہیں اپنے خسر کے ساتھ دوستی کے باعث سربراہ مملکت رہنے پر مجبور کر دیا تھا؟

جواب: اصل بات اس طرح نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ چوہدری فضل الٰہی سربراہ مملکت رہنے کو تیار نہیں تھے۔ انہوں نے جنرل ضیاء الحق سے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ وہ چونکہ پیپلز پارٹی کے آدمی ہیں، پارٹی کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد ان کا عہدۂ صدارت پر چمٹے رہنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔ میں نے ان کے پاس جا کر انہیں صرف اتنی بات سمجھائی تھی کہ وہ پیپلز

Marfat.com

پارٹی کے رکن ضرور رہے ہوں گے مگر اب وہ ملک کے آئینی سربراہ ہیں، ملک کا آئین منسوخ نہیں کیا گیا، محض وقتی طور پر معطل ہوا ہے۔ ۹۰ دن کے اندر اندر انتخابات ہو جائیں گے اور آئین کے مطابق پارلیمنٹ معرض وجود میں آجائے گی اور اس طرح آئین دوبارہ لاگو ہو جائے گا لہٰذا انہیں سربراہ مملکت کے طور پر اپنے منصب پر فائز رہ کر وفاق کی علامت کے طور پر مارشل لاء کے اس عبوری دور میں ملک کے آئینی تسلسل میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ یہ ان کی کمال شفقت تھی کہ انہوں نے میری بات کو توجہ سے سنا اور اسے مان لیا۔

سوال: چشتی صاحب، اگر چوہدری فضل الٰہی صدر رہتے تو کیا اس صورت میں وہ بھٹو کی رحم کی اپیل منظور نہ کر لیتے؟

جواب: وہ ایسا کر سکتے تھے تو پھر انہوں نے صدارت کا منصب کیوں چھوڑا؟

سوال: انہوں نے اپنی مرضی سے تو نہیں چھوڑا؟

جواب: تو پھر ان میں یہ بات کہنے کا حوصلہ ہونا چاہئے تھا کہ انہوں نے کیوں چھوڑا تھا۔ ایک زمانے میں بھٹو خود بھی ان کا لیڈر رہا تھا۔ بھٹو نے انہیں ملک کا صدر بنا کر عزت دی تھی۔ انہیں بھٹو کے لئے سٹینڈ لینا چاہئے تھا۔

سوال: آپ جانتے ہیں کہ وہ کمزور آدمی تھے؟

جواب: اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں۔

سوال: آپ نے بھٹو کے عزت دینے کی بات کی ہے، عزت تو بھٹو نے جنرل ضیاء الحق کو بھی دی تھی؟

جواب: ہاں! یہ بھی ہے۔

سوال: جنرل ٹکا خان کہتے ہیں کہ میں نے بھٹو کو چیف آف آرمی سٹاف کے طور پر ضیاء الحق کا نام تجویز نہیں کیا تھا؟

Marfat.com

جواب: جنرل ٹکا نے ٹھیک کہا ہوگا مگر سوال یہ نہیں ہے کہ جنرل ضیاء الحق کا نام چیف آف آرمی سٹاف کے لئے کسطرف سے آیا تھا۔ جنرل ٹکا کے بعد وہ چیف آف دی آرمی سٹاف بنے اور انہیں خود بھٹو نے چیف آف دی آرمی سٹاف بنایا تھا۔

سوال: اگر جولائی ۱۹۷۷ء میں کور کمانڈروں میں سے کوئی دوسرا شخص چیف آف دی آرمی سٹاف ہوتا تو کیا اس صورت میں بھی ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء قوم کا مقدر ہوتا؟

جواب: مارشل لاء ہمیشہ دو طرح سے لگتا ہے، یا تو ارادتاً لگایا جاتا ہے یا نتیجتاً لگتا ہے۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء نتیجتاً آ رہا تھا تو ضرور آ کر ہی رہتا البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صورت میں مارشل لاء کو غیر معمولی طوالت دی جاتی۔

سوال: بعض حلقوں کا خیال ہے کہ کور کمانڈروں میں ملک سے مارشل لاء لگانے کے سب سے زیادہ آپ آرزومند تھے۔ آپ جنرل ضیاء الحق کے سب سے زیادہ قریب کے آدمی تھے اور انہی حلقوں کا یہ بھی خیال ہے کہ دراصل آپ جنرل نجیب کے ساتھ جنرل ناصر کا کردار ادا کر کے خود برسر اقتدار آنا چاہتے تھے؟

جواب: آپ کے سوال کے پہلے حصے کا جواب یہ ہے کہ ملک میں مارشل لاء لگنے سے میری ذاتی دلچسپی کوئی نہیں تھی۔ فوج کی ہائی کمان نے ملک کے اس وقت کے حالات کے پیش نظر ملک اور قوم کے وسیع تر مفاد میں ایک فیصلہ کیا تھا اور میں اس فیصلے میں دوسروں کے ساتھ برابر کا شریک تھا۔ آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا جواب میں پہلے ہی آپ کے ایک سوال کے جواب میں دے چکا ہوں۔ میرا جواب پھر وہی ہے کہ میرے اپنے کوئی عزائم نہیں تھے۔ اس قسم کی افواہیں جس مقصد کے لئے پھیلائی گئی تھیں اس وقت میں اسے نہیں سمجھ سکا تھا البتہ بعد کے حالات میں میرے خلاف جس جس طرح سے افواہیں پھیلائی گئیں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مجھے جس طرح پیش کیا گیا اور جس طریقے سے مجھے ترقی کی بجائے

Marfat.com

ریٹائرمنٹ دی گئی اس کے بعد یہ بات اب میرے لئے کوئی لاینحل سوال نہیں رہ گئی ہے کہ مجھ کو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے انقلاب میں جنرل نجیب کے ساتھ جنرل ناصر کہنے والے کون تھے اور ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر کچھ لوگ یہ الزام لگاتے ہیں تو وہ یہ بھی یقیناً جانتے ہوں گے کہ نجیب اور ناصر میں سے صرف ایک ہی آگے آتا ہے جس کے عزائم ہوں وہ آگے آجاتا ہے۔ عزائم کس کے تھے، کیا تھے؟ یہ بات اظہر من الشمس ہے۔

سوال: راؤ رشید نے اپنے انٹرویوز پر مشتمل کتاب میں لکھا ہے کہ راولپنڈی میں فوج اکٹھی کرنے کا مشورہ وزیراعظم بھٹو کو جنرل ضیاء الحق اور ان کے کور کمانڈروں نے دیا تھا؟

جواب: راؤ رشید نے تو اپنی اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ سنٹرل گورنمنٹ کی ایک میٹنگ ہو رہی تھی جب جنرل چشتی زبردستی وہاں میٹنگ میں آکر بیٹھ گئے تھے، کیا آپ کی عقل اسے مانتی ہے کہ سنٹرل گورنمنٹ کی میٹنگ ہو رہی ہو اور ایک ماتحت افسر خود بخود جا کر وہاں بیٹھ جائے۔ میں اس میٹنگ میں گیا ضرور تھا مگر خود بخود والی بات ممکن نہیں تھی۔ میں فوج کا ملازم تھا کسی کے حکم کے بغیر وہاں کیسے جا سکتا تھا۔ فوج کے افسر اتنے بے لگام تو نہیں ہوتے کہ منہ اٹھا کر کسی بھی جگہ جا پہنچیں۔ کوئی نظم وضبط اور کوئی قاعدہ قانون ہوتا ہے۔

سوال: گویا آپ کو وہاں جانے کا آرڈر تھا؟

جواب: وہ تو تھا مگر میرا خیال ہے آپ اس سلسلہ میں تھوڑی سی معلومات حاصل کر لیں۔ سنٹرل گورنمنٹ کا سیکرٹری اور فوج کا لیفٹننٹ جنرل دونوں ۲۲ گریڈ کے ملازم ہوتے ہیں مگر order of precedence میں سیکرٹری کا مقام لیفٹننٹ جنرل سے پہلے آتا ہے، اب بات کو یوں سمجھ لیجئے کہ سنٹرل گورنمنٹ کی میٹنگ ہو رہی ہے اور سیکرٹری میٹنگ کی صدارت کر رہا ہے۔ کیا اس میٹنگ میں کوئی لیفٹننٹ جنرل خود بخود جا کر بیٹھ سکتا ہے۔ یہ احمقانہ بات ہے، میں لیفٹننٹ جنرل تھا، کور کمانڈر تھا۔ مجھے میرا چیف آف دی آرمی سٹاف

Marfat.com

حکم دیتا ہے کہ وزارت داخلہ میں سنٹرل گورنمنٹ کے نمائندوں کی لاء اینڈ آرڈر کے ایشو پر میٹنگ ہو رہی ہے۔ آپ ان کو جا کر اٹنڈ کریں۔ اگر ان کو سول کی مدد کے لئے فوج کی ضرورت ہو تو آپ انہیں بتائیں کہ ہم اس کے لئے تیار ہیں۔

سوال: چشتی صاحب اس بات میں کہاں تک صداقت ہے کہ مارشل لاء محض اس لئے لگا کہ سابق وزیراعظم بھٹو نے جنرل ضیاء الحق اور بعض دوسرے جرنیلوں کو فوج سے الگ کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ اقدام اٹھاتے آپ لوگوں نے اپریشن فیئر پلے کی کاروائی مکمل کر لی؟

جواب: اس قسم کی کوئی بات نہیں۔

سوال: جنرل ضیاء الحق نے ایک ڈائجسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ بھٹو نے انہیں تین مرتبہ اقتدار سے الگ کرنے کی کوشش کی تھی؟

جواب: ممکن ہے جنرل ضیاء الحق کو اس سلسلہ میں کوئی اطلاع ہو۔ انہوں نے ہم سے اس کا تذکرہ کبھی نہیں کیا (طویل خاموشی کے بعد) بھٹو وزیراعظم کی حیثیت سے بااختیار تھے۔ انہیں کوشش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جب چاہتے جنرل ضیاء الحق کی جگہ نیا آدمی لا سکتے تھے۔

سوال: اس بات میں کہاں تک صداقت ہے کہ فوج نے اپریشن فیئر پلے کی باقاعدہ ریہرسل کی تھی؟

جواب: اگر ریہرسل کرتے تو آپ کا کیا خیال ہے بھٹو کو اس کی اطلاع نہ مل جاتی اور کیا وہ اپریشن فیئر پلے کی نوبت آنے دیتا۔

سوال: بعض حلقوں کا خیال ہے کہ پی این اے کے لانگ مارچ کو ناکام بنانے کے بہانے راولپنڈی اسلام آباد میں فوج جمع کر لی گئی تھی، دراصل اس وقت فوج کی ہائی کمان مارشل لاء

Marfat.com

نافذ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی؟

جواب: لانگ مارچ کو روکنے کے لئے راولپنڈی میں فوج کس کے حکم پر جمع کی گئی تھی؟

سوال: ظاہر ہے جنرل ضیاء الحق کے اشارے پر؟

جواب: نہیں! بلکہ یہ سب وزیراعظم کی ہدایت پر ہوا تھا۔ فوج کو راولپنڈی میں جمع کرنے کا بہانہ خود وزیراعظم کیا تھا۔ وزیراعظم نے آرمی چیف کو ہدایت کی تھی کہ لانگ مارچ کے دو دن کوئی ایک آدمی بھی پرائم منسٹر ہاؤس تک نہیں پہنچنا چاہیئے۔

سوال: غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب کہتے ہیں کہ بھٹو کو مارشل لاء کے نفاذ کا گماں تک نہیں تھا۔ انہیں آخری وقت تک جنرل ضیاء الحق پر مکمل اعتماد رہا تھا؟

جواب: بھٹو کو جنرل ضیاء الحق پر یقیناً آخری وقت تک مکمل اعتماد رہا ہوگا۔ اگر انہیں ضیاء الحق پر مکمل اعتماد نہ ہوتا تو وہ یقیناً اپنے عہدے پر قائم نہ رہ سکتے۔

سوال: چشتی صاحب، بھٹو صاحب ایک زیرک انسان تھے اور باخبر وزیراعظم بھی مگر حیرت ہے کہ اپریشن فیئر پلے سے پہلے انہیں آخری لمحے تک جنرل ضیاء الحق پر اس قدر اعتماد رہا غالباً اس کی وجہ یہ تو نہیں تھی کہ ملٹری ہائی کمان نے انٹر سروسز انٹیلی جنس اور ڈائریکٹریٹ آف انٹیلی جنس بیورو دونوں کو اعتماد میں لے لیا ہوگا؟

جواب: میں اس سلسلہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

سوال: آپ اس وقت ملٹری ہوئی کمان میں شامل تھے اور یہ بات بھی آپ کے علم میں ہے کہ اس وقت کے انٹر سروسز انٹیلی جنس کے سربراہ لیفٹننٹ جنرل غلام جیلانی کو بعد میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت میں بہت زیادہ عمل دخل بھی رہا۔ وہ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے کے ایک طویل عرصہ تک گورنر رہے۔

جواب: اگر ایسا سوچتے ہیں کہ مارشل لاء کے نفاذ کے وقت آئی ایس آئی کے اس وقت کے

Marfat.com

سربراہ نے بھٹو کو مارشل لاء کے نفاذ سے بے خبر رکھا تو میں اس سلسلہ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے آئی ایس آئی کو کوئی اشارہ مل گیا ہو اور اس نے بھٹو کو اطلاع دینے کی بجائے چیف آف آرمی سٹاف کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر ان کی پیشگی خوشنودی حاصل کر لی ہو۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ لیفٹننٹ جنرل جیلانی نے کبھی کسی جنگ میں کمانڈ نہیں کی تھی، پھر ان کی لیفٹننٹ جنرل کے عہدے تک ترقی کا راز کیا تھا؟

جواب: انہیں اس عہدے تک کس نے پہنچایا، یہ گناہ بھی تو بھٹو سے سرزد ہوا تھا۔ ایک ایسا شخص جو کسی عہدے کے لئے نااہل سمجھا جاتا ہے، اسے جب سفارشی ترقی دی جائے تو اس کا کچھ نہ کچھ مقصد ضرور ہوتا ہے، یقیناً جیلانی کو ترقی دینے میں بھٹو کا مقصد پوشیدہ ضرور ہوگا۔

سوال: شاید وہ جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر انہیں جنرل ضیاء الحق کی جگہ چیف آف آرمی سٹاف بنانا چاہتے ہوں؟

جواب: (قہقہہ لگاتے ہوئے) خیر بھٹو اتنے بھی مردم ناشناس نہیں تھے۔ پھر کہا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب تک ایک بااختیار شخص کسی نااہل آدمی کو بڑے رتبے تک لے جاتا ہے تو کیا یہ منصبی بددیانتی نہیں ہے۔ جیلانی کا شمار آرمی کے گڈ کیپٹنز میں کبھی نہیں کیا گیا مگر اس کے باوجود وہ لیفٹننٹ جنرل کے عہدے تک پہنچے تو میرے بھائی انہیں اس منصب پر پہنچانے والوں کو اپنے اس شاہکار کے ہاتھوں کچھ تو سزا ملنی ہی چاہئے تھی ناں۔ بھٹو صاحب بادشاہ آدمی تھے، وہ کسی کو کچھ بھی بنا سکتے تھے مگر شاید انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ جرنیل ایک دن میں نہیں بنائے جاتے، آپ کسی بھی شخص کو حلف دے کر ایک دن میں، ایک گھنٹے میں وزیر تو بنا سکتے ہیں، کسی شخص کو لیفٹننٹ جنرل یا جنرل کی وردی پہنا کر جرنیل نہیں بنا سکتے۔

سوال: چشتی صاحب، آپ کہتے ہیں کہ میں نے جنرل ضیاء الحق کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی نہ دیں، یہ بات آپ نے ان سے کب کہی تھی، کس حیثیت میں کہی

Marfat.com

تھی؟

جواب: جب بھٹو کی پھانسی کا معاملہ کیبنٹ کے بعد فوجی کونسل میں زیر بحث آیا تو ظاہر ہے کہ میں فوجی کونسل کا رکن تھا۔ مین وہاں پر یہ موَقف اختیار کیا تھا کہ مارشل لاء حکومت کو بھٹو کی پھانسی کے فیصلے پر رحم کی اپیل آئندہ سول حکومت پر چھوڑ دینی چاہئے۔ اس پر عملدرآمد نہیں کرنا چاہئے، فوجی کونسل کے بعد یہ معاملہ کور کمانڈرز کی میٹنگ میں بھی زیر بحث آیا تھا۔ کور کمانڈرز نے اس سلسلہ میں باہم صلاح مشورہ کیا تھا۔ میرا موَقف وہاں بھی یہی تھا کہ مارشل لاء حکام کو بھٹو کی پھانسی پر عملدرآمد نہیں کروانا چاہئے۔

سوال: راولپنڈی سنٹرل جیل میں بھٹو پر تشدد کا جو الزام لگایا جاتا ہے اس سلسلہ میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: میرا خیال ہے اس طرح کی گری ہوئی حرکت کوئی نہیں کر سکتا تھا، ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، اگر ہوئی تھی تو یقین کیجئے مجھے اس کا آج تک کوئی علم نہیں ہے۔ سامنے کی بات ہے کہ جو شخص اپریشن فیئر پلے کا انچارج تھا اپریشن فیئر پلے کا کارنامہ سرانجام دینے کے بعد اس پر کم از کم بھٹو پر تشدد کا یا بھٹو کے قتل کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: بعض حلقوں کی طرف سے یہ الزام براہ راست آپ پر لگایا جاتا ہے؟

جواب: سوال یہ ہے کہ مجھ پر اس قسم کا الزام کس حلقے کی طرف سے لگایا جاتا ہے۔ کیا یہ الزام پیپلز پارٹی والے لگاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، تو پھر کون ہو سکتا ہے؟ کیا حکومتی حلقے؟ شاید حکومت میں کچھ لوگ یہ چاہتے ہوں، آپ سوال کریں گے کہ پیپلز پارٹی والے مجھ پر یہ الزام کیوں نہیں لگا سکتے، میرا جواب یہ ہے کہ پیپلز پارٹی ایک بہت بڑی سیاسی جماعت ہے۔ اس پارٹی کے یقیناً اپنے ذرائع ابلاغ ہوں گے انہیں یقیناً معلوم ہوگا کہ بھٹو پر تشدد ہوا تھا یا نہیں۔ اگر ہوا تھا تو تشدد کرنے والے ہاتھ کس کے تھے۔ وہ

Marfat.com

میرے ہاتھ یقیناً نہیں تھے کہ بھٹو کی پھانسی سے چند روز پہلے گلگت میں تھا اور بھٹو کی پھانسی کی اطلاع مجھے واپسی کے سفر میں طیارے کے اندر میرے پائلٹ نے سنائی تھی۔

سوال: چشتی صاحب، کیا آپ کو پیپلز پارٹی کی طرف سے کسی انتقامی کاروائی کا اندیشہ نہیں ہے؟

جواب: میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہوگا تو میرے خلاف انتقامی کاروائی کیوں کریں گے، اگر میں پیپلز پارٹی کی ہٹ لسٹ پر ہوتا تو کیا خیال ہے وہ آج سے چھ سال پہلے ہی مجھے اس کی بھینٹ نہ چڑھا چکے ہوتے۔ کیا پیپلز پارٹی کی قیادت کو آپ اتنا ہی نا اہل سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے ٹارگٹ کا بھی علم نہ ہو۔ بھٹو کے ساتھ کس نے کیا کیا وہ یہ سب جانتے ہیں اور وہ یہ بھی یقیناً جانتے ہوں گے کہ ملٹری کونسل میں بھٹو کی پھانسی پر میں نے اپنے ساتھیوں سے کیا اختلاف کیا تھا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء کا نفاذ میرے خیال میں ناگزیر ہو چکا تھا اور ملٹری ہائی کمان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔ میں چیف آف آرمی سٹاف کے حکم کا پابند تھا۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔

سوال: چشتی صاحب، بعض حلقوں کی طرف سے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ جیل میں پھانسی کی رات سابق وزیر اعظم پر تشدد ہوا۔ اس سلسلہ میں یہ افواہ پھیلی تھی کہ تشدد آپ نے کیا، آپ نے اس قسم کے واقعہ میں ملوث ہونے کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے، پھر سوال یہ ہے کہ تشدد کی یہ افواہ کیوں پھیلی۔ کس نے پھیلائی اور اس کا مقصد کیا تھا؟

جواب: بھٹو کو ۳ اور ۴ اپریل کی درمیانی رات پھانسی دی گئی۔ پھانسی دینے سے ایک رات پہلے تک پوری قوم بھٹو کی پھانسی کے متعلق بے یقینی کا شکار تھی، ۴ اپریل کو پھانسی دی گئی اور اس روز بھٹو پر تشدد کی افواہیں پھیلا دی گئیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ افواہ کس نے پھیلائی، کیا پیپلز پارٹی نے؟ ۔مگر نہیں، پیپلز پارٹی کو ۴ اپریل سے پہلے یہ علم نہیں تھا کہ بھٹو کو ۴ اپریل کو پھانسی

Marfat.com

دی جائے گی، اگر انہیں بھٹو کی پھانسی کا یقین نہیں تھا تو انہیں یہ افواہ پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر یہ خبر کس نے پھیلائی کہ جنرل چشتی نے پنڈی جیل میں جا کر بھٹو پر تشدد کیا۔ بھٹو کو ۴ اپریل کو پھانسی ہوگی یا نہیں، اس بات کا کس کو یقین ہو سکتا تھا۔ عوامی حلقوں کو تو ہرگز یہ معلوم نہ تھا، صرف حکومت کے کرتا دھرتا افراد کو ہی اس کا علم ہو سکتا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ بھٹو پر تشدد کی خبر باقاعدہ پلاننگ کے تحت پھیلائی گئی تھی اور پلاننگ کا وقت صرف انہی لوگوں کے پاس تھا جن کو معلوم تھا کہ بھٹو کو پھانسی دی جا رہی ہے۔ یہ خبر پھیلانے کے کیا مقاصد تھے۔ اگر ایک خبر پھیلائی جاتی ہے تو یقیناً اس کے کچھ مقاصد بھی ہوں گے اور وہ مقاصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتے تھے کہ یہ خبر پھیلانے والے جنرل چشتی کو بدنام کرانا چاہتے تھے۔ کچھ لوگ یقیناً یہ چاہتے تھے کہ بھٹو کی پھانسی کے بعد عوام کے غم و غصے کا رخ جنرل چشتی کی طرف موڑ دیا جائے، شاید وہ لوگ کسی حد تک اس میں کامیاب بھی رہے تھے۔ اگر جنرل چشتی اس روز راولپنڈی میں ہوتا تو اس کا مکو ٹھپ دیا گیا تھا ناں! یہ جنرل چشتی کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بھٹو کی پھانسی سے چند روز پہلے سے راولپنڈی سے باہر تھا۔ جس روز بھٹو کو پھانسی دی گئی میں گلگت میں تھا۔ مجھے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی طرف سے بار بار یہ پیغام ملا کہ میں گلگت سے فی الفور راولپنڈی واپس پہنچوں۔ مجھے ہر حال میں ۲ اپریل کو راولپنڈی پہنچنے کو کہا گیا، پھر ۳ اپریل کو پہنچنے کے لئے کہا گیا، میں سمجھتا ہوں کچھ لوگ بھٹو کی پھانسی کے وقت میری راولپنڈی میں موجودگی چاہتے تھے اور یہ وہی لوگ ہو سکتے تھے جنہوں نے جیل میں بھٹو پر تشدد کی خبر پھیلانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ میں نے گلگت سے ۲ اپریل کو راولپنڈی پہنچنے سے معذوری ظاہر کی تھی البتہ ۳ اپریل کو پہنچ جانے کی یقین دہانی کرائی تھی مگر میں عمداً ۳ اپریل کو بھی راولپنڈی واپس نہیں آیا۔ میں ۴ اپریل کو راولپنڈی واپس آیا تھا اور بھٹو کی پھانسی کی خبر مجھے ہوائی جہاز میں، جہاز کے پائلٹ نے دی تھی۔ آج جب میں اپنے خلاف بنائی گئی اس

Marfat.com

سازش کی کڑیاں ملاتا ہوں تو مجھے بعض حلقوں کی طرف سے کی گئی اس قیاس آرائی میں صداقت دکھائی دیتی ہے کہ بھٹو کو پھانسی دینے کا پروگرام پہلے ۱۳ اپریل کی رات کا تھا مگر بوجوہ اسے ۲۴ گھنٹے کے لئے مؤخر کر دیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ۱۲ اپریل کو راولپنڈی میں ہوتا تو بھٹو کو ۱۳ اپریل کی رات پھانسی دے دی جاتی۔ انہوں نے راولپنڈی میں میری موجودگی ثابت کرنے کے لئے بھٹو کی پھانسی کو ۲۴ گھنٹے مؤخر کر دیا مگر میں پھر بھی راولپنڈی نہیں پہنچا تو مجبوراً انہیں اپنے پروگرام کے مطابق بھٹو کو پھانسی دینا پڑی اور اس طرح میرے خلاف بنی ہوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکی۔

سوال: اگر آپ کے خلاف پھیلائی گئی یہ افواہ کسی سازش کا حصہ تھی تو سوال یہ ہے کہ آپ نے اس سازش کو کس طرح ناکام بنایا؟

جواب: مجھے میرے اللہ نے بچایا، میرے خدا نے میرے بعض کرمفرماؤں کے ذریعہ مجھ تک اس سازش کا خاکہ پہنچا دیا تھا اور میرے ان بہی خواہوں نے مجھے یہ تلقین کر دی تھی کہ بھٹو کی پھانسی کے دن مجھے راولپنڈی میں نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے گلگت میں اپنے پروگرام کو بلاجواز طویل کر کے خود راولپنڈی سے باہر رکھا اور اپنے خلاف بنائی گئی سازش کو ناکام کر دیا۔

سوال: کیا آپ نے آج تک بیگم نصرت بھٹو یا مس بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی کوئی کوشش نہیں کی؟

جواب: نہیں، میں نے آج تک ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ ملاقات کی کوشش نہیں کی۔

سوال: اگر آپ کو پیپلز پارٹی میں شمولیت کی دعوت دی جائے تو؟

جواب: مجھے مستقبل میں سیاست کرنی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سیاست کرنے کے لئے کسی بھی پلیٹ فارم کا انتخاب کیا جا سکتا ہے، نئی سیاسی پارٹی بھی بنائی جا سکتی ہے جو لوگ سیاست کے تقاضوں کو سمجھتے ہیں وہ حالات کے مطابق بہتر فیصلے کرنے کے اہل ہوتے

Marfat.com

ہیں اور ایسے لوگ اپنے سیاسی رویوں میں لچک رکھتے ہیں۔

سوال: کیا آپ موجودہ حالات میں از خود مس بے نظیر بھٹو سے ملنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے؟

جواب: سیاست میں کیا نہیں ہوتا۔ بھٹو نیپ پر پابندی لگا کر اس کے لیڈروں کو حیدر آباد سازش کیس میں ملوث کرتے ہیں اور کالعدم نیپ کے یہی لیڈر این ڈی پی اور پی این پی کے نئے ناموں سے ایم آر ڈی میں ہراول دستے کا کردار ادا کر کے مس بے نظیر بھٹو کی سیاست کے لئے راستہ ہموار کرتے ہیں تو ضرورت محسوس ہونے پر میں مس بے نظیر کے قافلۂ جمہوریت کو لبیک کیوں نہیں کہہ سکتا۔ میں نے پی این اے کی تحریک کے دوران اپنی حیثیت میں رہ کر ملٹری ہائی کمان میں سے سب سے زیادہ بھٹو صاحب کو نئے انتخابات میں چلے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ بات راؤ رشید نے اپنے انٹرویو میں ایک دوسرے انداز میں تسلیم کی ہے۔ مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ کرنے والی ملٹری ہائی کمان میں سے، میں نے سب سے پہلے جنرل ضیاء الحق کو انتخابات میں جانے کے لئے کہا، ان پر ہر ممکن دباؤ ڈالا کہ وہ قوم سے کئے گئے وعدے کے مطابق انتخابات کروائیں اور فوج کو واپس بیرکوں میں جانے دیں۔ اگر آپ بھٹو کے زوال کے اسباب تک پہنچنے کی مخلصانہ کوشش کریں گے تو آپ جان لیں گے کہ انہیں ری الیکشن میں جانے سے روکا۔ جو لوگ ان کو ری الیکشن میں جانے کا مشورہ دیتے رہے تھے، وہ ان کے دوست تھے۔ بھٹو کی پوری کابینہ میں صرف مولانا کوثر نیازی نے بھٹو کو یہ صحیح مشورہ دیا تھا اور جب ایک مرحلے پر بھٹو نے میری رائے معلوم کرنا چاہی تھی تو ان کو یہی جواب میرا بھی تھا۔ اگر قومی مفاد میں مجھے مس بے نظیر سے ملنا پڑا یا انہوں نے کبھی مجھ سے ملاقات کی ضرورت محسوس کی تو کم از کم میری طرف سے اسے انا کا مسئلہ نہیں سمجھا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مصطفیٰ کھر خوش فہمی میں مارا گیا

حوالہ اشاعت ..... مون ڈائجسٹ سالنامہ اکتوبر ۱۹۸۶ء

انٹرویو لینے والے ..... جناب ادیب جاودانی، ایڈیٹر مون ڈائجسٹ

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کو اقتدار سے الگ کر کے جب مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آیا تو جنرل محمد ضیاء الحق کے بعد جو نمایاں شخصیت ابھر کر سامنے آئی، وہ جنرل چشتی کی شخصیت تھی۔ پھر فوجی حکومت کے سیاسی عمل میں ان کے غیر معمولی کردار نے انہیں اخبارات میں مزید نمایاں کر دیا۔ لندن میں غلام مصطفیٰ کھر سے ان کی ملاقاتوں کا ذکر بھی بڑے اہتمام کے ساتھ منظر عام پر آتا رہا ہے۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر کی وطن واپسی اور ان کی گرفتاری کے بعد جنرل چشتی کیا کہتے ہیں، یہ جاننے کے لئے ہمارے ملک کا ہر شہری بے چین اور بے قرار ہو گا۔ اس سلسلے میں حال ہی میں راولپنڈی میں جنرل چشتی سے ایک ملاقات کی گئی۔ مون ڈائجسٹ کے سوالات اور جنرل چشتی کے چونکا دینے والے جوابات نذرِ قارئین ہیں۔

اہم نکات

☆ غلام مصطفیٰ کھر کا کیا بنے گا؟

☆ فیض علی چشتی کی کھری کھری باتیں

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شائع شدہ مکمل روداد

ادیب جاودانی: میں آپ سے ملک غلام مصطفیٰ کھر کے بارے میں کچھ سوالات کے جوابات چاہوں گا۔ بھٹو مرحوم کی گرفتاری کے بعد ملک غلام مصطفیٰ کھر بیرون ملک چلے گئے تھے۔ ہمارے ہاں اس وقت سے یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ مسٹر کھر حکومت کو چکمہ دے کر گئے تھے کہ وہ بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن کے درمیان ہونے والی ایک خفیہ گفتگو کے کیسٹ حکومت کو لا کر دیں گے۔ آپ اس وقت فوجی حکومت کے ایک اہم رکن تھے۔ کیا یہ تاثر صحیح ہے؟

جنرل چشتی: کھر کے بارے میں جو مجھے معلوم ہوگا، وہ بتا دوں گا۔ جس بات کا علم نہیں ہوگا، نہیں بتاؤں گا۔ میرے خیال میں حکومت کو دھوکا دینے کا تاثر صحیح نہیں۔ جرنیل اتنے سادہ بھی نہیں ہوتے کہ کسی چکمے یا چکر میں آ کر کسی اہم سیاسی شخصیت کو بھاگ جانے کا موقع دے دیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ غلام مصطفیٰ کھر کے جانے کے ایک عرصہ بعد اس کے بیوی بچے لندن گئے تھے۔ اگر کھر نے حکومت کو دھوکا دیا ہوتا تو حکومت ان کے بیوی بچوں کو بیرون ملک جانے سے روک سکتی تھی۔ میرے خیال میں یہ سب باتیں غلط ہیں۔ البتہ میں اس ضمن میں ٹھوس یا یقینی بات اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ کھر کو میں نے باہر نہیں بھیجا تھا۔ فوجی حکومت کے دوران کسی کو باہر بھیجنے کا معاملہ وزارت داخلہ، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے متعلق ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اسے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب یا وزارت داخلہ نے باہر جانے کی اجازت دی ہوگی۔ وہ کوئی چوری تو یہاں سے بھاگ کر گیا نہیں تھا۔

ادیب جاودانی: گزشتہ کئی سال پہلے آپ کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ آپ نے لندن میں ملک غلام مصطفیٰ کھر سے ملاقات کی تھی اور اس کی رپورٹ اس وقت کے چیف

Marfat.com

مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کو دی تھی۔ یہ رپورٹ کیا تھی؟

جنرل چشتی: میں پاکستانی سفارت خانے میں دو بار ملک غلام مصطفیٰ کھر سے ملا ہوں۔ میں ۱۹۷۸ء میں غیر ملکی دورے پر گیا تھا۔ ہر وزیر کی طرح میں نے بھی اپنی رپورٹ جنرل محمد ضیاء الحق کو پیش کی تھی۔ اس میں بتایا تھا کہ میں کہاں کہاں گیا تھا، کس سے ملا تھا، کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے جنرل ضیاء الحق کو کھر سے ملاقات کی مکمل رپورٹ پیش کی تھی۔ اب ملک غلام مصطفیٰ کھر جیل میں ہیں۔ انہیں کچھ مقدمات میں سزا ہو چکی ہے اور کئی مقدمات ابھی ملتوی پڑے ہیں۔ اس صورت حال میں یہ نہیں بتا سکوں گا کہ اس ملاقات میں کیا گفتگو ہوئی تھی۔

ادیب جاودانی: آپ نے ان سے یہ تو پوچھا ہو گا کہ وہ کیسٹ کیوں مہیا نہیں کر رہے اور ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف دستاویزات حکومت کو کیوں فراہم نہیں کر رہے؟

جنرل چشتی: نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ایسی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی..... یہ سب کہانیاں ہیں۔ کھر نے حکومت کو کوئی چکمہ نہیں دیا تھا۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مارشل لاء حکام اتنے سادہ بھی نہیں ہوتے کہ چکر میں آ جائیں۔

ادیب جاودانی: ملک غلام مصطفیٰ کھر کے ساتھ آپ نے قومی امور اور ملکی معاملات پر تبادلہ خیال کیا ہو گا؟

جنرل چشتی: ظاہر ہے دو تین گھنٹے کی ملاقات میں بہت سی باتیں ہوئی تھیں۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر صوبہ پنجاب کے گورنر رہے ہیں، ایک اہم سیاسی پارٹی کے لیڈر رہے ہیں۔ ان سے قومی امور پر بات ہو سکتی ہے۔ ان سے جلاوطنی اور وطن واپسی کے سلسلے میں بات ہوئی ہو گی مگر جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، موجودہ صورت حال میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ جنرل ضیاء الحق کو جو رپورٹ میں نے دی تھی، وہ بڑی اہم رپورٹ تھی۔ یہ رپورٹ

Marfat.com

ریکارڈ میں ہوگی۔ میرے پاس اس کی کوئی نقل نہیں۔ دیانتداری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ میں سرکاری کاغذات کی نقل اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔

ادیب جاودانی: آپ نے ملک غلام مصطفیٰ کھر سے ملاقاتیں کی ہیں۔ آپ کے خیال میں اب ان کا سیاسی مستقبل کیا ہوگا؟ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ موجودہ حکومت سے معاہدہ کر کے وطن واپس آئے ہیں جبکہ دوسری طرف حال ہی میں ان کے خلاف لیاقت باغ فائرنگ کیس کی ایف آئی آر بھی درج ہو چکی ہے اور عام لوگوں کے خیال میں ملک غلام مصطفیٰ کھر کی رہائی ممکن نظر نہیں آتی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کھر خوش فہمی میں مارا گیا ہو؟

جنرل چشتی: دیکھئے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا کیا بنے گا۔ پاکستان میں سب کچھ ہوتا آیا ہے۔ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی معاہدے کی روشنی میں ہی پاکستان واپس آئے ہوں۔ جہاں تک میرا خیال ہے..... ملک غلام مصطفیٰ کھر کو وطن واپس آنے کا مشورہ کسی نادان دوست نے دیا ہوگا اور وہ کسی خوش فہمی میں مارا گیا ہے۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو بھی خوش فہمی تھی کہ اسے پھانسی کی سزا نہیں ملے گی حتیٰ کہ جب اسے سزائے موت کا حکم ہو چکا تو وہ اس حکم کو بھی تمسخرانہ انداز میں لیا کرتا تھا۔ بھٹو کا خیال یہ تھا کہ اُسے عوام کی بے پناہ حمایت حاصل ہے اور اس کی پھانسی کی سزا کے خلاف پورا ملک اٹھ کھڑا ہوگا۔ اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر اس خوش فہمی میں مبتلاء ہوں کہ پورا پنجاب ان کے ساتھ ہے اور ان کی رہائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا۔ اسے کھر کی خوش فہمی ہی کہا جا سکتا ہے۔

ادیب جاودانی: ملک غلام مصطفیٰ کھر کئی بات یہ کہہ چکے ہیں کہ مارشل لاء حکام انہیں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے ملک سے بھاگنا پسند کیا اور اپنے محسن کے خلاف استعمال نہیں ہوئے۔ آپ بھی اس وقت فوجی حکومت میں

Marfat.com

شامل تھے، کیا آپ بتائیں گے کہ ان کے اس دعوے میں کہاں تک حقیقت ہے؟

جنرل چشتی: اس کا صحیح جواب تو ملک غلام مصطفیٰ کھر ہی دے سکتے ہیں۔ انہیں ان مارشل لاء حکام کا نام لینا چاہئے جو انہیں استعمال کرنا چاہتے تھے اور جن معاملات میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان معاملات کی تفصیل بھی بتانی چاہئے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں فوجی حکومت میں فوج کا ملازم ہونے کی وجہ سے وزیر تھا۔ مجھے اپنی وزارت کے لئے ملک غلام مصطفیٰ کھر کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اب رہی یہ بات کہ جنرل چشتی کا نام آتا ہے تو اسے پھنسا دو اور بدنام کرو تو یہ الگ بات ہے۔ میں نے کبھی ملک غلام مصطفیٰ کھر کو کسی کے خلاف استعمال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کا جواب تو اس وقت کے فوجی حکمران جنرل محمد ضیاء الحق ہی دے سکتے ہیں، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں کون ہوتا ہوں کہ کھر کو کسی کے خلاف استعمال کرنے والا۔ مجھے کھر کو بھٹو کے خلاف استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کیا مارشل لاء لگانے میں خود وزیراعظم بھٹو کا اشارہ موجود تھا؟

حوالہ اشاعت ..... مون ڈائجسٹ سالنامہ جولائی ۱۹۸۷ء

انٹرویو لینے والے ..... جناب ادیب جاودانی، ایڈیٹر مون ڈائجسٹ

انٹرویو لینے والوں کا پیش لفظ

یوں تو قوموں کی تاریخ جرنیلوں کے تذکرے کے بغیر کبھی بھی ممکن نہیں ہوتی مگر پاکستان کی تاریخ میں بعض جرنیلوں کا نام اس لئے تاریخ کا حصہ بن گیا ہے کہ ان جرنیلوں کے بعض ''کارناموں'' نے ملک کی سیاسی تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ وطن عزیز کے جن جرنیلوں کا تذکرہ ان کے سیاسی کردار کے باعث ہمیشہ تاریخ کے صفحات میں موجود رہے گا ان میں ایک نام لیفٹننٹ جنرل (ر) فیض علی چشتی کا بھی ہے۔ جنرل چشتی کا نام ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ملک کے سیاسی حلقوں کا موضوع گفتگو بنا تھا۔ وہ ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب ملک میں آنے والی فوجی انقلاب میں ''آپریشن فیئر پلے'' کے انچارج تھے۔ یہ وہی تھے جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو جیسے ذہین وزیراعظم کی حکومت کا تختہ الٹا اور کسی خون خرابے کے بغیر انہیں اقتدار سے ہٹا کر فوجی انقلاب کو کامیاب کرایا۔ وہ اس وقت کور کمانڈر ۱۰ کور تھے اور انہیں عام طور پر فوج کا مرد آہن سمجھا جاتا تھا۔ پاک آرمی کی وہ ہائی کمان جس نے ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس میں اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق (جو صدر مملکت ہونے کے ساتھ ساتھ ابھی بھی بدستور اسی فوجی عہدے پر چلے آ رہے ہیں) کے علاوہ ملک کے پانچوں کور کمانڈرز شامل تھے۔ جنرل فیض علی چشتی کے علاوہ

Marfat.com

دوسرے کور کمانڈر لیفٹننٹ جنرل محمد اقبال، لیفٹننٹ جنرل سوار خان، لیفٹننٹ جنرل جہاں زیب ارباب اور لیفٹننٹ جنرل غلام حسن تھے۔ان پانچوں میں سے لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی اور لیفٹننٹ جنرل غلام حسن سب سے پہلے ریٹائر ہوئے۔ لیفٹننٹ جنرل محمد اقبال اور لیفٹننٹ جنرل محمد سوار خان نے جنرل کے عہدہ پر ترقی پائی اور ریٹائر ہونے سے پہلے علی الترتیب چیئرمین جوائنٹ چیفس سٹاف اور وائس چیف اف آرمی سٹاف تعینات رہے۔ چونکہ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ میں جنرل فیض علی چشتی نے انتہائی کلیدی کردار ادا کیا تھا اور عوامی و سیاسی حلقوں میں یہ تاثر بھی عام تھا کہ مارشل لاء کے نفاذ کا اصل منصوبہ جنرل چشتی نے بنایا تھا اور انہوں نے جنرل محمد ضیاء الحق کو ٹیک اوور کے لئے آمادہ کیا تھا لہٰذا ان کے اپنے بھی یقیناً کچھ نہ کچھ سیاسی عزائم ضرور تھے اور اپنے انہی عزائم کی وجہ سے انہیں جلدی رخصت ہونا پڑا۔ مون ڈائجسٹ کے صفحات میں گزشتہ برسوں کے دوران جنرل چشتی سے کی گئی ملاقاتوں کا احوال چھپ چکا ہے۔ان سے جب کبھی ملاقات کا موقع ملتا رہا ہے۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ کچھ نہ کچھ کرید لیا جائے۔ زیر نظر انٹرویو کو آپ مختلف ملاقاتوں کے دوران ہونے والی گفتگوؤں کا ثمر سمجھ سکتے ہیں۔ پہلی ملاقات میں انہوں نے بہت سے حجابوں پر سے نقاب نہیں اٹھائی تھی۔ دوسری ملاقات میں وہ ایک حد تک کھلے تھے اور دونوں ملاقاتوں کی اشاعت کے بعد، میری صحافیانہ اپروچ اور دیانت پر ان کا اعتماد قائم ہو جانے کے نتیجے میں اس مرتبہ انہوں نے میرے پرانے سوالات کے جوابات میں بہت کچھ نیا بھی کہہ ڈالا ہے۔ان سے ملک کے موجودہ سیاسی حالات کے متعلق بھی باتیں ہوئی ہیں اور دفاع وطن کے حوالے سے بھی..... یہ سب کچھ نذر قارئین ہے.....ادیب جاودانی

Marfat.com

اہم نکات

☆ مری کی ملاقات میں بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کے مابین کیا گفتگو ہوئی؟

☆ موت کی کال کوٹھڑی میں بھٹو پر تشدد کس نے کیا؟ الزام مجھ پر کیوں لگایا گیا؟

☆ ریٹائرمنٹ کا پروانہ دینے سے پہلے جنرل ضیاء الحق نے اپنے آفس میں بلا کر مجھے کیا کہا؟

☆☆☆☆☆

شائع شدہ مکمل روداد

سوال: اس وقت ملک میں ایک منتخب پارلیمنٹ موجود ہے اور اکثریتی پارٹی ملک پر حکومت کر رہی ہے جبکہ سیاستدانوں کی اکثریت اس پارلیمنٹ کو تسلیم نہیں کرتی اور پارلیمنٹ کے نمائندوں کی حکومت سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ملک میں از سر نو انتخابات کرائے جائیں۔ ملک کے ان سیاسی حالات پر آپ کیا تبصرہ کریں گے؟

جواب: ادیب صاحب، سیاست کا کھیل شطرنج کی بازی ہے۔ بساط بچھی ہوئی ہے اور مہرے موجود ہیں۔ ہر کوئی اپنی چال چل رہا ہے۔ کوئی ایوان صدر میں فوج کا نمائندہ بن کر اور کوئی ایوان سیاست میں عوام کا لیڈر ہونے کے دعوے کے ساتھ۔ مگر میں سمجھتا ہوں بساط بدل چکی ہے مگر مہرے وہی پرانے ہین، بار بار کے پٹے ہوئے، اس لئے میں سمجھتا ہوں بازی آج بھی شاطر کے ہاتھ میں ہے۔ گھوڑوں کی ریس کے لئے میدان، گھوڑا اور جاکی،

Marfat.com

تینوں کی ضرورت ہوتی ہے ہمارے ہاں میدان، گھوڑا اور جا کی تینوں تو موجود ہیں مگر کہیں گھوڑا سدھایا ہوا نہیں ہے اور کہیں جا کی تربیت یافتہ نہیں۔ اس لئے دوڑ میں ترتیب نہیں ہے۔ ہمارے ہاں سیاست محض ہلہ گلہ بن کر رہ گئی ہے۔ مارشل لاء اٹھا بھی لیا گیا ہے، مارشل لاء موجود بھی ہے۔ انتخابات ہوئے ہیں نہیں بھی ہوئے، پارلیمنٹ کی نمائندہ حقیقت ہے بھی نہیں بھی، مختلف آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ ایک طرف سے آواز آتی ہے انتخابات کراؤ، دوسرا کہتا ہے انتخابات ہو چکے ہیں ۱۹۹۰ء سے پہلے انتخابات کا کوئی جواز نہیں۔ تیسرا کہتا ہے مڈٹرم انتخابات کی ضرورت ہے، اس سارے کھیل میں کامیاب کون ہے، بہت سامنے کی بات ہے۔

سوال: آپ کہیں یہ تو نہیں کہہ رہے کہ ہمارے سیاستدان ناکام ہو چکے ہیں؟

جواب: آپ نے ٹھیک سمجھا، میں بالکل یہی کہہ رہا ہوں، ہمارے سیاستدان ناکام ہو چکے ہیں۔ اور ہارے ہوئے لوگ ہیں اور ہاری ہوئی بازی پر اپنی فتح کے نعرے لگا رہے ہیں۔ میرے نزدیک قومی سیاست میں اب تازہ ذہنوں کی ضرورت ہے۔ نئے لوگوں کی ضرورت ہے۔ پٹے ہوئے سیاست دان ملک کے سیاسی مسائل کو حل نہیں کر سکتے میرا مشورہ ہے کہ پٹے ہوئے مہروں کو اب سیاست چھوڑ دینی چاہئے۔

سوال: کیا سیاستدانوں کی ناکامی کا باعث قومی سیاست میں جرنیلوں کی مداخلت نہیں ہے؟

جواب: ایسے جرنیلوں کو سیاست کی لت کس نے ڈالی؟

سوال: کیا یہ الزام بھی سیاست دانوں کے ذمہ ہی لگے گا؟

جواب: سکندر مرزا فوج سے سیاست میں آیا، اسے کون لایا؟ پھر ایوب خان کو کون لایا؟ یحییٰ خان اور ضیاء الحق کے لئے حالات کس نے پیدا کئے؟

سوال: بعض حلقوں کیا کہنا ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق ایک مدبر شخصیت ہیں اور انتہائی زیرک

Marfat.com

سیاستدان ثابت ہوئے ہیں۔ یہی بات ایک زمانے میں جاپان کے وزیر عظم نے کہی تھی اور حال ہی میں آزاد کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم خان نے بھی کہی ہے، آپ اس سلسلہ میں کیا کہیں گے؟

جواب: اپنے اپنے نقطہ نظر کی بات ہے۔ ہر شخص اپنی سوچ اور اپنی فکر کے مطابق تجزیہ کرتا ہے۔ کسی صاحب اقتدار کی کامیابی اور ناکامی کو پرکھنے کا پیمانہ کیا ہونا چاہئے۔ آپ ملک کے اندرونی حالات کا جائزہ لیجئے۔ کیا ملک کے اندر شہریوں کے جان و مال محفوظ ہیں؟ یہ آئے روز دھماکے کون کر رہا ہے، کیوں ہو رہے ہیں؟ انسانی جانوں کی ہلاکت خیزی، قیمتی املاک کا اتلاف، یہ سب کچھ ہو رہا ہے مگر اس کے باوجود صاحب اقتدار کو آپ کامیاب سیاست دان کہہ رہے ہیں۔ اڑوس پڑوس میں ہمارے دوستوں کی تعداد کم اور دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ سب ہماری خارجہ پالیسی کا ثمر ہے۔ اس کے باوجود کہ پڑوسی ممالک میں چین کے علاوہ آپ کا ایک بھی دوست نہیں ہے۔ آپ پھر بھی کامیاب کہلاتے ہیں۔ انہیں کامیاب کہنے والے کون ہیں، سردار عبدالقیوم خان اور بہت سے دوسرے طالع آزما۔ مجھے بہرحال سردار عبدالقیوم کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔

سوال: سردار عبدالقیوم خان نے تو کہا ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق کو ملک کا تاحیات صدر بنا دیا جانا چاہئے؟

جواب: اس قسم کی باتیں کچھ لوگوں نے فیلڈ مارشل ایوب خان کے لئے بھی کہی تھیں۔ احمد سعید کرمانی کی اس تجویز نے ایوب خان کو انجام کے قریب کر دیا تھا، دیکھتے ہیں سردار قیوم کی تجویز کیا رنگ لاتی ہے۔

سوال: آپ نے ابھی کہا تھا کہ ملک کے اندر آئے روز دھماکے ہو رہے ہیں۔ ۲۳ مارچ کو لاہور میں جمعیت اہلحدیث کے سربراہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے جلسہ میں بم پھٹا، آٹھ افراد

Marfat.com

جاں بحق ہوئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ خود علامہ صاحب بھی جاں بر نہ ہو سکے۔ آپ کے نزدیک کیا یہ کوئی عام تخریبی کاروائی تھی یا یہ سانحہ کسی سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھا؟

جواب: علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک معروف عالم دین اور ابھرتے ہوئے سیاستدان تھے اور کچھ لوگوں کو ان کی فرقہ وارانہ مذہبی قیادت اور ان کی سیاست کا انداز یقیناً کھٹکتا بھی ہوگا۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے جلسۂ عام میں بم کا جو دھماکہ ہوا اس کے بارے میں بہت سی قیاس آرائیاں ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شریعت بل کے مخالف تھے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ گزشتہ نو برسوں کے دوران نفاذ اسلام کے لئے کی جانے والی کوششوں پر کڑی تنقید کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے خانہ کعبہ میں ملاقات پر علامہ سے کہا تھا کہ وہ (علامہ مرحوم) ان کے مخالف کیوں ہیں، حالانکہ وہ (جنرل محمد ضیاء الحق) دوسروں کے مقابلے میں اسلام کا نام تو لیتے ہیں تو علامہ نے جواباً کہا تھا ''جنرل صاحب، آپ اسلام کا نام لینا ترک کر دیں، میں آپ کی مخالفت ترک کر دوں گا''۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر کا یہ انٹرویو لاہور کے کسی جریدے میں سانحۂ قلعہ لچھمن سنگھ سے صرف ایک ماہ پیشتر چھپا تھا۔ بعض حلقوں کی قیاس آرائی یہ ہے کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر چونکہ فرقہ واریت کے ممتاز عالم دین تھے اور انہوں نے بعض فرقوں کے متعلق بہت سی قابل اعتراض باتیں لکھی تھیں اس لئے وہ کسی انتہاء پسند فرقہ پرست گروہ کی بہیمیت کی بھینٹ چڑھ گئے۔

یقینی طور پر تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کا انتظامی ڈھانچہ بہت کمزور ہے، لاقانونیت اور دہشت گردی کے جو واقعات موجودہ حکومت کے زمانے میں دیکھنے میں آئے ہیں یہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔ ویسے یہ ایک ضرب المثل ہے کہ جس قتل کا سراغ نہ ملے اس میں خود حکومت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے قتل کا نہ

Marfat.com

صرف اب تک سراغ نہیں ملا ہے بلک اس سلسلہ میں علامہ کے لواحقین جس قسم کی صورتحال سے دوچار ہیں، یہ سب تو خود آپ بھی اپنے جریدے میں لکھ چکے ہیں۔ شہریوں کی جان و مال کی حفاظ کا ذمہ دار ملک کا چیف ایگزیکٹو ہوتا ہے۔ اس وقت ملک کا چیف ایگزیکٹو کون ہے، ضیاء الحق یا محمد خان جونیجو..... ان دونوں میں سے جو بھی چیف ایگزیکٹو ہے وہی علامہ احسان الٰہی ظہیر کے قتل کا ذمہ دار ہے۔

سوال: آپ کے خیال میں کیا وزیر اعظم ملک کا چیف ایگزیکٹو نہیں ہے؟

جواب: آپ کے خیال میں وزیر اعظم ملک کا چیف ایگزیکٹو ہو سکتا ہے۔ مجھے اس سلسلہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ ملک کا چیف ایگزیکٹو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے بدستور ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ آج بھی جنرل محمد ضیاء الحق ہی ملک کے چیف ایگزیکٹو ہیں۔

سوال: مگر جنرل صاحب تو خود کو حکومت کا سربراہ نہیں کہتے، وہ تو محض سربراہ مملکت ہیں؟

جواب: یہ ہاتھی کے دانتوں والی بات ہے ادیب صاحب اور یہ بات آپ خود بھی سمجھتے ہیں۔

سوال: آپ نے میری اس بات سے اتفاق نہیں کیا کہ اس وقت جنرل محمد ضیاء الحق ملک کے سب سے بڑے سیاست دان ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر جنرل محمد ضیاء الحق ملک کے سب سے بڑے سیاستدان نہیں ہیں تو پھر ان کے اقتدار کا عرصہ اتنا طویل کیسے رہا ہے۔ وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے طور پر برسر اقتدار آئے، پھر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ ساتھ صدر مملکت کا عہدہ بھی ان کے ہاتھ آ گیا۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کے صدارتی ریفرنڈم میں انہیں مزید پانچ سال تک سربراہ مملکت تسلیم کیا گیا۔ مارشل لاء ختم ہو جانے کے بعد اب وہ نہ صرف سربراہ مملکت ہیں بلکہ انتہائی با اختیار سربراہ مملکت ہیں۔ اگر وہ کامیاب سیاست دان نہیں تو ان کو اتنی زیادہ سیاسی کامیابیاں کیوں ملی ہیں؟

جواب: جنرل محمد ضیاء الحق کے اقتدار کا سورج اس لئے غروب نہیں ہوا کہ انہوں نے اپنے

Marfat.com

فوجی منصب کو قائم رکھا۔ وہ ۱۹۷۶ء سے اب تک چیف آف آرمی سٹاف چلے آرہے ہیں حالانکہ ان کی فوجی ملازمت میں تین سال کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک سال کی توسیع ہوسکتی ہے۔ شاید جنرل ضیاء الحق کو اس لئے بھی زیادہ وقت ملا کہ ہماری قومی سیاست میں لیڈر شپ کا فقدان ہے۔ ہمارے ملک میں اس وقت کوئی ایک بھی ایسا سیاست دان موجود نہیں ہے جو پوری قوم کو قابل قبول ہو۔ پوری قوم جس کے پیچھے چل پڑے، ایک آدھ لیڈر جو اس معیار کا تھا ختم ہو گیا۔ اس قسم کا لیڈر سامنے آجاتا تو جنرل ضیاء الحق اپنے فوجی منصب کو کبھی اتنی طوالت نہیں دے سکتے تھے۔ جنرل ضیاء الحق کے اقتدار کو افغان پناہ گزینوں کے مسئلے اور افغانستان میں روس کی موجودگی سے بھی طوالت ملی۔ پاکستان کے نقطۂ نظر سے جنرل محمد ضیاء الحق کی خارجہ پالیسی میرے خیال میں ملک اور قوم کے حق میں مفید نہیں ہے۔ افغانستان اور بھارت ہمارے دشمن ہیں۔ روس اور ایران کو نیوٹرل کہہ لیں تو پھر ہمسایہ ملکوں میں سے پاکستان کا دوست کون ہے؟ اگر امریکہ نوازی میں ہم روس جیسی سپر طاقت کو خود سے برگشتہ کرلیں تو جنگ کی صورت میں ہمارا دفاع کون کرے گا؟ بھارت پہلے ہی ہمارا دشمن ہے۔ افغانستان اور روس کی دشمنی کے باعث کسی ایک ملک سے بھی ہماری جنگ چھڑ جائے تو دوسرے دونوں ملک بھی ہمارے ساتھ جنگ کرنے والے ہمارے دشمن کا ساتھ دیں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے اس ملک کو اپنی خارجہ پالیسی کے باعث انتہائی گھمبیر سیاسی حالات سے دوچار کر دیا ہے۔ من حیث القوم ہم اس وقت انتہائی نازک دور میں سے گزر رہے ہیں۔ بھارت سیاچن گلیشیر پر قابض ہو چکا ہے اور جس طرح چند ماہ پیشتر جنرل ضیاء الحق نے پاکستان کی سرحدوں پر بھارتی فوجوں کا اجتماع دیکھ کر کرکٹ میچ دیکھنے کے بہانے بھارت میں جا کر قوم کی عزت اور وقار کا سر راجیو گاندھی کے گھٹنوں میں جھکایا ہے، اسے حکمت عملی کی بجائے توہین آمیز بزدلانہ اقدام کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ کیا

Marfat.com

پاکستان کے پاس فوج نہیں ہے، قومی بجٹ کا اتنا بڑا حصہ ہر سال دفاعی اخراجات پر کیوں خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر بھارت لڑنے پر آمادہ تھا تو ان حالات میں سربراہ مملکت کو قوم کا سر بلند رکھنے کے لئے بھارت میں جانے کی بجائے پاکستانی فوج کو سرحدوں پر مورچہ بند کرنے کی پالیسی اختیار کرنی چاہئے تھی۔ آپ اپنے دشمن کے گھر میں خود چل کر چلے جائیں اور آپ کی گفتگو کا انداز بھی فدویانہ ہو تو پھر آپ کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے پوری قوم کا سر جھکا دیا ہے۔ ہم سب کو شرمسار کیا ہے۔

سوال: آپ نے کہا ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق کی خارجہ پالیسی ناکام ہے جبکہ اپوزیشن میں شامل بیشتر سیاسی لیڈر بھی پاکستان کے لئے اسی قسم کی خارجہ پالیسی کے حامی ہیں؟

جواب: ممکن ہے اپوزیشن میں شامل بعض سیاسی لیڈروں کو جنرل محمد ضیاء الحق کی خارجہ پالیسی درست لگتی ہو مگر میں موجودہ حکومت کی خارجہ پالیسی کو ملک کے مفاد میں نہیں سمجھتا۔ بھارت ہمارا ازلی دشمن ہے مگر جنرل صاحب نے ان کے سامنے بار بار گھٹنے ٹیکنے کا مظاہرہ کیا ہے۔ افغانستان میں روسی فوجوں کی موجودگی کا سب سے بلا سبب افغان مجاہدین کی طرف سے کابل حکومت کے خلاف لڑی جانے والی جنگ ہے۔ پاکستان نے کابل حکومت سے بہتر تعلقات بنا کر انہیں افغان پناہ گزینوں کا مسئلہ خود حل کرنے میں مدد دی ہوتی تو شاید روسی فوجوں کے لئے افغانستان میں قیام کا مزید کوئی جواز نہ ہوتا۔ موجودہ حکومت کی خارجہ پالیسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اب بھارت کے علاوہ پاکستان کو روس جیسی سپر طاقت سے بھی خطرہ لاحق ہے۔ پاکستان نے یہ سب امریکہ بہادر کی دوستی کے لئے کیا ہے۔ امریکہ جنوبی ایشیاء میں اپنے مفادات کی جنگ لڑنے کے لئے پاکستان کا کندھا استعمال کر رہا ہے۔ اس خطے میں امریکہ کے اپنے جیو پولیٹکل مفادات ہیں۔ ایران سے نکل جانے کے بعد امریکہ کے لئے پاکستان کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا جنگ شروع ہو جانے کی

Marfat.com

صورت میں امریکہ بروقت پاکستان کی امداد کو پہنچ بھی سکے گا۔ ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ ہم ساتویں بحری بیڑے کا انتظار ہی کرتے رہیں گے۔

؎ خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اور اگر امریکہ بہادر بروقت ہماری امداد کو پہنچ بھی گیا تو پھر افغانستان اور پاکستان کی سرزمین پر دو سپر طاقتوں کے مابین جو جنگ لڑی جائے گی اس میں ان سپر پاوروں کا کیا جائے گا۔ آگ اور خون کی ہولی ہمارے گھروں میں کھیلی جائے گی۔ ویسے بھی ضرب المثل ہے کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں چیونٹیوں کا کام نہیں ہوتا اور وہ بلا جواز کچلی جاتی ہیں۔ کیا یہی ہے ضیاء الحق کی خارجہ پالیسی؟ اور کیا آپ اسے کامیاب خارجہ پالیسی کہتے ہیں؟

سوال: جنرل صاحب! آپ نے ملک غلام مصطفیٰ کھر کی پاکستان آمد کے موقع پر ایک انٹرویو میں کہا تھا ''وہ غلط فہمی میں مارا گیا ہے''۔ آپ کا یہ اندازہ کافی حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔ اب تو وفاقی وزیر جناب اقبال احمد خاں نے بھی کہہ دیا ہے کہ ہم مصطفیٰ کھر کو آسمان پر تلاش کر رہے تھے مگر وہ زمین پر ہی مل گئے۔ اس تازہ ترین صورتحال میں آپ کھر کے مستقبل کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: میں نے جو یہ کہا تھا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر غلط فہمی میں مارا گیا ہے تو اس سے میرا یہ مطلب تھا کہ اس نے اپنی مقبولیت کا غلط اندازہ لگایا تھا اور غالباً دوسرے الفاظ میں یہی بات اقبال احمد خان نے بھی کہی ہے۔ کھر کا خیال تھا کہ اگر جونیجو حکومت نے اس پر ہاتھ ڈالا تو عوام گلیوں میں نکل آئیں گے لیکن عوام نے مصطفیٰ کھر کے ساتھ وہی کیا جو خود کھر نے عوام کے ساتھ کیا تھا اور اب وہ پس دیوار زنداں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہا ہے۔ اگر فوجی عدالت کی سنائی ہوئی ۱۴ برس کی سزا جو ملک غلام مصطفیٰ کھر کو غیر حاضری کی وجہ سے سنائی گئی تھی وہ ختم بھی ہو جائے تو بھی اس کے خلاف متعدد مقدمات زیر سماعت ہیں اور ان میں سے

Marfat.com

زیادہ تر مقدمات خود پیپلز پارٹی کے اپنے زمانے کے ہیں۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر کے تین بھائی حکومتی پارٹی میں شامل ہیں اور ان میں سے دو نے ۱۹۷۳ء کے آئین میں آٹھویں ترمیم کے وقت کھر کو فوجی عدالتوں سے ملنے والی سزا کی توثیق کی ہے۔ اب کھر برادران اپنے بڑے بھائی کو جیل سے باہر دیکھنا چاہتے ہیں مگر اسمبلیوں میں کھر کے حامیوں کی اتنی بڑی تعداد موجود نہیں ہے کہ حکومت پر کوئی دباؤ ڈال سکے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کی این پی پی کھر کو باہر نہیں لا سکتی، ایک تو پارٹی میں اتنا دم خم نہیں ہے اور دوسرے پارٹی کے اندر بعض لیڈروں کا مفاد اسی میں ہے کہ کھر جیل میں رہے۔ کھر کو ابھی ایک اور عرصہ تک جیل میں رہنا ہوگا۔ اسے جیل سے برسر اقتدار پارٹی نکال سکتی ہے یا پھر پیپلز پارٹی ..... اور ان دونوں پارٹیوں میں وہ نہیں ہے۔

سوال: آپ نے این پی پی کا ذکر کیا ہے، جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ شوکت علی نے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ آپ این پی پی میں شمولیت کے خواہشمند تھے مگر این پی پی کے کارکنوں کی مخالفت کے باعث آپ کو اس پارٹی میں شامل نہیں کیا گیا؟

جواب: شیخ شوکت علی صاحب نے اپنا قصہ بیان کیا ہوگا۔ میں غلام مصطفیٰ جتوئی سے چند ایک مرتبہ ملا ضرور ہوں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ملک کے اکثر سیاسی لیڈروں سے میری ملاقات ہوتی رہتی ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ میں پارٹی جوائن کرنے کے نقطۂ نظر سے ملتا رہا ہوں۔

سوال: پیپلز پارٹی کے حلقوں کی اطلاع کے مطابق آپ مس بے نظیر بھٹو سے ملنے کے بھی خواستگار ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ مارشل لاء کے نفاذ کے سلسلہ میں اور سابق وزیر اعظم بھٹو پر جیل میں ہونے والے تشدد کے معاملہ میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے پیپلز پارٹی کی لیڈر سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں؟

Marfat.com

جواب: میں نے مس بے نظیر بھٹو سے ملاقات کے لئے کبھی کوشش نہیں کی۔ مارشل لاء کے نفاذ کے سلسلہ میں میرا جو کردار تھا وہ پوری قوم کے سامنے ہے۔ میں نے وہی کیا جس کا مجھے حکم دیا گیا تھا۔ میں کور کمانڈر ۱۰ کور تھا۔ میری جگہ اقبال احمد خاں، سوار خاں یا کوئی دوسرا جرنیل ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ سابق وزیراعظم بھٹو پر جیل میں اگر کوئی تشدد ہوا تو کم از کم اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح کی گری ہوئی حرکت کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تھی کہ مسٹر بھٹو مرحوم پر جیل میں کوئی تشدد ہوا تھا تو یقین کیجئے مجھے اس کا آج تک کوئی علم نہیں ہے۔ میں آپریشن فیئر پلے کا انچارج تھا اگر مجھے سابق وزیراعظم بھٹو سے کوئی ذاتی پرخاش ہوتی تو میرے پاس ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب ان کو اور کسی کو بھی قتل کر دینے کا اختیار موجود تھا۔ میں ملٹری آپریشن کا انچارج تھا اور مجھے یہ اختیار حاصل تھا کہ آپریشن کی کامیابی کے راستے میں مزاحم ہونے والے ہر شخص کو راستے سے ہٹا دوں، میں کسی کو بھی جان سے مار کر یہ کہہ سکتا تھا کہ آپریشن کی کامیابی کے لئے یہ ضروری تھا۔ میں نے ۴ جولائی کی شب جب ٹیک اوور کی کاروائی مکمل کی تو چیونٹی تک نہیں ماری گئی۔ اگر میں نے اس روز سابق وزیراعظم سے کوئی گستاخی نہیں کی جب مجھے ان کو قتل کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا تو مجھے جیل میں ان پر تشدد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مجھے مس بے نظیر بھٹو کے پاس جا کر اس سلسلہ میں اپنی صفائی پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مس بے نظیر بھٹو ایک بڑی پارٹی کی لیڈر ہیں یقیناً بہت سی اندرونی باتوں سے باخبر ہوں گی اور انہیں معلوم ہوگا کہ سابق وزیراعظم بھٹو کے سلسلہ میں کس کا کردار کیا رہا۔ میں نے اس سلسلہ میں مس بے نظیر بھٹو سے ملنے کی کبھی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس کی میں ضرورت سمجھتا ہوں۔

سوال: بھٹو مرحوم پر آخری دنوں میں راولپنڈی جیل کے اندر تشدد کی افواہیں، آٹھ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ختم نہیں ہوئیں۔ جب بھی بھٹو مرحوم پر تشدد کا ذکر ہوتا ہے، آپ کا نام لیا

Marfat.com

جاتا ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟

جواب: مجھے معلوم ہے کہ مجھ پر اس قسم کا الزام اکثر لگایا جاتا ہے مگر یہ سامنے کی بات ہے کہ جو شخص آپریشن کا انچارج تھا اور جس کے پاس بھٹو مرحوم کے قتل کا اوپن چیک موجود تھا جب اس نے آپریشن کے وقت بھٹو مرحوم کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا تھا تو پھر اسے جیل میں جا کر اتنی گھٹیا حرکت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ دراصل میرے خلاف ایک سازش کے طور پر اس قسم کا پراپیگنڈہ کیا گیا ہے۔ بھٹو مرحوم سے ٹیک اوور کے بعد برسر اقتدار آنے والوں میں سے بعض اہم شخصیات نے اپنے بعض مخصوص مقاصد کے لئے میرے خلاف اس قسم کی افواہیں پھیلانی شروع کر دی تھیں۔ ان کا مقصد یقیناً یہی تھا کہ پیپلز پارٹی والوں کو گمراہ کیا جائے۔ بھٹو مرحوم کو ۳ اور ۴ اپریل کی درمیانی شب پھانسی دی گئی تھی۔ پھانسی سے ایک رات پہلے تک ہماری قوم بھٹو کی پھانسی سے متعلق بے یقینی کا شکار تھی۔ ۴ اپریل کو پھانسی دی گئی اور اسی روز بھٹو پر تشدد کی افوہیں پھیلا دی گئیں۔ یہ افواہیں پیپلز پارٹی والوں نے یقیناً نہیں پھیلائی ہوں گی کہ انہیں ۴ اپریل سے پہلے بھٹو کی پھانسی کا ہرگز یقین نہیں تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ یہ افواہیں کس طرف سے پھیلائی گئیں۔ جواب بہت سیدھا ہے، ان افواہوں کا منصوبہ وہی شخص یا وہی گروہ بنا سکتا تھا جسے یہ علم تھا کہ بھٹو کو ۴ اپریل کو پھانسی دے دی جائے گی۔ وہ کون تھا جسے یہ علم تھا کہ ۳ اور ۴ اپریل کی درمیانی شب بھٹو کو پھانسی دی جا رہی ہے۔ صرف حکومت میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو ہی اس کی خبر ہو سکتی تھی۔ خود میں بھی حکومت میں تھا اور مجھے معلوم تھا کہ سابق وزیر اعظم بھٹو کو پھانسی دی جا رہی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یا تو پھانسی کی رات میں نے بھٹو پر تشدد کیا ہے یا میرے خلاف اس قسم کی افواہیں پھیلائی گئی ہیں۔ اگر پھانسی کی رات میں، اپنا راولپنڈی میں موجود نہ ہونا ثابت کر دوں تو ظاہر ہے کہ میں نے تشدد نہیں کیا۔ میرے بارے میں صرف پروپیگنڈہ کیا گیا ہے۔ امر واقعی یہ ہے کہ مجھے

Marfat.com

بااختیار لوگوں کے اس قسم کے منصوبے کی بھنک پڑ گئی تھی۔ ان لوگوں نے ۲ اور ۳ اپریل کی درمیانی شب بھٹو کو پھانسی دینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ میں چونکہ یکم اپریل سے ہی راولپنڈی سے غائب تھا اس لئے میری واپسی کو یقینی بنانے کے لئے پھانسی کو ۲۴ گھنٹے مؤخر کر دیا گیا، میں یکم اپریل سے گلگت میں تھا۔ میں وہاں بعض اہم سرکاری تقریبات میں شمولیت کے لئے گیا تھا اور ۲ اپریل کو راولپنڈی میں میری واپسی متوقع تھی۔ میں عمداً ۲ اپریل کو واپس نہیں آیا کیونکہ مجھے ۲ اور ۳ اپریل کی درمیانی شب کو بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کی خبر مل چکی تھی اور اس بات کا بھی علم ہو چکا تھا کہ بھٹو کی پھانسی کے سلسلہ میں مجھے ذمہ دار ٹھہرانے کی سازش تیار کی جا چکی ہے۔ مجھے گلگت سے فوراً ہیڈ کوارٹر طلب کیا گیا مگر میں نے عمداً گلگت میں اپنی مصروفیات کا دائرہ پھیلا لیا۔ میں ۳ اپریل کو بھی گلگت میں مصروف رہا، وہاں میں نے گلگت ریڈیو سٹیشن کا افتتاح کیا اور ۴ اپریل کی صبح راولپنڈی واپس آ گیا۔ بھٹو مرحوم کو پھانسی کی اطلاع مجھے واپسی کے سفر میں طیارے کے اندر میرے پائلٹ نے سنائی تھی۔ جو لوگ ہر حال میں پھانسی کی رات راولپنڈی میں میری موجودگی چاہتے تھے، پھانسی کی رات بھٹو پر اگر تشدد ہوا تو اس کے ذمہ دار وہی تھے۔ انہی لوگوں نے میرے خلاف اس قسم کی افواہیں پھیلائیں۔ ان افواہوں کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ میں نے چونکہ انہیں گلگت سے ۱۳ اپریل کی شام تک واپسی کی یقین دہانی کرا دی تھی لہذا وہ دھوکہ کھا گئے اور ۴ اپریل کو پھانسی کے پروگرام پر عملدرآمد کر کے میرے خلاف پراپیگنڈے کا محاذ کھول دیا گیا۔ یہ ایک تیر سے دو شکار کرنے والی بات تھی۔ مجھے اس زہریلے پراپیگنڈے کا ہدف اس لئے بنایا گیا کہ جرنیلوں میں سے میں واحد شخص تھا جس نے جنرل محمد ضیاء الحق کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ بھٹو کی رحم کی اپیل کا فیصلہ کسی آنے والی والے صدر کی صوابدید پر چھوڑ دیں۔ جب میں اپنے خلاف بنائی گئی اس سازش کی کڑیاں ملاتا ہوں تو مجھے اس امر میں کوئی شعبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ اگر میں ۲ اپریل کو

Marfat.com

راولپنڈی پہنچ جاتا تو بھٹو کو ۱۳ اپریل کی شب پھانسی دے دی جاتی۔

سوال: آپ کا کیا خیال ہے کہ پیپلز پارٹی کے حلقوں میں آپ کے مؤقف کو تسلیم کر لیا جائے گا؟

جواب: مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میرے مؤقف کو کون تسلیم کرتا ہے، کون تسلیم نہیں کرتا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ ''آپریشن فیئر پلے'' کے انچارج کی حیثیت میں، میں نے وہی کیا جس کا مجھے حکم دیا گیا اور بھٹو مرحوم کی پھانسی کے سلسلہ میں، میں نے فوجی کونسل کے رکن کی حیثیت میں پھانسی کے فیصلے پر رحم کی اپیل کا فیصلہ آئندہ سول حکومت پر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ فوجی کونسل کے بعد یہ معاملہ کور کمانڈر کی میٹنگ میں بھی زیر بحث آیا تھا۔ میرا مؤقف اس میٹنگ میں بھی یہی تھا کہ پھانسی کے فیصلے پر عملدرآمد نہ کرایا جائے۔

سوال: اگر سول حکومت کے اوپر آنے کا انتظار کیا جاتا تو سربراہ مملکت آج بھی وہی ہوتا؟

جواب: آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر بھٹو زندہ ہوتا تو کیا ملک کے اقتدار کا نقشہ یہی ہوتا، بہت پہلے کا پانسہ پلٹ چکا ہوتا۔ بھٹو زندہ ہوتا تو بہر طور وہ ایک ایسا لیڈر تھا جس کے پیچھے قوم سڑکوں پر نکل آتی۔ وہ جیل سے نکل کر سیدھا ایوان اقتدار میں واپس آجاتا۔

سوال: چشتی صاحب، جیسا کہ آپ نے خود کہا ہے کہ آپ کے خلاف اقتدار کے ایوانوں میں سازش تیار کی گئی تھی۔ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ لیفٹننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی محض اس لئے نہیں دی گئی اور لیفٹننٹ جنرل کے عہدے پر آپ کی ملازمت میں توسیع بھی اس لئے نہیں کی گئی کیونکہ جنرل محمد ضیاء الحق کو آپ سے ''کاؤنٹر کو'' کا خطرہ تھا۔ آپ اس پر کیا تبصرہ کریں گے؟

جواب: واقعات کی کڑیاں ملاتا ہوں تو سوچتا ہوں شاید کسی ذہن میں اس قسم کا کوئی اندیشہ موجود ہو۔ فوج سے ریٹائر ہونے تک میرے ذہن میں کبھی کاؤنٹر کو کا خیال نہیں آیا۔ میں

Marfat.com

ملک اور قوم کا وفادار رہا ہوں۔ ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء نافذ کرتے وقت ملٹری ہائی کمان کے پیش نظر جو مقاصد تھے، سپریم کورٹ نے ان مقاصد کی تکمیل تک اسے جائز اور قانونی قرار دیا تھا۔ وہ ملٹری ہائی کمان جس نے مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ کیا تھا۔ اس میں جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ ملک کے پانچویں کور کمانڈرز شامل تھے اور ان پانچوں میں سے آج کوئی بھی اقتدار میں نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو جب ریٹائرمنٹ دی گئی قبول کر لی گئی۔ میں نے بھی یہی کیا کیونکہ مارشل لاء نافذ کرنے میں میرا کچھ کردار تھا تو وہ میری ذات کے لئے نہیں قوم کے لئے تھا۔ میں حیران ہوں کہ میری وفاداریوں پر شک کیوں کیا گیا۔ گزرے ہوئے واقعات پر نظر دوڑاتا ہوں تو مجھے خود بھی گمان گزرتا ہے کہ میری ریٹائرمنٹ کا فیصلہ محض اس لئے نہیں کیا گیا ہوگا کہ لیفٹننٹ جنرل کے عہدے پر میری منصبی میعاد ختم ہوگئی تھی۔ اس کے محرکات کچھ دوسرے بھی یقیناً تھے۔ میں نے ریٹائر ہونے تک ان محرکات پر غور نہیں کیا تھا حالانکہ جیل میں بھٹو پر تشدد کے حوالے سے میرا نام اچھالا جا چکا تھا اور میں نے اس سلسلہ میں سازش کا اندازہ بھی لگا لیا تھا۔ میری ریٹائرمنٹ کے بعد حکومت نے مجھے کبھی کسی تقریب میں شمولیت کا دعوت نامہ نہیں بھیجا حالانکہ یہ میرا حق ہے۔ جنرل اقبال خان اور سوار خان کی ریٹائرمنٹ سے پہلے میں فوج کا سب سے سنیئر ریٹائرڈ افسر پنڈی میں موجود تھا مگر حکومت نے مجھے کبھی کسی تقریب میں مدعو نہیں کیا۔ نہ کبھی ۲۳ مارچ کو اور نہ ہی کسی دوسرے ملک کے سربراہ کی آمد پر۔ میں نے اکثر غور کیا ہے کہ میرے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں روا رکھا گیا۔ اب سوچتا ہوں کہ میں جنرل محمد ضیاء الحق کے لئے اس روز کے بعد قابل قبول نہیں رہا تھا جب ملٹری کونسل کے رکن کی حیثیت سے میں نے بھٹو کی پھانسی کے فیصلے پر رحم کی اپیل کا فیصلہ آئندہ سول حکومت پر چھوڑنے کی بات کی تھی۔ میری ریٹائرمنٹ بھی عجیب ڈرامائی طریقے سے ہوئی تھی۔ جنرل محمد ضیاء الحق ملک کے چیف ایگزیکٹو کی حیثیت

Marfat.com

سے ملازمتوں میں ترقی دینے اور مدت ملازمت میں توسیع کرنے کے مجاز تھے۔ میری ریٹائرمنٹ کا وقت آیا تو میں نے مدت ملازمت میں توسیع کے لئے درخواست نہیں دی۔ میں نے جنرل محمد ضیاء الحق پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ مجھے ریٹائر کریں، ملازمت میں توسیع کر دیں یا ترقی دے دیں۔ میری ریٹائرمنٹ کے دن انہوں نے مجھے بلایا اور دوسرے لوگوں کی مدت ملازمت میں توسیع، ریٹائرمنٹ اور ترقی کے امور پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے یہی تاثر دیا کہ وہ مجھ پر بے پناہ اعتماد کرتے ہیں اور میں خوش بھی تھا کہ میرا چیف مجھ پر اعتماد کرتا ہے۔ وہ مجھ سے اس طرح رائے لیتے رہے جیسے کہ انہوں نے ہر فیصلہ میری رائے مطابق کرنا ہو۔ میں بے لاگ رائے دیتا گیا اور جب ان سے رخصت ہو کر اپنے دفتر پہنچا تو میری ریٹائرمنٹ کا حکم نامہ میرا منتظر تھا۔ یہ سب واقعات ایسے ہیں کہ میں اب یہ سوچ سکتا ہوں کہ شاید کسی وجہ سے جنرل محمد ضیاء الحق کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا تھا۔

سوال: جنرل صاحب، ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جب احتساب کا عمل شروع ہوا اور پیپلز پارٹی والوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں تو عین ان دنوں میں ملک غلام مصطفیٰ کھر حکومت کی اجازت سے لندن چلا گیا۔ ازاں بعد ایک ملٹری کورٹ نے ملک غلام مصطفیٰ کھر کو ایک مقدمہ کی سماعت کے دوران، مفرور ملزم قرار دے کر اس کی غیر حاضری میں چودہ سال قید بامشقت کی سزا سنا دی۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر ان دنوں اسی مقدمہ کی قید کی سزا کے باعث جیل میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ حکومت کی اجازت سے لندن جانے والے سیاسی لیڈر کو مفرور ملزم کیوں قرار دیا گیا۔ کیا آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ وہ کون سے حالات تھے جن کے باعث ملک غلام مصطفیٰ کھر پاکستان سے باہر گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے لندن میں ملک غلام مصطفیٰ کھر سے ملاقاتیں بھی کی تھیں۔ پھر اسے مفرور ملزم کیسے قرار دیا گیا؟

Marfat.com

جواب: ملک غلام مصطفیٰ کھر کو نہ صرف پنجاب کی حکومت نے باہر جانے کا این او سی دیا تھا بلکہ اسے خود جنرل محمد ضیاء الحق نے بھی کھر کو لندن جانے کی اجازت دی تھی۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک غلام مصطفیٰ کھر کو لندن جانے کی اجازت کیوں دی تھی۔ اس سوال کا جواب یا تو جنرل محمد ضیاء الحق دے سکتے ہیں اور یا ملک غلام مصطفیٰ کھر۔ اگر دونوں میں کوئی معاہدہ ہوا تھا تو کم از کم میں اس معاہدے میں شامل نہیں تھا۔ میں جب لندن گیا تو حکومت کا وزیر تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہاں کچھ لوگ مجھ سے مل سکتے ہیں میں نے جنرل محمد ضیاء الحق سے اس امر کی اجازت لے لی تھی کہ میں کن کن لوگوں کو ملاقات کا وقت دے سکتا ہوں۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر سے ملاقات پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی تھی لہذا جب ملک غلام مصطفیٰ کھر نے میری لندن میں موجودگی کی خبر پا کر مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو میں نے اسے سفارت خانے میں ملاقات کے لئے وقت دے دیا۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر کو یہ اندیشہ تھا کہ سفارت خانے کی حدود کے اندر اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں نے اسے یقین دہانی کرائی کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ وہ آیا، مجھ سے ملا۔ بعض امور پر گفتگو بھی ہوئی۔ میرے اور ملک غلام مصطفیٰ کھر کے مابین جو ملاقات ہوئی تھی، چونکہ میں نے حکومت پاکستان کے نمائندے کے طور پر یہ ملاقات کی تھی لہذا، میں نے اس ملاقات کی حکومت کو مکمل رپورٹ پیش کر دی تھی۔ اس کا ریکارڈ کہیں نہ کہیں موجود ہوگا۔ میں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ لندن میں جا کر میں نے ملک غلام مصطفیٰ کھر کے ساتھ ملاقات نہیں کی تھی۔ خود ملک غلام مصطفیٰ کھر نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔ یہ درست ہے کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر خود جنرل محمد ضیاء الحق کی اجازت سے لندن گیا تھا اسے مفرور ملزم قرار دیا جا سکتا تھا یا نہیں، اس سلسلہ میں قانونی پوزیشن کے متعلق ملک کے قانون دان مجھ سے بہتر بتا سکتے ہیں۔

سوال: ملک غلام مصطفیٰ کھر جیل میں علیل ہے اور سنا ہے حکومت اسے مشروط طور پر علاج کے

Marfat.com

لئے بیرون ملک بھیجنے کے متعلق سوچ رہی ہے؟

جواب: میں حکومت میں شامل نہیں ہوں۔اس سلسلہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، البتہ میرا اندازہ ہے کہ حکومت غلام مصطفیٰ کھر کو ملک سے باہر بھیجنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گی۔میں نے اپنی ایک ملاقات میں آپ سے کہا تھا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر نے پاکستان میں آکر غلطی کی ہے اور میں آج پھر کہتا ہوں کہ وہ خوش فہمی میں مارا گیا ہے۔اس ملک کے عوام اسے جیل کے تالے توڑ کر باہر نہیں نکالیں گے۔وہ اس وقت بھی جیل میں ہے اور اگر انتخابات میں پیپلز پارٹی برسر اقتدار آجاتی ہے تو پھر بھی جیل میں رہے گا۔

سوال: وفاقی وزیر اقبال احمد خاں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر دوبارہ کبھی پنجاب کا گورنر یا وزیر اعلیٰ نہیں بن سکے گا۔انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر غلام مصطفیٰ کھر میری وفات کے بعد بھی کبھی برسر اقتدار آجائے تو میری قبر پر آکر جوتے مارنا.....آپ اس سلسلہ میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: اپنی اپنی رائے ہے، میں اقبال احمد خان کی طرح اس لئے نہیں سوچتا کہ اقتدار کا ہما اگر محمد خان جونیجو اور اقبال احمد خان کے سر پر سے گزر سکتا ہے تو پھر جتوئی یا کھر کے سر پر سے کیوں نہیں گزر سکتا؟ اس ملک میں کیا کچھ ممکن نہیں ہے؟ میں سیاسی معجزوں پر یقین نہیں رکھتا مگر تاریخ گواہ ہے کہ ایسے ایسے لوگ ایوان اقتدار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے کبھی اقتدار تک پہنچنے کا سوچا بھی نہیں ہوگا۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ وزیر اعظم محمد خان جونیجو تو غلام مصطفیٰ کھر کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں مگر جنرل محمد ضیاء الحق اس پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں ہیں کیونکہ وہ پہلے ان کے اعتماد پر پورا نہیں اترا۔

جواب: ملک غلام مصطفیٰ کھر جنرل محمد ضیاء الحق کے کس اعتماد پر پورا نہیں اترا؟

Marfat.com

سوال: کہا جاتا ہے کہ اس نے پاکستان سے باہر جانے کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق کو یہ جھانسہ دیا تھا کہ وہ سابق وزیراعظم بھٹو کے خلاف بعض اہم دستاویزات کا ریکارڈ، جن میں بعض کیسٹیں بھی شامل تھیں، مہیا کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر نے جنرل محمد ضیاء الحق کو یہ جھانسہ آپ کے ذریعہ دیا تھا۔

جواب: میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر براہ راست جنرل محمد ضیاء الحق کی اجازت سے باہر گیا تھا۔ اس نے مجھے کوئی جھانسہ نہیں دیا تھا۔ کوئی پتے نہیں دکھائے تھے۔ اگر کوئی پتے دکھائے تھے تو جنرل محمد ضیاء الحق کو دکھائے ہوں گے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اگر اس کے ذریعہ کچھ دستاویزات منگوانی مطلوب ہوتیں تو اس کے ہمراہ آدمی بھیجا جا سکتا تھا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے کسی مصلحت کے تحت کھر کو باہر جانے کی اجازت دے دی ہو گی۔ اسے گرفتار کرنا بھی کوئی مشکل نہیں تھا۔ اگر جنرل محمد ضیاء الحق چاہتے تو اسے لندن سے گرفتار کر کے لایا جا سکتا تھا۔

سوال: چشتی صاحب، میں نے علی احمد تالپور مرحوم سے بھی چند ملاقاتیں کی تھیں۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد بعض جرنیلوں نے بھٹو کو کچھ عرصہ کے لئے سیاسی افق سے غائب ہو جانے اور پاکستان کو چھوڑ دینے کا مشورہ بھی دیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اگر وہ ملک سے باہر چلے جانے پر رضامند ہو جاتے تو نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل میں ہرگز ملوث نہ ہوتے؟

جواب: اگر کسی جرنیل نے انہیں اس قسم کا مشورہ دیا تھا تو یہ بات میرے نوٹس میں نہیں ہے۔ ویسے مجھے حیرت ہے کہ انہیں اس قسم کا مشورہ دیا گیا اور میں اس سے بے خبر رہا۔ اس قسم کا مشورہ کون دے سکتا تھا ظاہر ہے میں اس قسم کا مشورہ دینے کا مجاز نہیں تھا۔ اس قسم کا مشورہ صرف ایک ہی جرنیل دے سکتا تھا اور وہ خود جنرل محمد ضیاء الحق تھے۔ علی احمد تالپور مرحوم سے

Marfat.com

میری تو ویسے بھی علیک سلیک نہیں تھی۔ وہ جنرل محمد ضیاء الحق کے قریب رہے ہیں اور ملک کے وزیر دفاع بھی رہے ہیں۔ ممکن ہے جنرل محمد ضیاء الحق کے حوالے سے ان کے ذہن میں کوئی بات ہو جو انہوں نے انٹرویو کے دوران آپ سے کہہ دی ہو۔ اس کی نفی یا تائید تو صرف جنرل محمد ضیاء الحق ہی کر سکتے ہیں۔ ویسے میرا اندازہ ہے کہ بھٹو کو اس قسم کا مشورہ دیا جاتا تو وہ اسے ہرگز بھی قبول نہ کرتے۔

سوال: کیا بھٹو مرحوم کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

جواب: جب مارشل لاء نافذ ہوا تو اس وقت تو یہ بات میں بھی نہیں جانتا تھا کہ حالات کیا رخ اختیار کر لیں گے۔ جب مارشل لاء کے نفاذ کا فیصلہ کیا گیا تو یہ طے پایا تھا کہ فوج تین ماہ کے اندر اندر انتخابات کرانے کے بعد بیرکوں میں چلی جائے گی۔ اس کا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی سب سے پہلی نشری تقریر میں برملا اعتراف کر لیا تھا۔ ازاں بعد، انتخابات کو مؤخر کیا گیا۔ مگر بعد میں نامعلوم عرصے تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ میرا خیال ہے کہ بھٹو صاحب کو اس امر کا یقین تھا کہ فوج زیادہ عرصہ اقتدار پر قابض نہیں رہے گی۔ انتخابات ہوں گے اور پیپلز پارٹی جیت جائے گی۔ ظاہر ہے اس قسم کا یقین ہونے کے باعث بھٹو کے مرتبے کا سیاسی لیڈر جان بچانے کی سودے بازی نہیں کر سکتا تھا۔ اب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ انتخابات کو بار بار کیوں مؤخر کیا جاتا رہا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو اقتدار کی لت لگ چکی تھی۔ وہ جیسے تیسے انتخابات کو ٹالتے رہے۔ فوج کی جس ہائی کمان نے مارشل لاء نافذ کیا تھا اس میں سب سے پہلے ملک کے اندر جمہوریت کی بحالی کے لئے میں نے آواز اٹھائی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ مجھے نہ صرف ریٹائر ہونا پڑا بلکہ ایک وفاقی سیکرٹری کے اشارے پر اخبارات میں اس قسم کا زہریلا پراپیگنڈہ بھی کیا گیا کہ بھٹو پر جیل میں تشدد ہوا اور یہ تشدد جنرل چشتی نے کیا۔

Marfat.com

سوال: چشتی صاحب، آپریشن فیئر پلے کے بعد، مری ریسٹ ہاؤس میں بھٹو مرحوم کے ساتھ جنرل محمد ضیاء الحق نے جو آخری ملاقات کی تھی، اس ملاقات میں جو تیسری شخصیت موجود تھی وہ آپ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بھٹو مرحوم نے اس ملاقات میں جنرل محمد ضیاء الحق کو برا بھلا کہا تھا اور ان کے ساتھ گفتگو میں ترش رویہ اختیار کیا تھا جس کے نتیجے میں جنرل محمد ضیاء الحق نے ۹۰ دن کے اندر انتخابات کرانے کا ارادہ بدل لیا اور انتخابات سے پہلے احتساب کا سلسلہ شروع کرا دیا۔ کیا آپ بتائیں گے کہ بھٹو مرحوم اور جنرل محمد ضیاء الحق کے مابین اس ملاقات میں کیا گفتگو ہوئی تھی۔ یاد رہے کہ یہ گفتگو، آپ کے پاس قومی تاریخ کی امانت ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ کہ بھٹو مرحوم اور جنرل محمد ضیاء الحق کے مابین مری میں ہونے والی ملاقات ان دونوں کی آخری ملاقات نہیں تھی۔ آخری ملاقات اس کے بعد کسی مرحلے پر اس وقت ہوئی تھی جب ۱۲۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے مجوزہ انتخابات کے لئے انتخابی مہم چل رہی تھی۔ یہ ملاقات پنڈی میں ہوئی تھی اور اگست ۱۹۷۷ء میں ہوئی تھی۔

مری میں ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل محمد ضیاء الحق کی گفتگو کے وقت میں جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ موجود تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کوئی تلخ یا ترش لہجہ اختیار نہیں کیا تھا۔ گفتگو کے وقت مرحوم لیڈر کا لب ولہجہ شائستہ اور مہذب تھا اور وہ خوشگوار موڈ میں تھے۔ اس ملاقات میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جس کے نتیجے میں جنرل محمد ضیاء الحق انتخابات کو ملتوی کر دینے کا فیصلہ کرتے۔ دونوں لیڈروں کے مابین جو گفتگو ہوئی تھی وہ بلاشبہ میرے پاس تاریخ کی امانت ہے۔ بھٹو صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ صرف میں جانتا ہوں کہ مری میں ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل ضیاء الحق کو کیا کہا تھا میں سمجھتا ہوں کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ گفتگو منظر عام پر آئے۔ میں نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد رونما ہونے والے واقعات پر ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ پاکستان کی تاریخ کے اس دور کی کہانی ہے جس کا

Marfat.com

میں چشم دید گواہ ہوں۔ اس کتاب میں میں نے بہت سے پس پردہ حقائق رقم کئے ہیں۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے اور اس کا مسودہ لندن میں ایک پبلشر کے پاس محفوظ ہے۔ میرے اشارے پر صرف چند روز میں چھپ کر منظر عام پر آسکتی ہے۔ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس صورت میں اس پبلشر کو یہ ہدایت ہے کہ فی الفور اس کتاب کو شائع کردے۔ س کتاب کی اشاعت کا وقت قریب آرہا ہے۔ بہت جلد چھپ جائے گی۔

سوال: کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ کتاب اس وقت چھپے جب جنرل محمد ضیاء الحق برسر اقتدار نہ ہوں، کیا یہ سمجھا جائے کہ آپ خوفزدہ ہیں؟

جواب: کوئی مائی دا لعل جنرل چشتی نوں خوفزدہ نئیں کر سکدا۔ میں چاہوں گا کہ یہ کتاب جنرل محمد ضیاء الحق کے دور اقتدار میں اور ہم دونوں کی زندگی میں چھپ کر منظر عام پر آئے اور انشاء اللہ یہی ہوگا۔ جنرل محمد ضیاء الحق ابھی چیف آف پاکستان آرمی سٹاف ہیں ابھی تو شاید وہ ۱۹۹۰ء میں اس عہدے سے ریٹائر ہوں گے اور اس کے بعد عملی سیاست کا آغاز کریں گے۔

سوال: آپ کے خیال میں کیا آئندہ انتخابات ۱۹۹۰ء میں ہی ہونے چاہئیں؟

جواب: اگر موجودہ حکومت کو آپ قانونی اور جائز حکومت سمجھتے ہیں تو انتخابات ۱۹۹۰ء میں ہی ہونے چاہئیں اور اگر آپ کے نزدیک یہ حکومت غیر قانونی اور ناجائز ہے تو انتخابات فی الفور ہو جانے چاہئیں۔

سوال: آپ کے نزدیک کیا مڈٹرم انتخابات کا کوئی جواز موجود نہیں ہے؟

جواب: میرے خیال میں ۱۹۹۰ء سے پہلے انتخابات کے لئے ایشوز تو موجود ہیں۔ اگر انتخابات ہوتے ہیں تو انہیں مڈٹرم انتخابات کی بجائے ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق جائز اور قانونی حکومت برسر اقتدار لانے کے لئے کرایا جائے۔ جنرل محمد ضیاء الحق کا موقف دوسرا ہے اور اب یہی موقف برسر اقتدار پاکستان مسلم لیگ کا بھی ہے جبکہ ایم آر ڈی میں شامل

Marfat.com

سیاسی جماعتیں موجودہ پارلیمنٹ اور موجودہ حکومت کو جائز اور قانونی نہیں سمجھتیں۔

سوال: اب تو پیپلز اپرٹی کی سوچ میں بھی تبدیلی آ رہی ہے۔ پارٹی کی شریک چیئرمین مس بے نظیر بھٹو پارلیمانی گروپ سے خطاب کر رہی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کے اندر اپنا گروپ قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟

جواب: اگر ایسا ہے تو میرے خیال میں پیپلز پارٹی کی سوچ میں یہ ایک مثبت تبدیلی ہوگی۔ سیاسی حقائق کو تسلیم کر کے اگر پیپلز پارٹی پارلیمنٹ کے اندر اور باہر سے پاکستان مسلم لیگ پر ۱۹۹۰ء سے پہلے انتخابات کے لئے دباؤ ڈالتی ہے اور حکومت کو ۱۹۹۰ء سے پہلے انتخابات کرانے کے لئے مجبور کر دیتی ہے تو ان انتخابات کو مڈٹرم انتخابات کہا جائے گا۔ پیپلز پارٹی کے پارلیمانی گروپ بنانے سے ویسے بھی بہت سے ممبران پارلیمنٹ کی وفاداریاں، پاکستان مسلم لیگ سے پیپلز پارٹی کی طرف منتقل ہو جائیں گی۔

سوال: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

جواب: کیا پاکستان مسلم لیگ میں پیپلز پارٹی کے لوگ موجود نہیں ہیں۔ محمد خان جونیجو کی کابینہ میں مس بے نظیر بھٹو کے آدمی شامل ہیں اور انہیں آپ بھی جانتے ہیں۔

سوال: مگر وہ لوگ تو اب پاکستان مسلم لیگ میں ہے؟

جواب: ایسے لوگ ادھر بھی ہوتے ہیں اور ادھر بھی ہوتے ہیں۔ ہر پارٹی میں دوسری پارٹی کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اگر راؤ رشید جیسے سرکاری ملازم کے ذریعے ایئر مارشل اصغر خان کو پاکستان قومی اتحاد کا سربراہ منتخب ہونے سے روکا جا سکتا ہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے جو مجلس شوریٰ بنائی تھی اس میں بھی پیپلز پارٹی کے لوگ موجود تھے اور لوکل باڈیز کے پہلے انتخابات میں جو لوگ عوام دوست بن کر منتخب ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب کیا پیپلز پارٹی کے نہیں تھے؟ ان میں سے کچھ لوگ یقیناً اہل اقتدار کے ساتھی بن گئے ہوں گے

Marfat.com

مگر بیشتر ایسے بھی ہوں گے جو پیپلز پارٹی کی قیادت سے رہنمائی لیتے ہیں۔وہ لوگ جو کل تک پیپلز پارٹی میں تھے اور آج برسر اقتدار پارٹی کے مشیر اور وزیر بن بیٹھے ہیں وہ اگر پیپلز پارٹی کے جاسوس نہیں ہیں تو پھر وہ پاکستان مسلم لیگ کے بھی وفادار نہیں ہیں۔وہ طالع آزما اور موقع پرست ہیں اور اس قسم کے لوگ نئے انتخابات سے پہلے ہی پیپلز پارٹی کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیں گے۔

سوال: چشتی صاحب، اسلام آباد سے چھپنے والے ایک جریدے میں بیگم نصرت بھٹو کا ایک انٹرویو چھپا تھا جس میں نصرت بھٹو کے حوالے سے لکھا گیا تھا کہ جنرل رشتی کو معاف نہیں کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔آپ نے یہ انٹرویو پڑھا ہوگا۔اس پر کچھ تبصرہ ہو جائے؟

جواب: یہ انٹرویو من گھڑت تھا اور بیگم نصرت بھٹو نے اس کی تردید کر دی تھی۔اس جریدے کے مدیر نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا کہ میں جواباً اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کروں اور میں نے اسے منہ نہیں لگایا تھا کیونکہ یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ ان مدیر صاحب کو حکومت کے کسی بڑے کی سرپرستی حاصل تھی۔بھٹو مرحوم کی پھانسی اور جیل میں بھٹو پر ہونے والے مبینہ تشدد کے سلسلے میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کر چکا ہوں اور یہ وضاحت میں نے بیگم نصرت بھٹو یا مس بے نظیر بھٹو کے لئے نہیں کی۔قوم کے لئے کی ہے کہ بھٹو قوم کا لیڈر تھا۔ویسے بھی مجھے یقین ہے کہ تاریخ کی سچائیاں بہت عرصہ تک چھپائی نہیں جا سکتیں۔

سوال: اگر مس بے نظیر بھٹو اس سلسلے میں آپ سے ملاقات کر کے اصل حقائق معلوم کرنا چاہیں تو؟

جواب: میرے خیال میں مس بے نظیر بھٹو کو اصل حقائق کا قطعی طور پر علم ہے تاہم اگر انہوں نے کبھی مجھ سے اس سلسلے میں حقیقت حال جاننا چاہی تو مجھے حقیقت بیان کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔

Marfat.com

سوال: اگر آپ کو پاکستان مسلم لیگ، این پی پی، تحریک استقلال اور پیپلز پارٹی سب کی طرف سے اپنے پلیٹ فارم سے سیاست کرنے کی دعوت دی جائے تو آپ کس پارٹی کو ترجیح دیں گے۔

جواب: اگر مجھے مستقبل میں سیاست کرنی ہے تو مجھے کچھ لوگوں کو ساتھ ملا کر چلنا ہوگا یا خود کچھ لوگوں کے ہمراہ چلنا ہوگا۔ میں باضمیر آدمی ہوں۔ کسی ایسی پارٹی ہی کو ترجیح دوں گا جس میں بے ضمیر اور طالع آزما افراد کی بہتات نہ ہو۔ میں اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔

سوال: چشتی صاحب آپ پاک فوج کے بہت نامی گرامی جرنیل رہے ہیں، کیا آپ پاکستان کی دفاعی پالیسی سے مطمئن ہیں۔ خصوصاً اس تناظر میں کہ جب پاک فضائیہ کے ایک سابق سربراہ نے ایف۔۱۶ طیارے کے مرگرائے جانے پر یہ بیان بھی دیا ہے کہ پاکستان کے پائلٹ ایسے طیاروں کے چلانے میں مہارت نہیں رکھتے۔ سابق ایئر مارشل ذوالفقار علی خان نے الزام لگایا ہے کہ طیارہ پاکستانی پائلٹ کی فنی عدم واقفیت کے باعث گر کر تباہ ہوا ہے؟

جواب: ادیب صاحب! جہاں تک پاکستان کی دفاعی پالیسی کا تعلق ہے میں پہلے بھی اشارتاً کہہ چکا ہوں کہ جنرل محمد ضیاء الحق کی دفاعی پالیسی نے قوم کو مایوس کیا ہے۔ آپ نے ایف۔۱۶ طیارے کے مار گرائے جانے یا گر کر تباہ ہونے سے متعلق سابق ایئر مارشل ذوالفقار کے حوالے سے جو سوال اٹھایا ہے اس کا جواب آسان نہیں ہے۔ ویسے میں جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ ملک کی مسلح افواج ملک کے دفاع کے لئے ہوتی ہیں۔ افغانستان کے ہوائی جنگی طیارے اکثر پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں اور ہمارے علاقے میں بمباری کا سلسلہ وقتاً فوقتاً جاری رہا ہے اور پاکستانی فضائیہ نے جواباً کبھی

Marfat.com

کوئی کاروائی نہیں کی۔قوم یہ سوال کرتی ہے کہ کیا پاکستانی فضائیہ کو آرام سے بیٹھنے کی تنخواہ دی جاتی ہے۔یہ جوابی حملہ کیوں نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے اسمبلی میں بھی یہ سوال اٹھتا رہا ہے۔جب یہ سوال بار بار پوچھا گیا تو پاکستان کی طرف سے ایک دو مرتبہ افغانستان کے طیاروں کے مار گرائے جانے کا اعتراف بھی کیا گیا۔ مجھے پتہ نہیں کہ یہ بات سچ ہے یا جھوٹ میں تو پاکستان کے اس دعوے کو اس صورت میں سچ سمجھتا ہوں کہ جب مار گرائے جانے والے افغان طیارے کا ملبہ پاکستان میں گرا ہو۔اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ملبہ افغانستان کی حدود میں گرتا دیکھا گیا ہے تو میں اسے سچ نہیں مانتا۔میرے نزدیک افغانستان کے طیاروں کے مار گرائے جانے والی بات محض افسانہ ہے۔باقی رہی یہ بات کہ ہمارا ایف۔۱۶ طیارہ کیسے تباہ ہوا۔اس کے گرنے کی وجوہات فنی بھی ہو سکتی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے دشمن نے نشانہ بنایا ہو۔اس امر کی تصدیق کرنے کے لئے کہ طیارہ فنی خرابی کے باعث گر کر تباہ ہوا یا اسے دشمن نے ہدف بنایا ہے۔طیارے کے تباہ شدہ ڈھانچے اور ملبے کو دیکھا جا سکتا ہے۔اگر یہ ملبہ پاکستان کی حدود میں گرا ہے تو اس کا معائنہ کر کے اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے اور اگر یہ ملبہ دشمن کے علاقے میں گرا ہے تو اس کی وجہ کچھ بھی ہو سکتی ہے۔یہ کہنا مناسب نہیں ہوگا کہ پاکستان کے پائلٹ ان طیاروں کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔میرے خیال میں پاکستانی پائلٹ، دنیا کے بہترین پائلٹوں میں شمار ہوتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ ایف۔۱۶ طیاروں کو مہارت کے ساتھ کنٹرول نہ کر سکتے ہوں۔

سوال: اگر امریکہ پاکستان کو سراغرساں اواکس طیارے دے دیتا ہے تو کیا اس خطے کے امن وامان کو کوئی اندیشہ تو نہیں ہے؟

جواب: یہ خطہ جسے ہم جنوبی ایشیاء کہتے ہیں پہلے ہی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے۔ دونوں سپر طاقتوں کی نظریں اس خطے پر اپنے اپنے مفادات کے لئے لگی ہوئی ہیں۔ہم نے

Marfat.com

امریکی مفادات کی نگرانی قبول کر کے خود کو روس کی نظروں میں کانٹا بنا رکھا ہے۔ بھارت ہمارا ازلی دشمن ہے اور کسی بھی جنگ کے لئے تیار رہتا ہے۔ ان حالات میں یہ کہنا کہ اواکس طیاروں کی وجہ سے اس خطے کا امن ختم ہو جائے گا۔ یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی۔ اواکس طیاروں کے آجانے سے پاکستان کا دفاع یقیناً مضبوط ہو سکتا ہے۔

سوال: چند روز پیشتر وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے گلگت کا دورہ کیا تو وہ سیاچین گلیشیر کے علاقے میں بھی گئے اور انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ پاکستان کا ایک انچ علاقہ بھی بھارت کے قبضے میں نہیں ہے؟

جواب: ع، جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

محمد خان جونیجو کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہ بادشاہ آدمی ہیں۔ میں جنرل ضیاء الحق سے ان کی لڑائی نہیں کروانا چاہتا، میرا مطلب محاورے والے بادشاہ سے ہے۔ سیاچین گلیشیر پر کون کس جگہ کھڑا ہے، یہ تو محمد خان جونیجو سے کہیں زیادہ بہتر جنرل محمد ضیاء الحق جانتے ہیں اور جنرل محمد ضیاء الحق بھارت کا مقابلہ کس طرح کرتے ہیں۔ اس کی مثال کچھ اس طرح ہے۔ گلی میں بچے کھیلتے ہوئے لڑ پڑتے ہیں اور بسا اوقات ان بچوں کی وجہ سے بڑے بھی لڑنے لگتے ہیں۔ اگر دو پڑوسی گھروں سے باہر نکل آئیں اور ایک دوسرے کو چیلنج کرنا شروع کر دیں اور پھر ان میں سے ایک یکا یک اپنے گھر کو واپس مڑ جائے تو ہمارے معاشرے میں اسے کمزور شمار کیا جاتا ہے۔ بھارت کی فوجیں ہماری سرحدوں پر آن کھڑی ہوئیں۔ ہماری فوجیں بھارت کی سرحد کے پاس پہنچ گئیں مگر اس سے پہلے کہ لڑائی ہوتی آپ نے منت کر لی اور بھارت کی فوجیں واپس چلی گئیں۔ کیا آپ اس طرح نہیں سمجھتے کہ بھارت بغیر لڑے اپنی فتح منوا کر واپس چلا گیا۔ آپ نے ایک جنگ لڑے بغیر ہی ہار دی اور اسے سیاسی تدبر کا نام دے رہے ہیں۔ اگر بھارت کی فوج آ گئی تھی تو ہماری فوج کس مقصد کے لئے تھی؟ اگر

Marfat.com

بھارت کی فوج ہماری سرحدوں کے اندر پیش قدمی کرتی ہے تو ہماری فوج کا یہ کام تھا کہ اسے روکتی۔ وہ قدم بڑھاتے تو انہیں ان کا پاؤں کاٹتی، ہاتھ بڑھاتے ہیں تو ہاتھ کاٹ دینا چاہئے۔ ہماری فوج تنخواہ بھی اسی کام کی لیتی ہے اور اس کا فرض ہے بھی یہی ہے۔ اس بات کی تنخواہ نہیں لیتی کہ دشمن کو یہ کہے کہ جناب آپ واپس چلے جائیں، آپ طاقت ور ہیں ہم کمزور ہیں، لڑنا نہیں چاہتے۔ بھئی کیوں لڑنا نہیں چاہتے۔ مگر آپ نے یہی کیا ہے۔ منت کر کے جنگ کو ٹال دیا ہے۔ سیاچین گلیشئر پر پاکستان کی فوج جس جگہ بیٹھی ہے وہ تو بلاشبہ پاکستان کا علاقہ ہے مگر جس جگہ بھارت کی فوج مورچہ بند ہے وہ کس کا علاقہ ہے۔ وزیراعظم محمد خان جونیجو اپنا جغرافیہ کا علم بڑھائیں۔ میں نے ''آؤ احتساب کریں'' کے عنوان سے آزاد کشمیر پر مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا اور اس میں سیاچین گلیشیر کی ساری پوزیشن لکھ چکا ہوں۔ میں اس میں یہاں تک لکھ چکا ہوں کہ بھارت کشمیر کو کتر کتر کر کھا جائے گا۔ وہ حملہ نہیں کرے گا مگر کشمیر کو ہڑپ کرنے کا سلسلہ جاری رکھے گا۔

سوال: جنرل صاحب! سیاچین گلیشیر کے حوالے سے بات چلی ہے تو مجھے یاد آیا ہے کہ ٹائمز آف انڈیا کے مطابق بھارت کے جن فوجی افسروں کو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جانے پر اعلیٰ فوجی اعزازات دیئے گئے۔ ان میں چھ ایسے فوجی افسر اور جوان بھی شامل تھے۔ جنہوں نے مشرقی قراقرم کی پہاڑیوں پر انیس ہزار فٹ کی بلندی پر پاکستانی فوج جوابی حملے میں 'بہادری' کا مظاہرہ کیا تھا۔ صوبہ بہار سے تعلق رکھنے والے میجر مہاویر سنگھ کو اس کارنامے پر 'کرتی چکر' دیا گیا کہ اس نے مشرقی لداخ میں ان پاکستانی دستوں کو پسپا کر دیا تھا جو بھارت کے فوجی دستوں پر اچانک حملہ کرنے والے تھے۔ اسی طرح لیفٹننٹ آفیسر وجے کما ستیارام کو 'سوریا چکر' دیا گیا اور ان کا کارنامہ یہ بتایا گیا کہ ہیلی کاپٹر پائلٹ ہیں اور انہوں نے جموں کشمیر کنٹرول لائن پر زمین سے فضاء میں مار گرانے والے میزائل کی زد میں آنے

Marfat.com

کے باوجود خود کو نہ صرف بچایا بلکہ میزائل سائٹ کو اپنے آرٹلری فائر کی زد میں لانے کے لئے ہیلی کاپٹر کو فضاء میں بلند کئے رکھا۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہیں گے؟

جواب: ادیب صاحب! جب میں نے یہ کہا ہے کہ وزیراعظم محمد خان جونیجو اپنا جغرافیہ کا علم بڑھائیں اور اپنے لئے کسی فوجی مشیر کا بندوبست کریں تو میرا یہ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ محمد خان جونیجو سیاچین گلیشیر کے متعلق پاکستانی فوج کی ناکامی سے بے خبر نہیں ہیں۔ بھارت نے سیاچین گلیشیر کے حوالے سے اپنے فوجی افسروں اور جوانوں کو اعلیٰ ترین فوجی اعزازات سے نوازا ہے اور اس کا زور شور سے پروپیگنڈہ بھی کیا ہے تو ان سے بھی پوچھ لیجئے۔ انہوں نے سیاچین گلیشیر کے حوالے سے کیا تیر مارا ہے۔ کن افسروں اور جوانوں نے وہاں کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

سوال: جنرل صاحب! کیا ایسا تو نہیں کہ پاکستان نے بھارت کے ساتھ تعلقات کی کشیدگی کو کم کرنے کے لئے اپنی عسکری کامیابیوں کو زیادہ نہ اچھالا ہو؟

جواب: لداخ اور قراقرم کی پہاڑیوں اور دوسرے مقامات پر جن کامیابیوں کے حوالے سے بھارت کے فوجی افسروں اور جوانوں کو اعزازات سے نوازا گیا ہے۔ ان میں سے ہر محاذ کا دوسرا فریق کون تھا؟ کیا دوسرا فریق ہم نہیں تھے۔ اگر دوسرا فریق ہم تھے تو پھر اس قسم کی مصلحتوں کا حاصل کیا ہے۔ ہمارے ہاں اس قسم کے واقعات سے انکار کیوں کیا جا رہا ہے۔ معاہدہ شملہ ہو یا معاہدہ تاشقند، نئی دہلی مذاکرات ہوں یا اسلام آباد مذاکرات، جب تک سرحد کے دونوں طرف پروپیگنڈہ پالیسی میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہوگی۔ اس وقت تک برصغیر کے دونوں بڑے ممالک کے درمیان پائیدار اور پرامن تعلقات کی ضمانت ممکن نہیں ہے۔ بھارت کا رویہ آپ کے سامنے ہے اور اس رویئے کا جواب اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

سوال: وزیراعظم جونیجو کو ایک کریڈٹ تو بہر طور جاتا ہے کہ انہوں نے جرنیلوں کی مدت

Marfat.com

ملازمت میں توسیع کا سلسلہ بند کر دیا ہے؟

جواب: جن جرنیلوں کو ریٹائر کیا گیا ان کے عہدوں پر مدت ملازمت تین تین سال کی تھی۔ ان جرنیلوں کی مدت ملازمت میں توسیع نہیں کی گئی۔ اچھا ہوا، یہی ہونا چاہئے تھا مگر اس کے ساتھ ایک حقیقت کو آپ بھول رہے ہیں۔ جن جرنیلوں کو پروموٹ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کی عمر اس وقت تریسٹھ سال کی ہے۔ جو ساٹھ سال پورے کر چکا ہے۔ اسے پروموٹ کرنے کی بجائے ریٹائر کیوں نہیں کیا گیا۔ لیفٹننٹ جنرل کے لئے مدت ملازمت چار سال ہوتی ہے، آپ خود بھی لکھ چکے ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک آدھ سال کی توسیع مل سکتی ہے مگر جو شخص تریسٹھ سال کا ہو چکا ہے اسے یقیناً ایک سے زیادہ مرتبہ توسیع ملی ہوگی۔ اس کی مدت ملازمت میں توسیع کیوں کی جاتی رہی۔ اگر وہ پروموشن کا مستحق تھا تو مدت ملازمت میں توسیع کے بجائے پہلے ہی اسے ترقی کیوں نہ دے دی گئی۔ اس جرنیل کو اور ایسے دوسرے جرنیلوں کو کس مقصد کے لئے توسیع دی جاتی رہی ہے۔ اگر محمد خان جونیجو نے وائس چیف آف آرمی سٹاف اور چیئرمین جوائنٹ چیفس آف آرمی سٹاف کو ریٹائر کر دیا ہے اور ان کی مدت ملازمت میں توسیع نہیں کی ہے اور اپنے اس کارنامے کا لندن تک فخر کے ساتھ اظہار کرتے آئے ہیں تو انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جن جرنیلوں کو انہوں نے پروموٹ کیا ہے ان کو ایکسٹینشن کیوں ملتی رہی ہے۔ پہلے ہی پروموشن کیوں نہیں مل گئی تھی۔ ساٹھ سال کی عمر سے زیادہ کے ملازم کو ترقی دینے میں جونیجو صاحب نے کونسا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ کن خدمات کا صلہ دیا گیا ہے۔ جونیجو صاحب لگے ہاتھوں اس کا تذکرہ بھی فرما دیں تو قوم کو پتہ چل جائے گا۔

سوال: آپ کا اشارہ کس جرنیل کی طرف ہے؟

جواب: آپ ریسرچ سکالر ہیں۔ اس قسم کے کھوج لگانا آپ کا کام ہے۔ میں نے جن

Marfat.com

لوگوں کے لئے کہا ہے وہ سمجھ جائیں گے۔ شاہد جونیجو صاحب نہ سمجھ سکیں تو اس کے لئے میرا انہیں یہ مشورہ ہے کہ انہیں دفاعی امور کے لئے اپنا ایک مشیر رکھ لینا چاہئے تا کہ جرنیلوں کی ترقیوں اور دفاع سے متعلق ان کے بیانات ان کے لئے پشیمانی کا باعث نہ بنیں۔ میں نے جس جرنیل کی عمر کی طرف اشارہ کیا ہے وہ جنرل عارف اور جنرل رحیم الدین دونوں سے سنیئر تھا۔ اسے پہلے ترقی کیوں نہیں دی گئی اور اب اس کا مستحق کیوں ٹھہرا؟

سوال: آپ نے کہا ہے کہ وزیراعظم کو ڈیفنس ایڈوائزر کی ضرورت ہے۔ اس سے آپ کی کیا مراد ہے۔ کیا آپ یہ بات سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں؟

جواب: میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ وزیر دفاع کی حیثیت میں انہیں فی الواقع کسی ایسے شخص کو اپنا مشیر بنالینا چاہئے جو ان کو ڈیفنس کے متعلق صحیح اور بے لاگ مشورے دے سکے۔ بالکل اسی طرح جس طرح سیاسی مشیر ہوتا ہے۔

سوال: اگر آپ کا مشورہ پڑھ کر انہوں نے آپ سے کہا کہ چشتی صاحب تشریف لے آیئے؟

جواب: فیض علی چشتی قوم کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہے مگر مجھے وزیراعظم کے اس حد تک بااختیار ہونے پر شبہ ہے۔ میرے نزدیک اصل اقتدار جونیجو صاحب کے پاس نہیں ہے اور جن ہاتھوں میں اقتدار ہے وہ ہاتھ مجھے برسوں پہلے ریٹائرمنٹ کا پروانہ دے کر گھر بھجوا چکے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

گزارشات

Marfat.com

میں نے اپنے دورِ وزارت میں لیبر پالیسی تیار کرلی تھی

حوالہ اشاعت ..... ہفت روزہ حرمت یکم اکتوبر ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر حرمت کا پیش لفظ

حکومت کی طرف سے لیبر پالیسی کے اعلان میں تاخیر ہونے کے باعث آجروں اور مزدوروں کے حلقوں کی جانب سے بے چینی کا اظہار کیا جارہا ہے، اس ضمن میں کئی سوالات پوچھے جارہے ہیں۔ لیبر پالیسی کے اعلان میں کیا امر مانع ہے؟ متعلقہ حکام ہی اس سلسلہ میں اطمینان بخش جواب دے سکتے ہیں۔ سابق وزیر محنت و افرادی قوت ریٹائرڈ لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی نے ''حرمت'' کے لئے اپنے اس خصوصی مضمون میں دعویٰ کیا ہے کہ ان کے عہد وزارت میں لیبر پالیسی کی تشکیل ہوگئی تھی اور صرف اس کا اعلان ہونا باقی تھا کہ انہیں ان کے حکومتی منصب سے علیحدہ کردیا گیا۔ یہ مضمون لیبر پالیسی کی تیاری سے متعلق کئی پہلوؤں سے پردہ اٹھاتا ہے۔

اہم نکات

☆ میں نے لیبر کمیشن کے چیئرمین کو ہدایت کی تھی کہ وہ چھ ہفتوں میں رپورٹ پیش کریں

☆ لیبر پالیسی کے اعلان سے پہلے مجھے سبکدوش کردیا گیا تھا۔ مجھے لیبر پالیسی کی تشکیل میں تاخیر کا ذمہ دار ٹھہرانا بلاجواز ہے

Marfat.com

تحریر: لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) فیض علی چشتی سابق وفاقی وزیر

محنت وافرادی قوت

وفاقی وزیر محنت وافرادی قوت غلام دستگیر خان نے روزنامہ نوائے وقت کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے قومی لیبر پالیسی پر اظہار خیال کیا ہے، جس میں وزیر موصوف نے لیبر پالیسی کے اب تک منظر عام پر نہ آنے کی ذمہ داری میرے عہد وزارت پر ڈالنے کی کوشش کی ہے، چونکہ غلام دستگیر خان نے قومی لیبر پالیسی کے اعلان میں تاخیر کی ذمہ داری مجھ پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے میرے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ میں قوم کے سامنے 'حرمت' کے توسط سے صورتحال کی وضاحت کر دوں تا کہ ریکارڈ درست رہے۔

چونکہ وزیر محنت وافرادی قوت نے انٹرویو روزنامہ 'نوائے وقت' کو دیا ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ روزنامہ نوائے وقت ہی کے حوالے سے وضاحت کی جائے لیکن متذکرہ روزنامہ میں شائع شدہ خبروں اور اداریوں کا حوالہ دینے سے پہلے میں قارئین کے سامنے اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگرچہ لوگوں کی یادداشت کمزور ہوتی ہے لیکن میرے خیال میں صحافیوں کی یادداشت کمزور نہیں ہوتی کہ وہ قوموں کی تاریخ کے ہر مرحلہ اور ہر واقعہ کا مکمل ادراک رکھتے ہیں۔ لہٰذا میری رائے میں صحافیوں کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا چاہئیں اور کسی بھی شخص کی طرف سے قومی معاملات اور تاریخ سے متعلق مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔

میں نے ۲۱ اپریل ۱۹۷۹ء کو بطور وفاقی وزیر محنت وافرادی قوت و امور شمالی علاقہ جات کی حیثیت سے حلف اٹھایا تھا اور ۳۰ مارچ ۱۹۸۰ء کو وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اس عرصہ میں قومی لیبر پالیسی کی تشکیل کے ضمن میں، میں نے اور میری وزارت نے کیا کچھ کیا تھا۔

Marfat.com

اس کی وضاحت کے لئے میں صرف روزنامہ نوائے وقت (جس میں غلام دستگیر خان وفاقی وزیر محنت وافرادی قوت) کا انٹرویو شائع ہوا ہے کی خبروں اور اداریوں کے متعلقہ حصے بطور ثبوت پیش کروں گا تا کہ اصل صورتحال کی وضاحت ہو سکے۔ قارئین کے مزید اطمینان کے لئے نوائے وقت کے محولہ شمارے خود دیکھ سکتے ہیں۔ میرے عہد وزارت کے دوران قومی لیبر پالیسی کی تشکیل کے مختلف مرحلوں سے متعلق نوائے وقت میں جو خبریں اور اداریئے چھپے ان کے متعلقہ حصے پیش خدمت ہیں۔ یہ خبریں اور اداریئے وفاقی وزیر محنت وافرادی قوت کے اعتراض کے جواب میں ہیں۔

''لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی نے بطور وفاقی وزیر محنت، افرادی قوت وامور شمالی علاقہ جات حلف اٹھالیا''۔ (نوائے وقت راولپنڈی، ۲۲ مارچ ۱۹۷۹ء)۔

لیبر کمیشن چھ ہفتوں تک اپنی رپورٹ پیش کرے گا۔ (نوائے وقت ۸ مئی ۱۹۷۹ء)۔

یہاں میں یہ کہنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے جسٹس عطاء اللہ سجاد کو جو کمیشن کے سربراہ تھے ہدایت کی تھی کہ وہ چھ ہفتوں کے اندر اندر رپورٹ پیش کر دیں۔

''وفاقی وزیر محنت وافرادی قوت اور الیکشن سیل کے چیئرمین لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی نے بتایا کہ لیبر کمیشن نے رپورٹ مکمل کر لی ہے جو اس ماہ کے آخری ہفتہ میں کمیشن کے سربراہ جسٹس عطاء اللہ سجاد مجھے پیش کر دیں گے۔ (نوائے وقت ۲۱ جون ۱۹۷۹ء)۔

''وفاقی وزیر محنت لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی نے توقع ظاہر کی ہے کہ انہیں لیبر کمیشن کی

Marfat.com

رپورٹ عنقریب مل جائے گی۔ وہ آجروں اور مزدوروں کے نمائندوں سے بات چیت کے بعد لیبر پالیسی کے بارے میں رپورٹ صدر کو پیش کر دیں گے۔ جنرل چشتی نے کہا کہ وہ سیمیناروں پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ مزدوروں کے لئے بونس کے حق میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ مالک کو اس بات کا حق نہیں دیں گے کہ وہ منافع کھا کر مزدوروں کو حق نہ دیں۔ انہوں نے کہا کہ ورکرز کو اعتماد میں لینے کے لئے چینی طریقہ اختیار کرنا چاہئے بشرطیکہ پیشہ ور ٹریڈ یونین لیڈروں سے نجات مل جائے۔ (نوائے وقت راولپنڈی ۳ جولائی ۱۹۷۹ء)

وفاقی وزیر محنت و افرادی قوت لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی نے کہا ہے کہ لیبر کمیشن نے اپنی رپورٹ وفاقی حکومت کو پیش کر دی ہے۔ کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں نئی لیبر پالیسی تیار کی جائے گی۔ وفاقی وزیر محنت نے کہا کہ دسمبر ۱۹۷۸ء میں سہ فریقی لیبر کانفرنس ہوئی تھی۔ مزدوروں اور آجروں نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا تھا۔ اس کانفرنس کی رپورٹ صدر کو پیش کر دی گئی ہے۔ سفیروں کی کانفرنس میں جنرل چشتی کا خطاب۔ (نوائے وقت ۱۲ جولائی ۱۹۷۹)

"وفاقی وزیر محنت و افرادی قوت لیفٹننٹ جنرل چشتی نے کہا ہے کہ نئی لیبر پالیسی میں ملکی صنعت کے تمام شعبوں کے مفادات کا تحفظ ہوگا۔ صنعتی تعلقات کے لئے سازگار ماحول پیدا ہوگا اور مزدوروں کو جائز مقام دیا جائے گا۔ (نوائے وقت ۲۳ جولائی ۱۹۷۹ء)

وفاقی وزیر محنت نے کہا ہے کہ نئی لیبر پالیسی کابینہ کی منظوری کیلئے بھیج دی گئی ہے۔ حکومت نے لیبر پالیسی میں کارکنوں اور آجروں کے ساتھ انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ وفاقی وزیر نے بتایا کہ ان کی وزارت نے لیبر پالیسی کا مسودہ کابینہ کی منظوری کیلئے کیبنٹ ڈویژن کو بھیج دیا ہے اور کیبنٹ ڈویژن سے کہا ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو مسودہ کابینہ میں پیش

Marfat.com

کیا جائے۔(نوائے وقت ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

''وفاقی وزیر محنت و افرادی قوت لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی نے کہا ہے کہ لیبر پالیسی کے اعلان کا وقت آ جائے گا''۔(نوائے وقت راولپنڈی ۱۲ نومبر ۱۹۷۹ء)

''وفاقی کابینہ نے لیبر کمیشن کی رپورٹ پر بھی غور کیا اور کابینہ کی ایک سب کمیٹی قائم کی جو اس رپورٹ پر تفصیلی غور کر کے کابینہ کو اپنی سفارشات پیش کرے گی''۔(نوائے وقت راولپنڈی ۲۹ نومبر ۱۹۷۹ء)

''لیبر پالیسی کے بارے میں صدر نے کہا ہے کہ اس پر آج کل کابینہ کی سب کمیٹی غور کر رہی ہے اور اس کا جلد اعلان کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ نئی لیبر پالیسی جہاں متوازن ہو گی وہاں قومی مفادات کو دوسری باتوں پر ترجیح دی جائے گی۔ تاہم انہوں نے کہا کہ نئی لیبر پالیسی میں آجروں اور ملازمین دونوں کے مفادات کا تحفظ ہو گا''۔ لاہور میں صدر ضیاء کا تاجروں سے خطاب (نوائے وقت راولپنڈی ۱۴ دسمبر ۱۹۷۹ء)

''موجودہ حکمرانوں کو کوئی ایسی مجبوری لاحق نہیں وہ آسانی اور خوش اسلوبی کے ساتھ لیبر پالیسی مرتب کر سکتے ہیں جو پیداوار، امن و سکون اور انصاف کی بنیاد بن سکے''۔(''اداریہ'' نوائے وقت راولپنڈی ۱۳ فروری ۱۹۸۰ء)

'وفاقی وزیر پیداوار و صنعت لیفٹننٹ جنرل غلام حسن خن نے کہا ہے کہ کابینہ کی منظوری کے بعد لیبر کمیشن کی سفارشات کا اعلان کر دیا جائے گا۔ لیبر کمیشن کی رپورٹ کابینہ میں پیش کر دی گئی ہے''۔(نوائے وقت راولپنڈی ۲۱ فروری ۱۹۸۰ء)

Marfat.com

وفاقی وزیر خزانہ غلام اسحاق خان نے کہا ہے کہ قومی لیبر پالیسی کا عنقریب اعلان کر دیا جائے گا''۔ (نوائے وقت راولپنڈی ۱۱ مارچ ۱۹۸۰ء)

'نوائے وقت' کی ان خبروں اور اس کے اداریوں کے اقتباسات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ میری وزارت نے لیبر پالیسی کا مسودہ تیار کر لیا تھا اور یہ کہ مسودہ کابینہ میں پیش کر دیا گیا تھا۔ یہاں میں قارئین کی معلومات کے لئے اتنا پس منظر ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ لیبر پالیسی کا مسودہ جب کابینہ کے سامنے پیش کیا گیا تو کابینہ نے اسے ایک سب کمیٹی کے سپرد کر دیا تھا تا کہ اس مسودہ پر مزید غور و خوض کیا جائے۔ اس سب کمیٹی کے چیئرمین موجودہ وزیر داخلہ محمود ہارون تھے۔ اس سب کمیٹی نے مسودہ میں بعض ترامیم کر دی تھیں۔ سب کمیٹی نے مسودہ دوبارہ کابینہ کے سامنے پیش کیا تھا جس کی کابینہ نے منظوری دے دی تھی۔ اب صرف لیبر پالیسی کے اعلان کا مرحلہ باقی تھا۔

میں اپنے ہم وطنوں کو یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ لیبر پالیسی کے اعلان سے پہلے ہی مجھے فوج سے ریٹائرڈ کر دیا گیا تھا اور اس طرح میں نے وزارت محنت و افرادی قوت سے بھی استعفیٰ دے دیا تھا۔ میری حکومت سے علیحدگی کے بعد اس لیبر پالیسی کا اعلان کیوں نہ کیا گیا۔ مجھے اس ضمن میں کچھ پتہ نہیں ہو سکتا ہے کہ میں نے قوم کے لئے جو لیبر پالیسی تشکیل دی تھی وہ صنعتکاروں اور آجروں کے لئے قابل قبول نہیں تھی یا شاید اس کی کوئی اور وجہ تھی لیکن اتنا میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ پالیسی مزدوروں کے خلاف نہیں تھی۔

میں نے جو حقائق قارئین اور اپنے ہم وطنوں کے سامنے رکھے ہیں اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ وہ خود اندازہ کر سکیں کہ میں نے بحیثیت وزیر لیبر پالیسی کی تشکیل میں کوئی کوتاہی یا غفلت نہیں کی تھی بلکہ میں نے لیبر پالیسی کا مسودہ کابینہ سے منظور کرا لیا تھا۔ البتہ مجھے اس پالیسی کا

Marfat.com

اعلان کرنے سے پہلے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ خود صدر ضیاء الحق اور لیفٹننٹ جنرل غلام حسن اور وزیر خزانہ غلام اسحاق خان کے بیانات اس امر کی شہادت ہیں کہ لیبر پالیسی کی تشکیل کا کام مکمل ہو چکا تھا۔

اب اگر موجودہ وفاقی وزیر محنت یہ الزام لگاتے ہیں کہ میں نے کوئی لیبر پالیسی قوم کو نہیں دی تھی، اس کا فیصلہ کرنا ہم وطنوں کا کام ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں اسی اخبار میں شائع شدہ خبروں اور اداریوں کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ جس نے موجودہ وزیر محنت کا انٹرویو شائع کیا تھا۔ جس میں انہوں نے لیبر پالیسی کے حوالے سے میری کارکردگی پر تنقید کی ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

قابل عمل حل تلاش کریں

(ترجمہ پریس کانفرنس، لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی، ۱۶ جولائی ۱۹۸۳ء
راولپنڈی فلائنگ کلب)

میں پہلے ہی آپ کا اس تقریب میں آنے کا شکریہ ادا کر چکا ہوں اور اب پھر شکر گزار ہوں کہ آپ میری اس پریس کانفرنس کے لئے رک گئے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، میں لیفٹننٹ جنرل کی حیثیت سے اپنے رتبے سے چار سالہ مدت پوری کرنے پر مارچ ۱۹۸۰ء میں فوج سے ریٹائر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے وفاقی وزیر کی حیثیت سے تمام تقرریوں سے بھی استعفیٰ دے دیا۔ اس وقت میں پٹرولیم و قدرتی وسائل، محنت و افرادی قوت اور سمندر پار پاکستانیز، اور امور کشمیر و شمالی علاقہ جات کا وفاقی وزیر تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ انتخابی سیل کے چیئرمین کا عہدہ بھی اس استعفیٰ میں شامل ہے۔ گو اس کا خصوصیت سے ذکر نہیں کیا۔ اس وقت سے لے کر میں ملک کے عام شہری کی طرح پاکستان کے استحکام اور خوشحالی کا بہی خواہ ہوتے ہوئے حالات پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔

آج میں چاہتا ہوں کہ میرے خیالات، جیسے بھی ہیں۔ موجودہ صورتحال کے بارے میں ان کا اظہار کروں کیونکہ کہا جا رہا ہے کہ ۱۴ اگست ۱۹۸۳ء کو یا اس سے قبل ملک کے سربراہ کچھ اہم اور سنگین فیصلے کرنے والے ہیں۔

میں نے ہمیشہ ذہنی دیانت کی تلقین کی ہے اور مقدور بھر اس پر خود بھی ساری عمر عمل کیا ہے۔ میں یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ جب بھی ضرورت ہوئی میں نے نہ صرف مارشل لاء

Marfat.com

حکومت کو بلکہ اس سے پہلی حکومت کو بھی کسی تعصب، خوف یا رکھ رکھاؤ کے بغیر اپنی مخلص، بے لاگ اور صحیح رائے دی ہے۔ وفاقی وزراء اور دوسرے عمالِ حکومت جنہوں نے وقتاً فوقتاً میری باتیں سنی ہیں وہ یقیناً میرے اس دعوے کی تصدیق کریں گے بشرطیکہ ان میں اخلاقی جرأت ہو جس سے ان کی اکثریت محروم تھی۔

یہ میرا یقین ہے کہ بابائے قوم قائداعظم کی وفات کے بعد پاکستان ملک کے سربراہان کے ذہنی بددیانتی پر مبنی فیصلوں کا شکار رہا ہے۔ وہ سربراہ چاہے سویلین تھے یا فوجی۔ بددیانت فیصلے ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر بھی کئے جاتے ہیں۔ ارادی طور پر اس صورت میں جب سربراہ کرسی سے چپکا رہنا چاہتا ہے اور غیر ارادی طور پر اس وقت جب اس کے ماتحت لگے بندھے بددیانت تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ یہ تجزیہ اس لئے بددیانت ہوتا ہے کہ عام رجحان یہی ہے کہ افسروں کی، اوپر والوں کی، خوشنودی حاصل کی جائے اور ایسی رائے دی جائے جو انہیں پسند آئے یا جو اُن کے لئے موزوں ہو۔ نیچے کا عملہ یا ادارے عموماً سچ کا اظہار کرتے ہیں لیکن جوں جوں بات اوپر جاتی ہے تو یہ مسخ ہوتی جاتی ہے اور اس کی غلط تعبیر کی جاتی ہے۔ Hardly Works (کام چور ہے)۔ نیچے سے اوپر جاتے جاتے Works Hardly (محنت سے کام کرتا ہو)، میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لئے فیصلے غلط بلکہ بددیانت ہو جاتے ہیں اس کی دو مثالیں ہیں۔

ا۔ جنرل (بعد میں فیلڈ مارشل) محمد ایوب خان کو کمانڈر انچیف کی حیثیت سے ان کے عہدے میں توسیع:

انہیں ۱۹۵۱ء میں کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ ان کو ان کے عہدے کی تین سال کی معیاد پورے ہونے پر ۱۹۵۴ء میں ریٹائر کر دینا چاہئے تھا لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ وجوہ جو بھی ہوں ان کو ۱۹۵۸ء تک جب انہوں نے حکومت کا تختہ الٹا کمانڈر انچیف نہیں رہنے دینا چاہئے تھا۔

Marfat.com

میں یہاں اس بارے میں بالکل بات نہیں کرنا چاہتا کہ وہ جرنیل بننے کے اور کمانڈر انچیف بننے کے اہل تھے بھی کہ نہیں۔ یا کہ ان کی تعیناتی درست تھی یا بددیانتی پر مبنی تھی۔

۲۔ مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی:

فوجی کاروائی کا فیصلہ کرنے سے قبل حساب کی ایک سادہ سی مساوات کا حل ضروری تھا۔ وہ یہ کہ صورت حال کو قابو میں لانے کے لئے کتنے لوگوں کو ہلاک کرنا ہوگا۔ (جبکہ ہلاک کرنے والے مشرقی پاکستان میں مقیم مغربی پاکستانی ہوں گے اور جن کو ہلاک ہونا ہوگا وہ سب سارے کے سارے مشرقی پاکستانی ہوں گے کیونکہ جب آپ ایک شخص کو ہلاک کرتے ہیں تو ہلاک کئے جانے والوں کی نسبت جیومٹری کے انداز میں لامتناہ ہو جاتی ہے۔ ہلاک شدہ کا باپ، ماں، بھائی، بہن، رشتہ دار، دوست اور بہی خواہاں کو سب کو شمار کرنا ضروری ہے۔ اگر اس پر غور کیا جاتا تو منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلتا کہ مسئلہ کا حل سیاسی ہونا چاہئے۔ جب میں نے پاکستانی فوج کے تحقیق و ترقی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے یہ تشریح چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹ کو پیش کی تو مجھے جو جواب ملا تھا وہ میں آپ کو آج بتلانا نہیں چاہتا۔

آج پاکستان بہت نازک صورت حال سے دوچار ہے۔ ذہنی بددیانتی پر مبنی فیصلے سے غیر متوقع نتائج نکلیں گے۔ ''نظریہ ضرورت'' جس کے تحت ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء کے نفاذ کا جواز تھا طویل عرصے سے ختم ہو چکا ہے۔ حکومت کو اب اس پر انحصار ترک کر دینا چاہئے۔ اسے چاہئے کہ ۱۹۷۳ء کے دستور کو بحال اور نافذ کرے اور عوام کے منتخب نمائندوں کو پرامن طور پر اقتدار منتقل کر دے۔ پاکستان کے عوام اور مسلح افواج میں دوستانہ تعلقات اور رابطے کو برقرار رکھنے کے لئے بھی اقدامات کئے جانے چاہئیں ان کے آپس کے وقار اور عزت، پیار اور محبت کے رشتوں کو ختم کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ میں یہ سب کچھ اس لئے نہیں کہہ رہا کہ سیاسی پارٹیاں یہ چاہتی ہیں یا یہ کہ وہ جمہوریت کی بحالی پر یکسو ہیں یا یہ کہ میرے

Marfat.com

کوئی سیاسی عزائم ہیں بلکہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں اس کو اپنا اخلاقی فرض اور ملک کی بہتری کے لئے اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

مجھے یقین واثق ہے کہ پوری قوم مایوس ہے اور اس کو حالات کی نزاکت کا احساس ہے۔ لوگ قومی سالمیت، استحکام اور ملک کی خوش حالی کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ وہ ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت جمہوریت کی بحالی کے منتظر ہیں۔ مستقبل کا کوئی منصوبہ چاہئے وہ اقتصادی شعبے میں ہو یا سیاسی شعبے میں ہو کبھی کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکتا جب تک عوام کو ان کی تیاری اور تکمیل میں باعزت طور پر شریک اور شامل نہ کیا جائے اور وہ منصوبوں کی تشکیل کی ذمہ داری میں اپنے آپ کو شریک نہ سمجھیں۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب عوام طاقت سے نہیں بلکہ اپنے ووٹ سے اپنے حاکموں کو منتخب یا رّد کریں اور رّد کرنے کا اختیار رکھتے ہوں۔ لہذا منصوبوں کی تشکیل و تکمیل مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے منتخب اراکین کے ذریعے ہونی چاہئے۔ اس میں مزید تاخیر سے معاملات الجھ سکتے ہیں اور پھر ناخوشگوار نتائج برآمد ہونگے۔

مارشل لاء کو جاری رکھنے کے لئے احتساب، معاشی استحکام، امن وامان کی بحالی اور انتخابات کے مثبت نتائج جیسے نعروں کا سہارا لیا جارہا ہے لیکن نتائج الٹ نکل رہے ہیں۔ جن لوگوں کا احتساب ہونا چاہئے ان کو اعزاز مل رہے ہیں۔ ان کی عزت بحال کی جارہی ہے اور ان کو حاکمیت مل رہی ہے۔ معاشی حالت میں ہم بہت پستی پر ہیں۔ قرضوں کا بوجھ بھاری ہو چکا ہے اور اخراجات زندگی بڑھ گئے ہیں۔ امن وامان کا اندازہ اخباروں سے لگایا جاسکتا ہے جو جرائم کی رپورٹوں کے پلندے بن گئے ہیں۔ بدعنوانی، رشوت، حادثات اور جعلسازی کے معاملات بڑھ چکے ہیں۔ معاشرتی خرابیاں سرایت کر رہی ہیں۔ عصبیت اور علاقائی سوچ غلبہ پارہی ہے جو قومی سالمیت کے لئے نقصان دہ ہے۔ قبائل، مذہبی فرقے اور معاشی گروہ

Marfat.com

ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں جن سے ملک کی بنیادیں کمزور ہو رہی ہیں۔ بے روزگاری روز بڑھ رہی ہے۔ مہنگائی تنخواہ دار طبقے پر خندہ زن ہے۔ قوم کو آج وہ بھی حقوق حاصل نہیں جو اس نے آزادی کے وقت ۱۹۴۷ء میں ورثے میں پائے تھے۔

پچھلے چار سال کے عرصے میں لوگوں کو نفاذ اسلام کے نام پر ان کے بنیادی حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ حقوق العباد کا کوئی وجود نہیں۔ پی سی او (PCO) کے نفاذ کے بعد مارشل لاء کا ہر حکم اسلامی اصولوں کی نفی کرتا ہے۔ اسلام کو مارشل لاء کے احکامات میں داخلے کی اجازت نہیں۔ اسلام ان احکام پر تبصرہ بھی نہیں کر سکتا جبکہ اسلام کے مطابق مارشل لاء خود غیر اسلامی ہے۔ آپ عوام کو کیسے یقین دلا سکتے ہیں کہ مارشل لاء اسلامی نظام نافذ کر سکتا ہے بلکہ یہ بنیادی حقوق یعنی حقوق العباد بھی نہیں دیتا۔ کوئی قوم اسلام سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی جب تک وہ بنیادی حقوق یعنی انصاف، آزادیٔ عمل، آزادیٔ تقریر، آزادیٔ تحریر سے محروم ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ نفاذ اسلام کا استحصال ختم کیا جائے اور بنیادی انسانی حقوق بحال کئے جائیں۔ یہ ملک اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اور صرف اسی شرط پہ قائم رہ سکتا ہے۔ جب کہ یہ صحیح اسلامی اقدار پر چلایا جائے۔ (حقوق اللہ اور حقوق العباد) حکومت کو چاہئے کہ وہ قوم کو پورے حقوق العباد دے اور حقوق اللہ ادا کرنے کے لئے سب سہولتیں فراہم کرے۔ اسلامی جمہوریت کو رائج کریں اور جمہوریت بحال رہنے دیں۔

میں نہایت عاجزی کے ساتھ تمام سیاسی جماعتوں سے عرض کرتا ہوں کہ وہ باہمی اختلافات ختم کریں۔ ایک دوسرے کی ماضی کی غلطیوں اور کمزوریوں کو بھول جائیں۔ ان کو معافی، تحمل اور رواداری سے کام لینا چاہئے۔ اپنی تمام طاقت ملک کی یکجہتی، یگانگت اور بہتری کے لئے صرف کرنی چاہئے کیونکہ صرف منظم سیاسی جماعتیں ہی اپنی کاوشوں سے ملک کی سلامتی اور بہتری کی ضمانت دے سکتی ہیں۔ جماعتوں کو اپنے مخالفین کے ساتھ مل جل کر رہنے کا سبق

Marfat.com

سیکھنا چاہئے۔ اپنی جماعتوں کی تنظیم ٹھیک کرنی چاہئے تا کہ جب سیاسی سرگرمیاں شروع ہوں تو وہ اپنا پورا کردار ادا کر سکیں۔ انہیں ایک دوسرے کی کردار کشی سے احتراز کرنا چاہئے اور کھلے عام ایک دوسرے پر گندگی نہیں اچھالنی چاہئے۔ اختلاف رائے کو دشمنی نہ بنالیا جائے بلکہ دوستانہ طور پر طے کیا جائے۔ سب کو مل جل کر جمہوریت کی بحالی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ مسائل بہت ہیں، ان کا حل اجتماعی طور پر پیار اور محبت سے نکالنا چاہئے تا کہ ۱۹۷۳ء کا دستور بحال ہو سکے۔ مارشل لاء حکومت اور سب سیاسی جماعتوں کو بیٹھ کر اپنے اختلافات دور کرنے چاہیں اور قابل عمل حل تلاش کرنا چاہئے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ مسلح افواج اور پاکستان کے عوام کے باہمی روابط کو استوار اور مستحکم کرنا چاہئے۔ بداعتمادی دور کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں۔ ملک کے مؤثر دفاع کے لئے مسلح افواج کو ہمیشہ ہمیشہ قوم کی مکمل پشت پناہی کی ضرورت رہے گی۔ ان کو یہ میسر ہونی چاہئے۔ ان کو بھی پاکستان کے دفاع کی علامت ہونا چاہئے اور ان کا سلوک بھی غیر جانبدارانہ ہونا چاہئے۔ ان کا صرف ایک ہی کردار ہے اور وہ کردار عسکری ہے۔ نہ کہ سیاسی اور وہ ہے ملک کا دفاع۔ آج کا ملازم کل کا آجر نہیں ہو سکتا۔ لہذا چیف آف آرمی سٹاف، چیف آف ایئر سٹاف اور چیف آف نیول سٹاف کا صرف ایک ہی کار منصبی ہے۔ ساڑھے آٹھ کروڑ عوام کا حق ہے کہ ان کا دفاع قابل مسلح افواج کریں۔ یہ صرف اسی وقت ہی ہو سکتا ہے جبکہ وہ سپاہ گری میں مصروف ہوں نہ کہ مارشل لاء کے فرائض ادا کر رہے ہوں۔

سیاستدان ہمارے ملک کا قیمتی اثاثہ ہیں لیکن وہ کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے جب تک ان کے خیالات کی عزت و توقیر نہ ہو۔ حکومت پر نکتہ چینی کرنا ان کا حق ہی نہیں بلکہ ان کا بنیادی انسانی حق اور سیاسی فرض ہے۔ ان کی آواز کو دبایا نہیں جانا چاہئے۔ یہ میرا ایمان ہے کہ سیاست دان آپس میں اکٹھے ہو کر اور پوری قوم کے کروڑوں لوگوں کے ساتھ مل کر حکومت

Marfat.com

سے محاذ آرائی نہ کرتے ہوئے انتقال اقتدار میں کامیاب ہو کر جمہوریت بحال کرلیں گے اور وہ سیاست دان جو حکومت کو گمراہ کر رہے ہیں کچھ نہ کر سکیں گے۔

انشاءاللہ جلد ہی انصاف ہوگا۔ سیاسی قیدی آزاد ہوں گے، پریس آزاد ہوگا، عدلیہ آزاد ہوگی (ان کو جلد ہی چیف جسٹس اور قائم مقام چیف جسٹس کے فرق کا پتہ لگ جائے گا) حقوق العباد بحال ہوں گے اور لوگ حقیقی اسلامی زندگی گزار سکیں گے جو کہ اس وقت دنیا کے ۴۳ مسلم ممالک میں ناپید ہے۔ یہ سب کچھ اسی وقت ہوگا جب فیصلے ذہنی بددیانتی پر مبنی نہیں ہوں گے۔

دستخط جنرل چشتی

☆☆☆☆☆

Marfat.com

غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات سیاسی اداروں اور جماعتوں کو منہدم کر دیں گے

(ترجمہ: پریس کانفرنس، لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی، ۱۳ جنوری ۱۹۸۵ء، ہلٹن ہوٹل لاہور)

معزز حضرات میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ آج دوپہر یہاں تشریف لائے ہیں تا کہ آپ مجھ سے موجودہ پاکستان کی سیاسی حالت پر میرے خیالات سن سکیں۔

میں اپنی فوجی زندگی کے دوران اور کچھ عرصہ وفاقی وزیر کی حیثیت سے اپنی بہترین اہلیت کے مطابق اپنے بالا افسران کو اور گورنمنٹ کو بے لاگ، صاف، فراخ دلانہ، بے باک اور درست انداز فکر بیان کرتا رہا ہوں۔ بعض اوقات ان پر عمل کیا گیا اور بعض اوقات ان کو نظر انداز کر دیا گیا۔ آج یہ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ پریس کے ذریعے حکومت اور اہل وطن تک موجودہ سیاسی صورتحال پر اپنے خیالات پہنچاؤں۔

فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ قوم کو ایک غیر جماعتی انتخابات سے گزارا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ ریفرنڈم سے اخذ کردہ غلط تصورات پر اور خوشامدی مشیروں کی چاپلوسانہ رائے پر مبنی ہے جو کہ قوم کی چاہت کے برعکس ہے۔ میرا خیال ہے کہ قوم اب بھی سیاسی جماعتوں پر مبنی انتخابات چاہتی ہے۔

ایسا کوئی بھی سیاستدان نہیں ہے جس کا شغل انتخابات پر سرمایہ خرچ کرنا ہو۔ پیسہ خرچ کر کے غیر جماعتی بنیادوں پر انفرادی حیثیت سے منتخب ہونے کے بعد جبکہ ان کی میعاد بھی غیر یقینی

Marfat.com

ہوگی ہر منتخب شدہ امیدوار فطری طور پر یہ کوشش کرے گا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے وہ اپنے کئے ہوئے اخراجات پورے کرے بلکہ جو کچھ بھی خرچ ہوا ہے اس سے زیادہ ہی کمائے۔ اس طرح سے بدعنوانی کی بنیاد پڑتی ہے اور اگر ارادہ بدعنوانی کی بیخ کنی ہے تو پھر انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر نہیں ہونے چاہئیں بلکہ اس کے برعکس جماعتی بنیادوں پر ہونے چاہئیں۔ ہاں اگر نیت تمام نظام کو بدعنوان بنانے کی ہے تو پھر غیر جماعتی ہی انتخابات ہونے چاہئیں تا کہ بعد میں منتخب شدہ نمائندوں کی اپنی مرضی کے مطابق دم مروڑی جا سکے اور ان کو اپنے قابو میں رکھا جا سکے۔

غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات سیاسی اداروں اور سیاسی جماعتوں کو منہدم کر دیں گے۔ اس سے سیاست میں بونے آئیں گے۔ وہ بونے جن کو ملکی سیاست کی سوجھ بوجھ نہیں ہوگی بلکہ جن کا یقین صرف چوہدراہٹ میں یا وڈیرا پن ہی ہوگا۔ انفرادی طور پر کسی غریب کو انتخابات میں حصہ لینا نصیب نہ ہوگا۔ سمگلر، کالے دھن والے، ذخیر اندوز، امیر اور بڑے جاگیردار ہی صرف انتخابات میں حصہ لے سکیں گے۔ ایک قومی اسمبلی کا ممبر ہونے کیلئے شاید کم از کم دس لاکھ روپے خرچ کرنے پڑیں اور صوبائی اسمبلی کا ممبر ہونے کیلئے شاید کوئی پانچ لاکھ روپے درکار ہوں۔ غیر جماعتی انتخابات سے سیاست تجارت میں بدل جائے گی اور جو بھی اس میں پیسہ لگائیں گے وہ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے اس سے کہیں زیادہ کمانے کی کوشش کریں گے۔

۱۹۷۷ء میں حکومت کا تختہ اس لئے الٹا گیا تھا کہ وسیع پیمانے پر انتخابات میں ہونے والی دھاندلی کے اثرات کو ختم کر کے جمہوریت بحال کی جائے۔ سپریم کورٹ نے بھی اپنا فیصلہ اسی کے مطابق دیا تھا۔ گو سپریم کورٹ نے انتخابات کی بابت کوئی ٹائم ٹیبل دینا مناسب نہ سمجھا تھا تاہم انہوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ:

"عدالت، اس لئے، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے توقع رکھتی ہے کہ وہ اس وعدہ کو پورا

Marfat.com

کریں گے جس کو پاکستان کے عوام کی طرف سے مینڈیٹ (Mandate) سمجھنا چاہئے۔ جنہوں نے عام طور پر خوش دلی سے ان کی انتظامیہ کو پاکستان کی عبوری حکومت کے طور پر قبول کیا ہے"۔

لہٰذا یہ بات ظاہر ہے کہ لمبے عرصے تک انتخابات نہ کروانا اور مارشل لاء کو جاری رکھنا سپریم کورٹ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ سپریم کورٹ نے از روئے خود کوئی قدم نہیں اٹھایا اور CMLA سے پوچھ گچھ نہیں کی کہ وہ عدالت میں اپنے وعدہ کے مطابق انتخابات کروائیں اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ وہی عدالت جس نے مارشل لاء کو جائز قرار دیا وہی عدالت ۱۹۸۱ء کے عبوری دستوری فرمان کا نشانہ بنی نتیجتاً ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کو اختیارات سے محروم کر دیا گیا اور آج اس فرمان کی رو سے سپریم کورٹ کسی مارشل لاء آرڈر یا ریگولیشن کو کالعدم قرار نہیں دے سکتی اور بھی بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتیں یکجہتی سے اس کے خلاف نہ ڈٹ سکیں۔ اگر وہ ڈٹ جاتیں تو ملک کی تقدیر مختلف ہوتی۔

میں چند باتیں ریفرنڈم کے بارے میں بھی کہنا چاہتا ہوں۔ قوم نے تو سچ کی آواز بلند کی ہے لیکن بدقسمتی سے حکومت نے اس کی صحیح تفسیر نہیں کی۔ قوم نے تو حالت جمود سے کام لیا اور ریفرنڈم کا صحیح نتیجہ گورنمنٹ کی پالیسی کے خلاف فتویٰ تھا۔ اسلئے قوم کے دیئے گئے فتویٰ کے مطابق CMLA کا دیا ہوا پروگرام قوم کی خواہشات کے مطابق نہیں ہے۔ میں اور میرے رفیق کار محاذ آرائی میں یقین نہیں رکھتے لیکن ہم حکومت اور خاص طور پر جنرل محمد ضیاء الحق کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ نوشتۂ دیوار پڑھیں اور دیکھیں کہ قوم کیا چاہتی ہے۔ انکو غلط رپورٹوں سے گمراہ اور بے راہ نہیں ہونا چاہئے۔ ان کو تاریخ سے سبق سیکھنا چاہئے۔ میں پاکستان کے نام پر ان سے التجا کرتا ہوں کہ ان الفاظ کو یاد کریں جو انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہے تھے اور قوم کو جماعتی انتخابات کی طرف لے جائیں اور سب محبّ

Marfat.com

وطن پاکستانیوں کو انتخابات میں حصہ لینے دیں تا کہ پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک جمہوری ملک کے طور پر ابھرے نہ کہ اس ملک کے طور پر جس کو ایک آمر اپنے وہم پر چلا رہا ہو۔

مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اس وقت قوم نہ موجودہ حکومت سے مطمئن ہے اور نہ موجودہ سیاسی قیادت سے۔ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ بہت سی سیاسی پارٹیاں ہیں۔ اس کے باوجود جو قوم چاہتی ہے وہ اسے حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس لئے پاکستان کے ہر حصے کے ہم خیال لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم ایک نئی سیاسی جماعت بنائیں۔ اس جماعت کی مرکزی کمیٹی میں ہر صوبے سے پچیس پچیس ارکان ہوں اور اسی طرح ہر صوبہ کو یکساں نمائندگی ہو۔ اس پارٹی کے ترجمان کا انتخاب اس پارٹی کے بنیادی ارکان دو سال کے لئے کریں۔ اسی طرح ہر صوبے میں ایک ترجمان ہوگا۔ مختصر طور پر جماعت کا منشور مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہوگا۔

۱۔ پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سالمیت کا دفاع

۲۔ پاکستان کی مسلح افواج کی تنظیم نو تا کہ اس کی صلاحیتوں میں اضافہ ہو۔

۳۔ میٹرک تک مفت تعلیم، اہلیت کی بناء پر سب کیلئے یکساں مواقع اور تمام شہریوں کیلئے مفت طبی سہولت۔

۴۔ بے روزگاروں کے لئے رہائش اور روزی الاؤنس

۵۔ مضبوط اور آزاد عدلیہ

۶۔ پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی معاشرہ بنانا لیکن اسلام کے نام کا استحصال نہیں کیا جائیگا

۷۔ قرآن اور سنت میں دیئے گئے بنیادی حقوق کی ضمانت۔ یہ حقوق الوہی طور پر نا قابل انتقال ہیں اور کسی قانون سازی سے منسوخ نہیں ہو سکتے۔

۸۔ مشترکہ انتخابات تا کہ ایک مضبوط متحد پاکستانی قوم ابھر سکے۔

Marfat.com

۹۔ قومی تعمیر میں خواتین اور اقلیتوں کو اہم کردار سونپا جائے۔

۱۰۔ ضلع کا حاکم ڈپٹی کمشنر نہیں بلکہ منتخب چیئرمین ہوگا۔ ڈپٹی کمشنر اس کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرے گا۔

آخر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر ہم خیال لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونا چاہئے اور قوم اور ملک کو موجودہ دلدل سے نکال کر ایک جدید، ترقی پسند اور سائنٹفک اسلامی فلاحی مملکت بنانا چاہئے۔ اگر آپ اس سے متفق ہیں تو جسٹس (ر) شوکت علی یا مجھ سے رابطہ قائم کیجئے۔

لیفٹننٹ جنرل (ر) فیض علی چشتی
نئی جہات کا شارح

☆☆☆☆☆

Marfat.com

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے عام انتخابات کرانے کی اجازت نہ دی

(ترجمہ: پریس کانفرنس، لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی،
لاہور ۲۵ اپریل ۱۹۸۵ء)

میں نے عام انتخابات کے بعد پریس سے ملنے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ ان انتخابات کے باوجود ملک میں کوئی استحکام نہیں بلکہ چھوٹے صوبوں کی قیادت زیادہ نالاں ہے۔ قوم مجموعی طور پر مارشل لاء سے نجات پانا چاہتی ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ بڑی سیاسی جماعتوں نے عام انتخابات میں حصہ نہیں لیا کیونکہ جنرل محمد ضیاء الحق نے ان انتخابات کا حکم غیر جماعتی بنیادوں پر دیا تھا۔ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ سیاسی جماعتوں کے لیڈر صاحبان کو اور کارکنوں کو انتخابات سے پہلے نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اسلئے ان انتخابات کو منصفانہ اور غیر جانبدارانہ کہنا اچھی بات نہیں ہوگی۔ میں ذاتی طور پر ان کو مصنفانہ اور غیر جانبدارانہ نہیں کہہ سکتا' عام انتخابات کرانے میں جنرل ضیاء کی نیت جنرل یحییٰ کی نیت سے کوئی مختلف نہ تھی۔ یحییٰ سول نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنا نہیں چاہتے تھے اور تقسیم کروا کے اور پھوٹ ڈال کے حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح جنرل ضیاء کا ذہن بھی ایسا ہی تھا کہ قوم کو انفرادی انتخابات سے منتشر کر دیا جائے تا کہ نتیجتاً اسمبلی میں ایسے نمائندے آئیں جو ان کے حکم کے بندے ہوں۔ اس طرح سے جنرل ضیاء اور ان کے لگے بندھے ایک کٹھ پتلی مقنّنہ اور سول حکومت تشکیل دے سکیں تا کہ وہ مزید پانچ سال ملک پر حکومت کر سکیں۔

Marfat.com

اس حقیقت کے باوجود کہ جنرل ضیاء اوران کا حامی ٹولہ جانتا تھا کہ غیر جماعتی انتخابات کی بناء پر ایک کمزور مقننہ وجود میں آئے گی۔اس کے باوجود انہوں نے دستور میں دوررس ترامیم کیں جن کی وجہ سے قومی اسمبلی معذوراور مفلوج ہوکر رہ گئی ہے۔

جس انداز میں جنرل ضیاء نے دستور میں ترامیم کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اسمبلی کے نومنتخب ارکان پر کوئی بھروسہ نہیں۔ ۱۹۸۵ء کے بحالیِ دستور ۱۹۷۳ء کے آرڈر کے ذریعے دستور میں ترامیم کر کے ان نے درحقیقت ۱۹۷۳ء کے دستور کو منسوخ اور ساقط کر کے قوم کو ایک نیا فرد واحد دستور دیا ہے۔کیا وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے جبکہ نئی قومی اسمبلی وجود میں آچکی تھی؟ دراصل اس طرح انہوں نے دستور کو مذاق بنا دیا ہے۔شاید دنیا میں یہ واحد دستور ہے جس میں دستور کے اندر ایک شخص کا نام سربراہ مملکت کے طور پر درج ہے۔جنرل ضیاء اس طرح اس ریفرنڈم کے عمل سے جس سے قوم الگ تھلگ رہی نام نہاد صدر بن گئے ہیں۔ریفرنڈم میں قوم کی شمولیت یا عدم شمولیت کوئی چھپا ہوا راز نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ ریفرنڈم میں قوم نے ان کو رد کر دیا تھا۔پھر بھی جنرل ضیاء بحالی ۱۹۷۳ء دستور آرڈر ۱۹۸۵ء کے فرمان کی اجزاء سے پانچ سال کے لئے صدر بن گئے اور قومی اسمبلی کو توڑنے کا اختیار حاصل کر لیا اور قوم کی مرضی اور مینڈیٹ کے بغیر مزید پانچ سال کے لئے قوم پر مسلط ہو گئے۔

میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پاکستان میں سیاسی صورتحال اور بگڑے گی کیونکہ چھوٹے صوبے کے لوگ بجا طور پر یہ محسوس کر رہے ہیں کہ حکومت کے معاملات میں ان کی شرکت نہیں ہے اور خدانخواستہ ایسا وقت بھی آسکتا ہے جب وفاق کے چھوٹے یونٹ وفاق کا حصہ رہنے پر رضامند نہ ہوں۔لہذا ہم کو فوراً ایسے قدم اٹھانے چاہئیں کہ چھوڑے صوبوں کا وفاق میں

Marfat.com

یقین اور اعتماد برقرار رہے اور وہ وفاق کا حصہ رہنے پر رضامند رہیں۔ اس کے لئے حکومت کے معاملات میں ان کی شرکت ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے چاہئے کہ لوگ اسمبلی کے اندر اور اسمبلی کے باہر اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جدوجہد کریں۔ مارشل لاء ختم کرنے کا مطالبہ کریں، تمام کالے قوانین منسوخ کرانے کی کوشش کریں اور اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات کی بحالی کا مطالبہ کریں۔

قوم اپنے نمائندوں صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے اراکین پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔ وہ جو وعدے کر کے منتخب ہوئے ہیں قوم ان کے ایفاء کا مطالبہ کرتی ہے اور قوم کو یقین نہیں ہے کہ وہ ان کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے فرد واحد کی حکمرانی کو طول دینے میں مدد دیں گے۔ اس کے لئے قوم چاہتی ہے کہ وہ ملک سے آمریت کو ختم کریں۔

میں یہ ریکارڈ پر لانے کے لئے کہنا چاہتا ہوں کہ میرے بحیثیت چیئرمین الیکشن سیل کے گاہے بگاہے کہنے کے باوجود کہ عام انتخابات کروائے جائیں۔ جنرل ضیاء الحق نے عام انتخابات کرانے کی اجازت نہ دی۔ میں یہ بھی کہنا پسند کروں گا کہ بدقسمتی سے سپریم کورٹ نے انتخابات کے لئے کوئی ٹائم ٹیبل نہ دیا اور یوں ایک شخص کو غیر محدود مدت تک رہنے کی اجازت دے دی۔ قومی اسمبلی کو یہ غلطی دہرانی نہیں چاہئے۔ قوم اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ چاہتی ہے کہ بلا جواز دستور میں کی گئی ترامیم منسوخ کی جائیں اور جلد از جلد مارشل لاء اٹھا لیا جائے۔ قوم کو بے وقوف بنانا چھوڑ دیں اور جلد ٹائم ٹیبل دیں۔ قوم اور برداشت نہیں کر سکتی۔

اس موقع پر میں پریس اور اخبارات کے اس حصہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور خاص طور پر ایم آر ڈی (تحریک بحالی جمہوریت) کو جو فرد واحد کی حکومت کے خلاف پچھلے آٹھ سال

Marfat.com

سے جدوجہد کررہے ہیں۔ یہ اسی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ قومی منظر پر کچھ نہ کچھ سیاسی سرگرمیاں نظر آرہی ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ جنرل ضیاء کی حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے آج قوم کو لوڈشیڈنگ، افراط زر، قیمتوں میں اضافہ، بدعنوانی اور بے روزگاری کا سامنا ہے۔ المختصر ان کے دور حکومت میں ملک کے تمام اہم ادارے انتشار کا شکار ہیں اور ضیاء کا ہر حرف قانون ہے۔

آج چند وزراء، صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبر یہ پرچار کررہے ہیں کہ کالے دھن کو سفید دھن کردینا چاہئے کیونکہ وہ اس کالے دھن سے ہی انتخاب جیت کر ممبر اور وزیر بنے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ دھن ان کے مستقبل میں بھی ممبر اور وزیر بننے کے کام آسکے۔ کیا ہم کو چاہئے کہ ایسا ہونے دیں؟

بیرون ملک پاکستانی جو پیسہ بھیجتے تھے اس میں کافی کمی آگئی ہے کیونکہ بیرون ملک پاکستانیوں کو ضیاء الحق کی پالیسیوں پر اعتبار ہے اور نہ ہی وہ چاہتے ہیں کہ مارشل لاء جاری رہے۔

آخر میں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قوم کو متحد ہوکر جمہوریت کی بحالی کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے اور جب ایک دفعہ جمہوریت بحال ہوگئی تو پھر یہ کنفڈریشن وغیرہ کی افواہیں اور باتیں خود ہی خواب وخیال ہوجائیں گی۔

فیض علی چشتی

Marfat.com

تعمیری احتساب بنیادی اہمیت رکھتا ہے

(لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی کا تحریری بیان، لاہور، ۲۵ اپریل ۱۹۸۵ء)

مجھے آج اپنے قومی پریس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں تا کہ ملکی مسائل میں دلچسپی رکھنے والے لوگ صحیح صورتحال سے آگاہ ہو سکیں۔

سب سے پہلے تو میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے فوج اور حکومت سے قطعی طور پر اصولوں کی بنیاد پر علیحدگی اختیار کی تھی۔ اگرچہ مجھے بھی کئی ایک دوسرے لوگوں کی طرح توسیع اور اہم ترین عہدوں کی پیش کش ہوتی رہی لیکن میں کسی بھی طور پر خود کو ایسی کسی بھی پیشکش کو قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکا کیونکہ میں حتمی طور پر یہ محسوس اور یقین کر چکا تھا کہ:

جن مقاصد کے حصول کے لئے فوج نے سول نظام کو معطل کر کے اقتدار خود سنبھالا تھا اور وہ مقاصد نہ ہی تو پورے کئے جا رہے تھے اور نہ ہی مستقبل میں ان کو پورا کیا جانا نظر آتا تھا۔ لہٰذا میں نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر شریک اقتدار نہ رہنے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا۔ اور نہ صرف آج بھی مجھے وہ مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آتے، بلکہ مجھے تو مستقبل میں بھی ایسی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ بہر حال جب ابتداء میں CMLA نے احتساب کے نام پر عام انتخابات کو ملتوی کیا تو ہم بعض وجوہات کی بناء پر اس غلط فہمی میں ضرور مبتلاء تھے کہ ہم احتساب کا عمل مکمل کر کے پاکستانی معاشرے کو برائیوں سے پاک کر لیں گے۔

لہٰذا میں اور میرے ساتھ کچھ دوسرے فوجی بھی ایمان کی پختگی کے ساتھ یہی سمجھتے تھے کہ ہماری قومی فوج کی قیادت اعلاء معاشرے کو برائیوں سے پاک کرے گی۔

ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، سیاسی بدعنوانیوں کو ختم کر دے گی اور قومی سیاست میں سرمایہ کاری کرنے والے استحصال پسندوں، اجارہ داروں اور ملک کو داؤ پر لگانے والوں کا سخت

Marfat.com

احتساب کرے گی۔ مگر افسوس ایسا نہ ہوا بلکہ وہ ہی ہو کر رہا جو اکثر ہوا کرتا ہے یعنی جب بھی فوج اقتدار پر قبضہ کرتی ہے تو اکثر زندگی کے تمام شعبوں میں بدعنوانیوں کے مرتکب افراد اور گروہوں کے مکمل احتساب کا نعرہ تو ضرور لگاتی ہے مگر یہ احتساب کبھی بھی نہیں کرتی اور پاکستان میں بھی ہمیشہ یہ ہی ہوا اور آج تک کبھی بھی یہ احتساب نہیں کیا گیا۔

لہٰذا میں اپنی قومی تاریخ اور تجربے کی روشنی میں ایک مرتبہ پھر اس نتیجہ پر پہنچا کہ فوج عوامی اور احتسابی نعرے لگا کر قابض تو ہو جاتی ہے مگر عام طور پر مخصوص مفادات اور وجوہات کی بناء پر یہ کام نہیں کر پاتی بلکہ عموماً ان کی قیادت سرمایہ کاروں کے ہاتھوں کھیلنے لگ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اسی زمانے میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سزایابی کے بارے میں ہمارے درمیان وسیع اختلافات پیدا ہو گئے اور اس بارے میں، میں فی الحال صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ بھٹو صاحب کی گرفتاری، مقدمہ اور ان کے تختہ دار پر لٹکانے کی ذمہ داری قطعی طور پر CMLA ضیاء الحق کی ہے اور اس فیصلے سے نہ صرف میرا بلکہ کسی اور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

چونکہ مجھے الیکشن سیل کا سربراہ بنا دیا گیا تھا اور میں نے یہ عہدہ بھی محض اس لئے قبول کیا تھا کہ C.M.L.A ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت الیکشن کرا دیں گے۔ کیونکہ وہ ہر جگہ عام طور پر ایسا ہی تاثر دے رہے تھے لیکن وہ ہمیں مختلف قسم کی سیاسی غیر سیاسی فروعات میں الجھا کر ایسی ایسی تاویلات اور موشگافیاں پیدا کرتے چلے جا رہے تھے کہ مجھے مکمل یقین ہو گیا کہ وہ انتخابات کرانے میں قطعاً مخلص نہیں ہیں بلکہ اسلام کی ترویج، ترقی کی آڑ میں اپنے شخصی اقتدار کو مضبوط اور دائمی بنانے کی راہ پر گامزن ہیں اور نہایت ہی چالاکی اور چابکدستی کے ساتھ ہماری مذہبی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہی شخصیتوں اور جماعتوں کو بھی سیاسی فریب، لالچ اور سازش کے تحت استعمال کر رہے ہیں۔

Marfat.com

اور ماسوائے مٹھی بھر شیوخ اور علماء حق کے عام طور پر مذہبی کارندوں کو اونے پونے خرید بھی چکے ہیں۔ غیر معیاری علماء تک اعلیٰ معیار کی زندگی گزارنے لگے ہیں۔ انہیں نئی کاروباری آسائشیں اور صنعتیں لگانے کی سہولتیں میسر آ گئی ہیں۔ خصوصاً جماعت اسلامی جو کہ مکمل طور پر C.M.L.A ضیاء الحق کی ذاتی پارٹی ہے، نے بھی اس ضمن میں نہایت ہی ٹھوس کردار ادا کیا ہے۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ ذاتی جاہ، حشمت کے استحکام کے لئے وطن مقدس میں اسلام پر جو ظلم توڑے جا رہے ہیں اس کی مثال ہماری چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں بھی نہیں مل سکتی۔

بہر حال اب ہر ایسی جماعت جو تحریص یا فریب کا شکار ہو کر ان کی آلہ کار بنی رہی ہے اس میں سوجھ بوجھ رکھنے والوں کی مضبوط گروہ بندیاں شروع ہو چکی ہیں۔ یہاں تک جماعت اسلامی جو کہ صدر کی ذاتی پارٹی کی حیثیت رکھتی ہے دو گروہوں میں بٹ چکی ہے۔

برادران وطن!

اس تمام عرصہ میں جب تک کہ میں شریک اقتدار رہا ہوں، میں نے مسلسل CMLA پر یہ ہی زور دیا کہ وہ قوم کے ساتھ اپنے کئے ہوئے وعدوں کو ایک بہادر فوجی کی طرح پورے کریں اور ۱۹۷۳ء کے آئین کا حلیہ بگاڑے بغیر اس کے تحت عام اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرائیں اور ہم واپس بیرکوں میں چلے جائیں اور یہ سب تجاویز میں نے زبانی ہی نہیں تحریری طور پر بھی CMLA کو دی ہیں اور یہ ہی وجہ ہے کہ میں ایک سے زائد مرتبہ CMLA کو دعوت مناظرہ دے چکا ہوں اور اب بھی میں اپنے قومی پریس کی وساطت سے انہیں یہ کہتا ہوں کہ وہ قومی مفادات کی خاطر میری تحریروں کو شائع کر دیں۔

بہر حال یہ اور دیگر متعدد واقعات میری حکومت سے علیحدگی کا سبب بنے۔ چونکہ میرا ضمیر صاف اور میرا دامن آلودگیوں سے پاک ہے۔ اس لئے میں کھلے آسمان تلے اپنے خداوند

Marfat.com

کریم کے علاوہ کسی سے خائف نہیں۔اور پہلے بھی جنرل ضیاء الحق کو دعوت مناظرہ دے چکا ہوں اور آج بھی اسے دہراتا ہوں کیونکہ میں جنرل ضیاء الحق کے اس دعوے کو ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ فوج جنرل ضیاء الحق کا حلقہ نیابت ہے بلکہ میں تو ایمان کی حد تک اس پر یقین رکھتا ہوں کہ پاکستانی فوج صرف اور صرف قوم ہی کا حلقہ نیابت ہے اور اسے کسی بھی حالت میں کسی ایک فرد واحد کی جاگیر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

کیونکہ اسے کسی ایک فرد واحد کی جیب میں ڈال دینا قوم کی بنیادی قدروں اور نظریہ پاکستان اور قومی اداروں کو خطرات میں ڈال دینے کے برابر ہے اور امر واقعی یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے اس نعرے سے عوام کے دلوں میں فوج کے خلاف نفرت بڑھتی اور باشعور پاکستانیوں کے لئے صورت حالات تیزی کے ساتھ تشویشناک ہوتی چلی جارہی ہے۔

اس ضمن میں پنجاب کے علاوہ سندھ، سرحد اور بلوچستان میں میرے ہم خیال اور حالات سے باخبر دوستوں کو بھی سخت تشویش ہے اور ان سب کا اصرار ہے کہ میں ان سب دوستوں کے ترجمان کی حیثیت سے قوم کو صحیح صورتحال سے آگاہ کروں اور چونکہ ہر محبت وطن پاکستانی کی طرح میں بھی اصلاح احوال کے لئے اپنا قومی کردار ادا کرنا جزو ایمان سمجھتا ہوں۔اس لئے تمام تر بندشوں کے باوجود میری ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ اپنے دوستوں کی توقعات پر پورا اتر سکوں۔اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

حضرات!

میری رائے میں یوں تو ۱۹۸۵ء کا موجودہ سال کڑی آزمائشوں کا سال ہے۔مگر آنے والے دس بارہ ہفتے خصوصی آزمائشوں کے حامل ہوں گے کیونکہ پاکستان کے منتخب وزیراعظم محمد خان جونیجو اور معزز اراکین قومی اسمبلی کو اسی مدت میں قوم پر یہ بھی ثابت کرنا ہے کہ ان کے ساتھی ممبران قومی اسمبلی حقیقی معنوں میں بااختیار اور جمہوری آزاد اراکین قومی اسمبلی ہیں یا

Marfat.com

محض ایک فرد واحد کے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے بے ضمیر کٹھ پتلیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ علاقائی رجحانات، تعصبات بھی تیزی کے ساتھ سر اٹھا رہے ہیں اور کہیں کہیں سے کنفڈریشن کی آوازیں بھی اٹھنے لگی ہیں۔ تو ہمارے منتخب وزراء اور منتخب اراکین قومی اسمبلی کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اس لئے وزیراعظم جونیجو اور ان کے ساتھیوں کو چاہئے کہ وہ خود پہل کر کے چھوٹے صوبوں کے نمائندوں سے ان کے مسائل اور مطالبات پر ہمدردانہ گفتگو کریں اور ان کی شکایات کا موثر ازالہ کر دیں۔

پیشتر اس کے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ہم نے فروعی معاملات میں مزید وقت ضائع کر دیا تو شاید موجودہ حکومت اور چھوٹے صوبوں کی لیڈر شپ میں مکالمہ کرنے کی گنجائش نہیں رہ جائے گی۔ میں ان سب لوگوں کو محب وطن سمجھتا ہوں۔ ان لوگوں کی تلخ باتیں اور پاکستانی حکمرانوں کے خلاف ان کے رویئے قطعی طور پر ان کے مسلسل احساس محرومی کا ردعمل ہیں۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ اگر ان سب لوگوں کی باتیں سنی جائیں اور ۱۹۷۳ء کے آئین کو بلا کسی ترمیم کے بحال کر دیا جائے اور صوبائی خودمختاری کی حد تک متفقہ آئینی حدود کی پابندی کی جائے تو معاملات سدھر سکتے ہیں اور پاکستان کی سالمیت محفوظ اور یکجہتی کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔

آخر میں، میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اندرون ملک ہر پاکستانی خواہ اس کا تعلق کسی بھی طبقہ یا جماعت کے ساتھ کیوں نہ ہو اور بیرون ملک ان تمام افراد اور گروہوں کو جو پاکستانی مسائل میں دلچسپی رکھتے ہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پاکستان کی غالب مسلمان اکثریت فطری طور پر اسلام پسند ہے اور یہاں پر خواہ کوئی بھی معاشی اور اقتصادی نظام رائج کر دیا جائے۔ یہاں کے عوام کی زندگی میں بنیادی طور پر اسلام کا ہی عمل و دخل باقی رہے گا۔

Marfat.com

البتہ موجودہ دور جس میں سے ہم گزر رہے ہیں۔اس دور میں جلد از جلد اسلام کے مقدس نام پر ہی ہر سطح پر پاکستانی عوام کے استحصال اور سرمایہ دار طبقوں اور سرکاری سطح پر پیشہ ور علماء سوء کی سرپرستی ختم نہ کر دی گئی تو مذہب کے نام پر ان طبقات کی نام نہاد اور فروعی سرگرمیاں عوام، خصوصاً نوجوان پود کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہیں۔

اس لئے میں بھی پاکستان میں قرآن وسنہ کے نفاذ کی تائید وحمایت کرتا ہوں اور اس ضمن میں بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ کے اقوال بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

اب میں آپ کی توجہ پاکستان کی گرتی ہوئی معیشت کی جانب مبذول کرتا ہوں۔

ہماری قومی معیشت کی جو حالت ہے اگرچہ آپ سب بھی اس سے آگاہ ہیں۔پھر بھی مختصراً عرض ہے کہ:

جب سول حکومت سے فوج نے اقتدار لیا تھا۔اس وقت پاکستان صرف چار بلین ڈالر کا مقروض تھا اور اس چار بلین ڈالر قرضہ کے استعمال کے بارے میں واضح شواہد موجود ہیں کہ اس رقم سے ٹھوس قومی اور ترقیاتی کام لئے گئے اور یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ گزشتہ آٹھ سالہ فوجی راج میں یہ قرضہ بڑھ کر ساڑھے چودہ بلین ڈالر ہو چکا ہے گویا کہ اس دوران میں فوجی حکومت نے ساڑھے دس بلین ڈالر کا اضافہ کیا ہے۔

اس کے علاوہ گزشتہ آٹھ سالوں کی مدت میں حکومت کے انتظامی اخراجات میں تین گنا اضافہ ہو چکا ہے اور اس میں مزید اضافہ ہونا متوقع ہے۔

اب یہ ہر پاکستانی کا حق ہے کہ وہ حکومت وقت سے یہ پوچھے کہ ساڑھے دس بلین ڈالر کہاں خرچ ہوا اور اس سے قوم کو کیا حاصل ہوا اور مزید کیا توقعات کی جائیں۔اگرچہ مہنگائی اور افراط زر نے عام آدمی کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔مگر پچھلے کچھ عرصے سے بڑے منظم طریقے پر نہایت ہی بااثر اور شریک اقتدار صنعت کار اور بڑے لوگوں کی جانب سے حکومت پر دباؤ

Marfat.com

ڈالا جارہا ہے کہ وہ اس طبقہ کے اپنے ہی اقوال اور مطالبات کے مطابق ان کے پاس موجود پچاس سے ساٹھ ارب روپے کے کالے دھن کو جوان لوگوں نے پاکستانی عوام کا استحصال کر کے ہی لوٹا ہے۔ بغیر کسی احتساب اور تعزیر کے سفید کھاتوں میں منتقل کرنے کی اجازت دے دے اور میری معلومات کے مطابق ان استحصالی لوگوں کو اس ضمن میں کافی کامیابی اور تعاون بھی مل رہا ہے۔ بہرحال میں پاکستانی عوام کو بروقت بتا دیتا ہوں کہ ان لوگوں کے پاس موجود کالا دھن صرف پچاس ساٹھ ارب روپے ہی نہیں ہے بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اور اگر کسی طرح بھی انہیں یہ کالا دھن سفید دھن میں بدلنے کی اجازت دے دی گئی تو پاکستان میں مہنگائی اس قدر بڑھ جائے گی کہ عام آدمی کا زندہ رہنا بھی مشکل ہو کر رہ جائے گا۔

اگر چہ قومی نقطہ نگاہ سے تو یہ چاہیے کہ حکومت ایسے لوگوں کو شریک اقتدار کرنے کی بجائے ان کا پورا پورا محاسبہ کرے اور ان قومی لٹیروں کو عوامی کچہریوں میں بے نقاب کیا جائے بلکہ ان پر کڑی تعزیریں قائم کی جائیں۔ مگر موجودہ حکمرانوں سے یہ توقع ممکن نہیں ہو سکتی اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ موجودہ حکمران طبقہ اپنے مخصوص مفادات اور خواہشات کی خاطر ایسے لوگوں کو ہی شریک اقتدار کر رہا ہے۔

لیکن

رات کتنی ہی ڈراؤنی اور بھیانک کیوں نہ ہو کسی نہ کسی نورانی صبح کے قدموں میں دم توڑ دیتی ہے۔

بہرحال وہ وقت دور نہیں جب ان استحصال پسند لوگوں کے ساتھ ان کے سرپرستوں اور محافظوں کا بھی پورا پورا محاسبہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔

اس کے بعد

Marfat.com

میں آپ کی توجہ دیہی مسائل کی جانب بھی مبذول کرواتا ہوں۔ کیونکہ آج کل ملک میں جگہ جگہ شہری اور دیہاتی کی بات بھی سنگین مسئلہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

میں اور میرے رفقاء بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ملک کی ۷۵ فیصد دیہاتی آبادی زندگی کی ان تمام بنیادی ضرورتوں سے محروم چلی آ رہی ہے جو عام طور پر اوسط درجے کے شہریوں کو بھی حاصل ہیں لیکن عام طور پر شہریوں کی اکثریتی آبادی جن میں نچلے درجوں کے سرکاری ملازمین، مزدور، نیم دستکار طبقہ، اساتذہ اور اسی قبیل کے بہت سے دوسرے لوگ شامل ہیں۔ یہ لوگ بھی عام دیہاتیوں کی طرح زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم زندگی گزار رہے ہیں۔ پھر بھی ان کی حالت دیہاتیوں کے مقابلہ میں بہتر ہی ہوتی ہے۔

اس لئے اب ہمیں عام دیہاتی آبادی کے حقوق کے تحفظ اور ان کے معاشی اور اقتصادی بہتری کے لئے بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں۔

بہرحال میں جب دیہاتی آبادی کی بات کرتا ہوں تو میری مراد تمندار، سردار، بڑے زمیندار، جاگیردار، بڑے بڑے پیر اور وڈیرے ہرگز نہیں ہوتے بلکہ دیہات کے عام لوگ ہوتے ہیں۔

یہ مختصر سا بیان محض اس لئے دے رہا ہوں کہ عام پاکستانی صحیح صورتحال سے آگاہ ہو سکیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میرے خیال میں قومی مفادات کا تقاضہ ہے کہ میں قوم کو وہ سب کچھ بتا دوں جو میرے سینے میں ہے۔

بہرحال

اس ضمن میں بہت جلد ہم یعنی میں اور چاروں صوبوں میں میرے ہم خیال ساتھی اپنے ہم وطنوں کو اعتماد میں لیں گے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے جگہ جگہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور انہیں تفصیلاً حالات سے آگاہ کریں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے

Marfat.com

کہ

اس ضمن میں ہمیں بے داغ سیاستدانوں اور شہری اور دیہاتی پڑھے لکھے روشن خیال افراد کا تعاون حاصل ہے۔ جن کی مدد سے ہم معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کے لئے مثبت اقدامات کریں گے۔ فی الحال ہم نے علاقائی کمیٹیاں بنا دی ہیں۔ جو بلا استثناء تمام سیاسی سرمایہ کاری کر کے کروڑوں اور اربوں روپیہ کمانے والوں کے اندرون اور بیرون ملک اثاثوں کی تفصیلات جمع کر رہی ہے اور پس پردہ ان کے شریک مفاد لوگوں کی بھی تفصیلات جمع کریں گے۔

تا کہ اللہ تعالیٰ جیسے ہی ہمیں توفیق عطاء فرمائے۔ ہم ان استحصالی عوام دشمن سیاسی سرمایہ کاروں کو بے دست و پا کر کے عوامی کچہریوں میں احتساب کے لئے پیش کر سکیں اور یہ لوگ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں تا کہ پاکستانی معاشرہ ہر قسم کے نظریاتی اور اقتصادی استحصال سے پاک ہو جائے اور ملک میں مساوات محمدی کا مثالی دور شروع کیا جا سکے کیونکہ پاکستان کو متحد، مضبوط، خود کفیل، باوقار اور خوشحال بنانے کے لئے تعمیری احتساب بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

پاکستان زندہ باد

لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) فیض علی چشتی

☆☆☆☆☆

Marfat.com

افغان مسئلہ سے بہت محتاط طریقے سے نپٹنا چاہئے

(ترجمہ: تحریری بیان، لیفٹننٹ جنرل فیض علی چشتی، لاہور، ۱۵ مئی ۱۹۸۵ء)

میں یہ بیان اس لئے دے رہا ہوں کہ میرا اعتقاد ہے کہ قوم کو حقیقت معلوم ہونی چاہئے اور تاریخ درست خطوط پر تحریر ہونی چاہئے۔ یہ میں اپنا قومی فرض سمجھ کر، کر رہا ہوں۔ میرا کوئی خودغرضانہ مفاد نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنی بات کے کسی نتیجے سے ڈرتا ہوں اور میں یہ کام انشاء اللہ کرتا رہوں گا۔ مجھے ان خوشامدیوں کی پرواہ نہیں جو غلط بیانوں سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان کا خود بخود پتہ لگ جائے گا۔

جن حالات میں فوج نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک کو خون خرابے سے بچانے کے لئے حکومت کا تختہ الٹا ان کو کون نہیں جانتا۔ قوم نے جس طرح اس کا خوشی کے ساتھ پسندیدگی کا اظہار کیا اس کو کون نہیں جانتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فوج بنیادی حقوق اور جمہوریت کا حامی بن کر آئی تھی۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی تقریر کو ذہن میں لائیں جس میں انہوں نے کہا تھا۔

''ہم نے متحارب جماعتوں کو علیحدہ کر دیا ہے اور رہنماؤں کو حفاظتی نگرانی میں لے لیا ہے .....انتخابات ۹۰ دن کے اندر کرائے جائیں گے.....وغیرہ وغیرہ''۔

اب اگر ایسا نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سی ایم ایل اے نہیں چاہتے تھے کہ ایسا ہو۔ مارشل لاء ہمیشہ ایک فرد واحد کی حکمرانی ہوتی ہے۔ یکطرفہ اور مطلق، موجودہ مارشل لاء بھی اس کلئے سے مستثنیٰ نہیں۔

ہر دوسرے روز ہم اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ ''پولیس کے ساتھ مقابلہ میں مارا گیا''۔ کون نہیں جانتا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ (پولیس افسران کو دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ علم ہوتا

Marfat.com

ہے)۔کون نہیں جانتا کہ ان مقابلوں کا بندوبست کیسے کیا جاتا ہے۔تو پھر کیا آپریشن فیئر پلے کے دوران ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔کیا اس وقت ایسی جماعتیں نہیں تھیں جو چند شخصیات سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھیں؟ اس وقت کوئی بھی ہلاک ہوسکتا تھا مگر ایسا نہیں ہونے دیا گیا۔خود حفاظتی کی وجہ سے بھی نہیں۔سارا عمل بغیر خون بہائے ہوا تھا اور ایک بھی گولی چلانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے کرم سے میری رہنمائی کی اور میری کمان کو کردار کی قوت عطاء کی۔

میں نے کسی فرد کی ذاتی فوج میں ملازمت نہیں کی۔میں جنرل کے رتبہ تک کسی جنرل کی سخاوت یا عنایت سے نہیں پہنچا تھا۔میں نے پاکستان کی فوج میں اصول اور ضوابط کے مطابق ملازمت کی اور لیفٹننٹ جنرل کے عہدہ کی مقررہ مدت ختم ہونے پر ۳۰ مارچ ۱۹۸۰ء کو اس نجیب پیشہ سپاہ گری کو خیر باد کہہ دیا۔میں نے اپنی ملازمت میں توسیع کے لئے کوئی التجا نہیں کی۔ایک دن کے لئے بھی نہیں بلکہ میں نے وفاقی وزیر رہنے سے بھی انکار کر دیا جبکہ میرے پاس اس وقت تین وفاقی وزارتیں تھیں۔میں نے تینوں وزارتوں کی سربراہی سے استعفیٰ دے دیا۔ہمارے بہت سارے اختلافات تھے۔ذاتی نہیں بلکہ قومی معاملوں پر اور ان کے جاری کردہ فیصلوں پر۔

میری فوجی ملازمت کی تمام مدت میں جس میں ہندوستان میں فوج کی ملازمت شامل ہے میرا طرز عمل ایک فوجی افسر کے لئے مقرر کردہ ضابطہ اخلاق کے عین مطابق رہا ہے۔مجھے اس پر فخر ہے اور مجھے کسی بات کی ندامت یا پشیمانی نہیں ہے۔مجھے کبھی پولیس یا خبر گیری یا مخبری جیسی ذمہ داریاں نہیں سونپی گئیں اور نہ ہی میں نے کوئی ایسے کام کئے ہیں جو اس طرح کی ذمہ داریاں نبھانے والے کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے کرم سے میں کبھی کسی کا خوشامدی پٹھو نہیں رہا اور ہمیشہ مجھ میں اتنی ہمت تھی کہ جو دیکھوں وہی کہوں۔

Marfat.com

بقول اقبال ؎

جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

مجھے اس کے نتائج بھی بھگتنے پڑے ہیں۔ جب کبھی بھی مجھ سے مشورہ مانگا گیا تو میں نے مصلحت آمیزی کے بغیر اپنی پرخلوص رائے کا اظہار کیا۔ نہ صرف چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور ان کے رفقاء کو بلکہ ان سے پہلے کے وزیراعظم اور ان کے وفاقی وزراء کو بھی۔ میں اپنی خدمات کا جائزہ صرف تاریخ پر ہی چھوڑتا ہوں۔

میں کبھی احتساب سے خائف نہیں ہوا۔ میں نے اپنے آپ کو کئی مرتبہ احتساب کے لئے پیش کیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں ہمیشہ احتساب کے اصولوں کا علمبردار رہا ہوں۔ کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہے اور ہر شخص کا احتساب ہونا چاہئے۔ سربراہ حکومت اور سربراہ مملکت کا بھی۔ یہی اصلی اسلام ہے۔ تو پھر آیئے اس پر عمل کریں۔ میری رائے میں ہم کو مندرجہ ذیل واقعات کا آخرکار احتساب کرنا ہی پڑے گا:۔

☆ پاکستان کیوں ٹوٹا؟

☆ موجودہ اقتصادی حالات کیوں ہیں؟

☆ ۱۹۸۴ء کا ریفرنڈم

☆ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کی وابستگی والے افراد کی کارکردگی

پہلے دو معاملات کا احتساب تو بغیر کسی دشواری کے شروع ہوسکتا ہے لیکن باقی ماندہ معاملات کے لئے اس وقت تک یہ عمل شروع نہیں کیا جاسکتا جب تک صدارتی فرمان یا قومی اسمبلی کی قرارداد کے ذریعہ دستور میں کی گئی اس ترمیم کو ختم نہیں کیا جاسکتا جس کی رو سے "۵ جولائی

Marfat.com

۱۹۷۷ء سے مارشل لاء حکومت نے جو کچھ بھی کیا اس پر گرفت نہیں ہو سکتی وغیرہ وغیرہ....."
اس کیلئے مارشل لاء کا خاتمہ پہلی شرط ہے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اس کی کبھی بھی اجازت نہیں دیں گے تاوقتیکہ رائے دہندگان سے کئے گئے وعدوں کا احترام کرتے ہوئے منتخب نمائندے مارشل لاء ختم کرنے کا شرف حاصل نہ کریں۔ نمائندگان کا اُس وقت تک فہرست اعزاز میں کوئی مقام نہیں ہوگا جب تک یہ حاصل نہیں ہوتا۔ درحقیقت وہ دستوری بحران کو مزید شدید کرنے اور صوبوں میں احساس محرومی کو مزید گہرا کرنے کے ذمہ دار ٹھہریں گے۔

مارشل لاء اٹھائے جانے کی کوشش کے متعلق جماعت اسلامی کے کردار کو کون نہیں جانتا۔ اگر وہ آج یہ محسوس کرتے ہیں کہ ۱۹۸۵ء کے انتخابات سے پہلے ان سے کئے گئے وعدے اگر سی ایم ایل نے پورے نہیں کئے تو پھر وہ صوبائی اور قومی اسمبلیوں سے استعفیٰ کیوں نہیں دے دیتے۔ وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں اور کیوں کہتے ہیں کہ وہ ۱۲۰ اگست ۱۹۸۵ء تک انتظار کریں گے۔

افغان مسئلہ سے بہت محتاط طریقے سے نپٹنا چاہئے۔ تاریخی طور پر جو کوئی بھی درہ خیبر کے راستے سے آیا وہ واپس نہیں گیا۔ افغان مجاہدین اور افغان مہاجرین میں واضح خط فاصل ہونا چاہئے۔ دونوں ہم معنی تراکیب نہیں ہیں۔

چشتی

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مقالہ جات

Marfat.com

آؤ احتساب کریں
پاکستان کی بقاء احتساب میں ہے

(جنگ کراچی ۱۲ مارچ ۱۹۸۶ء)

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو، اور راست بازوں کے ساتھ رہا کرو

(التوبہ آیت ۱۱۹)

ترجمہ: اور جب بولو تو عدل (کا خیال) رکھو، اگر چہ وہ (شخص) قرابت دار ہی ہو۔

(الانعام آیت ۱۵۲)

۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے شروع ہونے والا مارشل لاء ۳۱ دسمبر ۸۵ء کو اختتام پذیر ہوا اور ایک نئی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مارشل لاء کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندیوں کو بھی ختم کر دیا گیا اور بنیادی حقوق بحال کر دیئے گئے۔ برسر اقتدار طبقہ کی جانب سے کئے جانے والے ان اقدامات کی وجہ سے سیاسی حلقوں کو مطمئن و مسرور ہونا چاہئے تھا لیکن عوامی اور سیاسی حلقوں کی جانب سے جو ردعمل سامنے آیا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔

چند ایک سیاست دانوں کے سوا باقی تمام سیاست دان اس بات پر متفقہ رائے رکھتے ہیں کہ وطن عزیز کو مارشل لاء سے نجات نہیں مل سکی ہے۔ بعض سیاست دانوں نے تو مارشل لاء کے یوں خاتمہ کو برقع کی تبدیلی اور فوجی وردی پر شیروانی زیب تن کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ انتقال اقتدار کے بغیر مارشل لاء کے اس پراسرار اختتام سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات سے وطن عزیز میں گومگو کی کیفیت اور غیر یقینی صورتحال پیدا ہو گئی ہے اور اس ضمن میں سیاسی و سماجی

Marfat.com

حلقوں کی جانب سے ظاہر کردہ ردعمل کئی قابل توجہ اور اہم پہلوؤں کو جنم دیتا ہے۔ ان کے تجزیہ کے لئے مارشل لاء کے پس منظر اور پیش منظر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

اس بحث سے قطع نظر کہ جن حالات میں مارشل لاء کا نفاذ عمل میں لایا گیا وہ حالات سیاست دانوں کے پیدا کردہ تھے یا کسی مخصوص طبقہ کی جانب سے جان بوجھ کر پیدا کئے گئے تھے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کیا اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے اقتدار سنبھالا۔ اپنی پہلی نشری تقریر میں مارشل لاء کے نفاذ کی بنیادی وجہ اندرون ملک ابتر سیاسی حالت بیان کی جس کے باعث اندرون ملک خانہ جنگی کا شدید خطرہ لاحق ہونے کے پیش نظر متحارب سیاسی جماعتوں کو الگ کرنے کی خاطر جنرل صاحب کو مجبوراً مارشل لاء نافذ کرنا پڑا۔ انہوں نے فرمایا۔

''میرا واحد مقصد آزادنہ اور منصفانہ انتخابات کروانا ہے جو کہ اسی سال (۱۹۷۷ء) اکتوبر میں منعقد ہوں گے''۔

''انتخابات مکمل ہوتے ہی میں اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ دوں گا اور میں اس لائحہ عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا''۔

۱۴ جولائی ۱۹۷۷ء کو راولپنڈی میں منعقد ہونے والی پریس کانفرنس اور ۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء کو قوم کے نام نشر ہونے والے خطاب میں انہوں نے مارشل لاء کے نفاذ کے صرف تین مقاصد بیان کئے تھے یعنی کہ

(۱) ملک میں امن وامان کی بحالی

(۲) نوے دن کے اندر عام انتخابات کا انعقاد

(۳) ملک کو جمہوریت کی راہ پر گامزن کرنا

یکم جولائی ۱۹۷۷ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے انتخابات ملتوی کرنے کا

Marfat.com

اعلان کیا اور اسلامی اصولوں کو بنیاد بنا کر عام انتخابات سے قبل احتساب کا عمل شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے یکم جنوری ۱۹۷۸ء کو پریس کانفرنس میں فرمایا۔

''احتساب کے دو پہلو ہیں۔ ایک اثاثوں کی جانچ پڑتال اور دوسرے اختیارات کا ناجائز استعمال۔ اقرباء پروری اور سرکاری خزانے کے بے جا استعمال کی پڑتال۔۔۔۔''۔

''احتساب کے اس عمل سے ملک کو صاف ستھری اور دیانتدار قیادت مہیا ہو سکے گی۔۔۔''۔

بعد میں ۲۱ اپریل کو سٹیٹ گیسٹ ہاؤس راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے فرمایا۔

''احتساب کے اس سلسلے میں، میں خود بھی شامل ہوں، وزراء تو پھر وزراء ہیں۔ احتساب کے لئے جو تاریخ ہم نے مقرر کی ہے اس کے مطابق ۱۹۷۲ء کے بعد جو بھی وزیر بنا ہے یا بنے گا یا جو بھی برسر اقتدار آئے گا میرے سمیت ان سب کا احتساب ہوگا۔ اگر اس لحاظ سے گزشتہ وزراء میں سے کسی کے خلاف کوئی شکایت پائی جاتی ہے تو لازمی بات ہے کہ ان کا احتساب ہوگا۔ احتساب کے عمل سے کوئی بھی مبرا نہیں۔''

ترجمہ: اور عہد کی پابندی رکھو بے شک عہد کی باز پرس ہوگی۔ (بنی اسرائیل آیت ۳۴)

اب جب ہم وطن عزیز میں ساڑھے آٹھ سال کے طویل ترین عرصہ تک رہنے کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ختم ہونے والے مارشل لاء کے نفاذ کے عوامل اور مقاصد کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ تعجب خیز انکشاف ہوتا ہے کہ جن مقاصد کی تکمیل کیلئے یہ لعنت (بقول جنرل محمد ضیاء الحق) نافذ کی گئی تھی ان مطلوبہ مقاصد میں سے کوئی ایک مقصد بھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا ہے!!

Marfat.com

ملک کی اندرونی حالت ۱۹۷۷ء کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بدتر ہے۔

نوے دن کے اندر اور ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت انتخابات کا انعقاد عمل میں نہ لایا جاسکا۔

ملک کا کوئی بھی سیاستدان موجودہ برسر اقتدار حکومت یا نظام حکومت کو جمہوریت تصور نہیں کرتا ہے۔

وطن عزیز میں شکوک وشبہات کی فضاء پیدا ہونے اور غیر یقینی صورتحال میں کارفرما عناصر کا جائزہ لینے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو مارشل لاء کے نفاذ کے مطلوبہ مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا اور نہ ہی انتقال اقتدار کا عمل وقوع پذیر ہوسکا۔ ان حالات میں مارشل لاء کے دور حکومت اور پھر مارشل لاء کے اختتام کے بعد اب موجودہ حکومت کا تقابلی جائزہ لینے سے یہ دلچسپ مگر حیرت انگیز مماثلت سامنے آتی ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کے دوران مقتدر اعلیٰ جنرل محمد ضیاء الحق کی ذات ہے۔ جبکہ یہ کہا جاچکا ہے کہ مارشل لاء اٹھنے کے بعد بھی حکومت کی پالیسیوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی تو پھر اگر اندرون ملک یا بیرون ملک سیاسی اور سماجی حلقے یہ کہتے ہیں کہ وطن عزیز کو مارشل لاء سے نجات نہیں ملی ہے بلکہ صرف نام کی تبدیلی عمل میں لائی گئی ہے تو وہ ایسا کہنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ انتقال اقتدار نہیں ہوا ہے۔

ترجمہ: اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ (الصّف آیت ۲،۳)

اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان نازک حالات میں جبکہ ملک اندرونی اور بیرونی طور

Marfat.com

پر بے شمار خطرات میں گھرا ہوا ہے کون سے اقدام عمل میں لائے جائیں جن سے کہ وطن عزیز کو اندرونی اور بیرونی طور پر استحکام حاصل ہو سکے اور ملک میں عدم اعتماد اور غیر یقینی صورتحال کا خاتمہ ہو اور آئندہ ملک اور قوم کو صحت منداور دیانت دار قیادت مہیا ہو سکے۔

ترجمہ: بے شک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ خود اپنے میں تبدیلی نہیں کر لیتے۔ (الرعد آیت ۱۱)

ساڑھے آٹھ سال کے مارشل لاء کے دور حکومت میں متعدد ایسے اقدامات کئے گئے جن پر کہ نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی سخت احتجاج کیا گیا اور ان پر مختلف انداز میں رائے زنی کی گئی۔ اب ان حالات میں ملک میں صحت مند اقدار کو فروغ دینے کے لئے اور وطن عزیز کے بہتر مستقبل اور سیاسی استحکام کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر ۳۱ دسمبر ۱۹۸۵ء تک کے دور حکومت کا احتساب کیا جانا چاہئے کیونکہ راستی اور انصاف کے لئے احتساب ضروری ہے۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو (عدل واعتدال) بتایا ہے۔

(الاعراف آیت ۲۹)

چند ہی دن کی بات ہے کہ صدر مملکت اور وزیر اعظم دونوں فرما چکے ہیں کہ کوئی شخص بھی احتساب سے بالاتر نہیں ہے اور یہ کہ ہر شخص کا احتساب ہوگا۔ تو پھر وطن عزیز میں اب احتساب کے عمل کا آغاز ہونا لازمی ہے کیونکہ پاکستان کی بقاء احتساب میں ہے۔ تو پھر آؤ احتساب کریں۔ ویسے بھی برسر اقتدار طبقہ کو اسلام کے داعی اور علمبردار ہونے کا دعویٰ ہے اور پھر اسلام میں احتساب کو امتیازی اہمیت بھی تو حاصل ہے۔

Marfat.com

جناب صدر مملکت اور وزیر اعظم سے قوم مطالبہ کرتی ہے کہ وہ جلد ہی احتساب کے ضمن میں سرکاری فرمان جاری کر دیں کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ صدر مملکت ہے یا وزیر اعظم، سینیٹ کا چیئرمین ہے یا سپریم کورٹ کا چیف جسٹس، گورنر ہے یا وزیر اعلیٰ، وزیر ہے یا وزیر مملکت، افواج پاکستان کا سربراہ ہے یا چیئرمین، قومی اسمبلی کا ممبر ہے یا صوبائی اسمبلی کا رکن، سفیر ہے یا کونسلر، فوجی عہدیدار ہے یا سویلین گویا کہ کوئی بھی احتساب سے بالاتر نہیں اور یہ کہ آئین میں جو برسر اقتدار اشخاص کو تحفظات دیئے گئے ہیں ان کو اسلام کے ابدی اصولوں سے متصادم ہونے کی بنیاد پر فوراً منسوخ کیا جائے۔

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کر دے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو۔ انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔

(المائدہ آیت ۸)

احتساب کے ضمن میں اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن کن اشخاص اور کس کس چیز کا احتساب ہونا چاہئے اور اس سلسلہ میں کس اصول کو پیش نظر رکھا جائے یا بنیاد بنایا جائے۔ اس کے لئے رائے عامہ کا نقطہ نظر معلوم کیا جا سکتا ہے اور سیاست دانوں کا بھی تاہم یہ مناسب رہے گا اگر ہر اس شخص کا احتساب کیا جائے جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۸۵ء تک کسی نہ کسی طرح مارشل لاء حکومت کے ساتھ منسلک رہا ہو تو چونکہ میں بھی مارشل لاء دور حکومت میں کچھ عرصہ وفاقی وزیر رہا ہوں اس لئے میں اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کرتا ہوں۔ آج سے پورے چھ سال پہلے ۳۰ مارچ ۱۹۸۰ء کو میں نے بحیثیت وزیر محنت، وزیر پٹرولیم

Marfat.com

اور وزیر آزاد کشمیر و شمالی علاقہ جات تینوں وزارتوں سے اصولوں کی بنیاد پر استعفیٰ دے دیا تھا جو کہ جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان اور سی ایم ایل اے کو پیش کیا تھا۔ استعفیٰ کا پورا متن مندرجہ ذیل ہے۔

"AFTER AN EVENTFUL AND TITANIC STRUGGLE A LONG TENURE OF DUTY IN UNIFORM COMES TO AN END ON 30 MARCH 1980. I TAKE THIS OPPORTUNITY TO EXPRESS MY DEEP GRATITUDE TO YOU SPECIALLY HAVING ASSIGNED ME SOME IMPORTANT PORTFOLIOS IN COURSE OF MY DUTIES. I KEPT THE NATIONAL INTEREST UPERMOST IN MY MIND. FOR ME IT WAS FULLFILMENT OF LONG VENDATTA TO BRING OUT FACTUAL AND NAKED REALITIES TO YOUR KIND NOTICE FOR THE SAKE OF THIS COUNTRY HIGHLIGHTING AT TIME VARIOUS UNPALATABLE FACTS ON EVENTS AND PERSONALITIES. THIS ATTITUDE AT TIMES MIGHT HAVE BEEN DISLIKED BY YOU BUT WAS CERTAINLY DISREGARD AS A SOLITARY VOICE BY SOME OF MY COLLEAGUES. I FEEL THAT DURING MY TENURE OF DUTY I HAVE GIVEN MY BEST AND HAVE ACQUITED MYSELF WITH SOME CREDIT. LET HISTORY THE JUDGE TO EVALUATE AND SIFT THE GRAINS OF ACHEIEVEMENT FROM THE CHAFF

Marfat.com

AS A FEDERAL MINISTER, UPTO 30 MARCH 1980, I DREW MY STRENGTH FROM THE ARMY AS A BASE BEING A GENERAL OFFICER ON THE ACTIVE LIST WHICH IS THE CASE IN ANY MARTIAL LAW REGIME. ON THE EVENING OF 16 MARCH 1980 YOU WERE MAGANANIOUS ENOUGH TO OFFER ME CONTINUITY OF MY JOB AS A FEDERAL MINISTER BUT CONSIDERING THE NEW ENVIRONMENTS I HAD HUMBLY SUBMITTED THAT I WOULD LIKE TO BE RELIEVED OF THE RESPONSIBILITIS OF A FEDERAL MINISTER WITH EFFECT FROM THE DATE I RETIRE FROM THE ARMY WHICH YOU HAD KINDLY ACCEPTED. I, THEREFORE, NOW REQUEST FOR THE FORMALIZATION OF MY RESIGNATION WITH EFFECT FROM 31 MARCH 1980. IN THE END I PRAY THAT MAY GOD GIVE YOU THE WISDOM AND STRENGTH TO STEER THE COUNTRY OUT OF THE EXISTING POLITICAL AND ECONOMIC CRISIS. I AM CERTAIN WITH YOUR DEDICATED EFFORTS YOU WILL BE ABLE TO BRIDGE THE CREDIBILITY GAP BETWEEN THE GOVERNMENT AND T H E N A T I O N ".

سب سے پہلے ان تمام حضرات کی فہرست مرتب کی جائے جن کا ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے

Marfat.com

کر ۳۱ دسمبر ۱۹۸۶ء تک مارشل لاء سے کوئی تعلق رہا ہو۔ یہ فہرست کچھ اس طرح سے بنی چاہئے:

(الف) مارشل لاء چلانے والے حضرات

(ب) مارشل لاء سے منسلک حضرات

اب سوال اٹھتا ہے کہ کس کس چیز کا احتساب ہونا چاہئے۔ میرے خیال میں احتساب کے عمل میں مارشل لاء دور حکومت میں جو بھی قومی نوعیت کے فیصلے ہوئے ہیں شامل ہونے چاہئیں۔ مثلاً:۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لاء کا نفاذ کیوں ہوا۔ جو حضرات ان حالات کے ذمہ دار تھے جس کی وجہ سے مارشل لاء لگا ان کے خلاف کیا کارروائی کی گئی۔

۳۔ ۱۹۷۲ء سے لے کر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک کے ذمہ دار اشخاص کا کیوں احتساب نہ ہو سکا۔

۴۔ انتخابات کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلہ پر کیوں عمل نہ ہوا۔

۵۔ جنرل یحییٰ خان پر مقدمہ مشرقی پاکستان کیوں نہ چل سکا۔

۶۔ عام انتخابات کا التواء کیوں ہوا۔

۷۔ الیکشن سیل کی کارکردگی عام انتخابات کروانے کے لئے کیا تھی۔

(الف) جب جنرل چشتی سیل کے سربراہ تھے۔

(ب) جب مسٹر محمود ہارون سیل کے سربراہ تھے۔

۸۔ عدالتوں کے اختیارات پر قدغن۔

۹۔ غیر جماعتی انتخابات کیوں ہوئے۔

Marfat.com

۱۰۔ مسلح افواج کی بیرون ملک روانگی۔

۱۱۔ آئین میں ترمیم۔

۱۲۔ دسمبر ۱۹۸۴ء کا ریفرنڈم۔

۱۳۔ انتقال اقتدار کیوں نہ ہوا۔

۱۴۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ زیر حراست کیا سلوک ہوا۔

۱۵۔ مسٹر بھٹو کی رحم کی درخواست جنرل سوار خان نے کیوں مسترد کی۔

۱۶۔ مسٹر بھٹو کی رحم کی اپیل لاہور سے اسلام آباد کتنی دیر میں پہنچی۔

۱۷۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی میں ۲۴ گھنٹے تاخیر کیوں کی گئی۔

۱۸۔ راولپنڈی جیل کی انتظامیہ کا ڈھانچہ کیا تھا۔

۱۹۔ جنرل محمد ضیاء الحق یکم مارچ ۱۹۷۹ء سے اب تک کیوں بطور سی او اے ایس ایکسٹینشن پر ہیں اور کیوں ریٹائر نہیں ہوئے۔

۲۰۔ حدود قصاص کب لاگو ہوئی اور کیوں۔

۲۱۔ وزیر قانون کو کیوں بطور اٹارنی جنرل رکھا گیا اور عدالتوں میں پریکٹس کی اجازت کیوں دی گئی۔

۲۲۔ مارشل لاء سے منسلک عہدیداروں کے اثاثے کیا تھے اور کون کون سی جائیداد بنائی اور اندرون ملک و بیرون ملک کیا کیا ہے۔

۲۳۔ مارشل لاء دور میں سویلین حضرات کو عہدے قبول کرنے کی کون کون سے مجبوریاں ہیں۔

۲۴۔ سول اور افواج پاکستان میں غلط ترقیاں، غلط تعیناتیاں اور ایکسٹشنز کیوں کی گئیں۔

۲۵۔ افواج پاکستان کے سربراہوں کو اور دیگر افسران کو کون کون سی تاحیات مراعات دی

Marfat.com

گئیں۔

۲۶۔ کالا دھن بانڈز کیوں جاری کئے گئے۔

۲۷۔ کون کون سے حضرات نے بیرونی ملکوں سے لئے ہوئے تحائف حکومت کو نہیں بتائے۔

۲۸۔ قوم کا پیسہ کیوں بے دردی سے خرچ کیا گیا۔

۲۹۔ رشوت کیوں بڑھی۔

۳۰۔ کس کس نے اقرباء پروری کی۔

۳۱۔ حکم عدولی کی سزا کیوں نہ دی جا سکی، وغیرہ، وغیرہ۔

ان گزارشات کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ احتساب کیسے ہوگا اور کون کرے گا۔ اس ضمن میں انشاء اللہ جلد ہی اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔

پاکستان پائندہ باد۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

آؤ احتساب کریں

سیاچن گلیشیر، اصل مسئلہ کیا ہے؟

(جنگ لاہور ۲۲ مارچ ۱۹۸۶ء)

ترجمہ: اور حق کو ناحق کے ساتھ غلط ملط مت کرو اور حق کو مت چھپاؤ درآنحالیکہ تم جان بھی رہے ہو۔ (البقرہ ۴۲)

صدر مملکت نے گزشتہ دنوں سیاچن گلیشیر پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''اس کے نیچے یعنی برف کے نیچے نہ تو گھاس اگتی ہے اور نہ ہی تیل نکلتا ہے''۔ انہوں نے اپنے اس بیان سے شاید قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ سیاچن کا علاقہ پاکستان کے لئے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ صدر پاکستان کا یہ بیان پڑھ کر کچھ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔

۱۹۶۳ء کا ذکر ہے میں استنبول میں تھا۔ ترکی میں TURKISH WAR ACADEMIES میں ARMY STAFF COURSE کر رہا تھا۔ یہ Academies سلطنت عثمانیہ کے ایک بہت بڑے شاہی محل میں واقع تھیں۔ ان دنوں ترکی اور قبرص کے مابین تنازع تھا اور پاکستان دنیا کا پہلا ملک تھا جس نے بین الاقوامی طور پر ترکی کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا تھا۔ قبرص میں ایک جھڑپ میں چند ترک جوان اور افسر شہید ہو گئے تھے۔ جب ان کی لاشیں ترکی پہنچیں تو ترک قوم کی جذباتیت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ انہی ایام کا ذکر ہے جب ایک روز جنرل جیودت ثنائے Cevdet Sunay جو کہ چیف آف ڈیفنس اسٹاف تھے استنبول تشریف لائے اور انہوں نے ہم سے (کوئی تین ہزار افسروں اور جوانوں سے) خطاب کیا۔ جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ میری زندگی میں سنی جانے

Marfat.com

والی سب سے مختصر تقریر ہے۔الفاظ یوں تھے۔

''میرے پیارے بچو! مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھ سے کیا سننا چاہتے ہیں۔(یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی یونیفارم کے کوٹ کی جیب سے کوئی چیز نکالی اور پھر اپنی مٹھی اپنے سر سے اوپر کرتے ہوئے کھول دی۔ان کی مٹھی سے مٹی گرنے لگی) تقریر جاری رکھتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔''یہ ترکی کی مٹی ہے اور صرف ترکی میں ملتی ہے۔اس کی حفاظت کے لئے ہم نے کیا کرنا ہے، ہم جانتے ہیں۔وہی کریں گے جو آپ چاہتے ہیں۔عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔خدا حافظ''۔

وہ اسٹیج سے اترے۔مجھے سب سے آگے والی صف میں کھڑے دیکھ کر میری طرف بڑے ہاتھ ملایا۔منہ چوما اور ہمارے کمانڈنٹ جنرل سمیع سنجر Semih Sancar کو فرمایا۔

''اس کا خیال رکھنا، گزشتہ سال اس نے کراچی میں میرا بہت خیال رکھا تھا۔ہمیں پاکستان پر فخر ہے''۔ اور چل دیئے۔میرے ذہن میں وہ یاد بھی تازہ ہوگئی جس کا حوالہ جنرل ثنائے نے دیا تھا۔

۱۹۶۲ء میں جنرل ثنائے ترکی کی طرف سے CENTO میں PERMANENT MILITARY DEPUTY تھے جب PMDs کی میٹنگ کراچی میں ہوئی تو مجھے ان کے ساتھ ترجمان کے ساتھ تعینات کیا گیا تھا اور مجھے اس اجلاس کے دوران ان کے ساتھ بیس بائیس دن کام کرنے کا موقع ملا تھا۔جس کے باعث ان سے شناسائی ہو چکی تھی جس کا حوالہ انہوں نے جنرل سمیع سنجر کو دیا تھا۔CENTO PMDs کے اس اجلاس میں ایک نکتہ یہ بھی موضوع بحث تھا کہ چین کے خلاف بھارت کو کیا امداد دی جا سکتی ہے۔ترکی بھارت کو پہاڑی توپخانہ کی توپیں دینے کو تیار ہو گیا تھا۔

Marfat.com

اجلاس کے دوران چائے کے وقفہ میں، میں نے جنرل شنائے کے گوش گزار کیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اور دوست ہیں مگر آپ ہمارے دشمن کو جس نے کہ ہمارے ایک حصہ کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے فوجی امداد فراہم کرنے کا فیصلہ کر رہے ہیں تو پھر اس سے کیا تاثر لیا جائے گا اور پھر کیا گارنٹی ہے کہ بھارت آپ کی جانب سے ملنے والی اس امداد کو کل ہمارے خلاف استعمال نہیں کرے گا۔ یہ سن کر جنرل شنائے کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر انہوں نے بھارت کو فوجی امداد فراہم کرنے کا اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور چین کے خلاف بھارت کو امداد دینے سے صاف انکار کر دیا۔

جنرل جیودت شنائے (جو کہ اس وقت اپنی فوجوں کے سپہ سالار تھے) کے اپنے وطن کی مٹی کے بارے میں خیالات اور پھر اپنے صدر مملکت (جو کہ اس وقت اپنی فوجوں کے سپہ سالار ہیں) کے سیاچن کے بارے میں نظریات کا تقابلی موازنہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔ قوم تو صرف یہ جاننا چاہئے گی کہ یہ سب کچھ کس کو خوش کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے اور کیوں؟ سیاچن گلیشیر کے نیچے چاہے گھاس اگے یا نہ اگے۔ تیل نکلے یا نہ نکلے یہ ہمارا علاقہ ہے اور ہماری غیرت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کو واپس لیں۔ اور انشاءاللہ لیں گے۔

سیاچن گلیشیر پر بھارت کی فوجی کاروائی اور غاصبانہ قبضہ کوئی خلاف معمول یا خلاف توقع بات نہیں ہے بلکہ یہ اس طے شدہ منصوبہ کی ایک کڑی ہے جس کے تحت بھارت کشمیر کو طاقت اور سازشوں کے بل بوتے پر ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ جب اس صورتحال کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو کئی قابل توجہ پہلو سامنے آتے ہیں۔ یہ تو ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پاکستان کی اساس دوقومی نظریہ پر رکھی گئی تھی اور دیگر عوامل کے علاوہ دوقومی نظریہ کی بنیاد پر کشمیر پاکستان کا حصہ اور جزو لاینفک ہے۔ اسی لئے حضرت قائداعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ

Marfat.com

رگ قرار دیا تھا۔ کشمیر کی اس نظریاتی حیثیت سے بھارتی دانشور بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ مشہور بھارتی مفکر ڈاکٹر جی بے داس گپتا اپنی کتاب

INDO PAKISTAN RELATION

میں لکھتے ہیں۔

"..... یہ ایک عظیم نظریاتی جنگ ہے جو کہ کشمیر میں لڑی جا رہی ہے..... اگر کشمیر پاکستان کے ہاتھ سے جاتا ہے تو یہ دراصل نظریہ پاکستان کی شکست ہوگی اور پھر اس کے بعد ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے پاکستان کا وجود ختم ہونے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگے گا....."۔

پاکستان اور بھارت کے مابین کشمیر کے تنازع پر ہونے والی لڑائی کے نتیجہ میں بھارت اس مسئلہ کو اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں لے گیا جہاں ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۲۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادوں کے مطابق کشمیر کے مسئلہ کو آزادانہ استصواب رائے سے حل کرنے کا فیصلہ ہوا مگر اس کے بعد بھارت اس ضمن میں اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل پیرا ہونے سے منحرف ہو گیا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان اسی تنازع کی بنیاد پر ۱۹۴۹ء میں CEASE FIRE LINE بنے جنم لیا۔ یہ CEASE FIRE LINE ۱۹۶۵ء تک قائم رہی۔ اس کی رو سے چند ایک علاقے ایسے بھی تھے جن پر ہمارا DE FACTO اور DE JURE کنٹرول بھی تھا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کئی ایک جگہوں پر یہ CEASE FIRE LINE توڑ دی گئی اور کسی جگہ ہندوستانی فوجوں نے مگر زیادہ تر پاکستانی اور آزاد کشمیر کی فوجوں نے اس لائن کو عبور کیا مگر معاہدہ تاشقند کی وجہ سے پاکستان اور بھارت دونوں ممالک کو اپنے اپنے مفتوحہ علاقے چھوڑ کر واپس سیز فائر لائن پر آنا پڑا۔ وہ علاقے جہاں پر DE FACTO اور DE JURE کنٹرول تھا اور جہاں پر سیز فائر لائن عبور

Marfat.com

نہیں کی گئی تھی ویسے کے ویسے ہی رہے اور ان کے STATUS میں کوئی فرق نہ آیا۔ گویا کہ سیز فائر لائن برقرار رہی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی بات نہ ہوئی اس کے برعکس ۱۹۷۱ء کی جنگ میں معاہدہ شملہ کے تحت کشمیر میں اپنے مفتوحہ علاقہ جات کو چھوڑ کر واپس سیز فائر لائن پر آنے کی بجائے اپنے اپنے زیر تسلط علاقہ جات کو بنیاد بنا کر

LINE OF CONTROL اور LINE OF ACTUAL CONTROL

کا قیام عمل میں لایا گیا اور یوں معرض وجود میں آنے والی یہ کنٹرول لائن ۱۹۴۹ء کی تعین کردہ سیز فائر لائن سے قطعی مختلف ہے اور اس طرح کنٹرول لائن کے قیام کا فیصلہ کر کے ہم ایک فاش غلطی کے مرتکب ہوئے۔ قومی نوعیت کے کئے گئے اس نازک ترین فیصلہ ہی کی نسبت یہ کہنا تو مشکل ہے کہ یہ فیصلہ دیدہ دانستہ کیا گیا تھا یا سادہ لوحی سے یا پھر کسی کے اشارے پر! تاہم میں نے اس ضمن میں اپنا نقطہ نظر اپنے جرنیل کی وساطت سے اس وقت کی حکومت اور ارباب اختیار تک پہنچا دیا تھا۔ اس فیصلہ کے سنگین نتائج اب ہماری ملی بقاء کے لئے تباہ کن ثابت ہو رہے ہیں اور سیاچن کا مسئلہ بھی اسی سلسہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

شملہ میں کئے جانے والے تصفیہ کے بعد بھارت شاید اب یہ سمجھتا ہے کہ یہ اصول ہمیشہ کے لئے طے پا گیا ہے کہ کشمیر میں جو فریق بھی طاقت کے بل بوتے پر جتنے رقبہ یا علاقہ پر تسلط جما لے گا وہ اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا مجاز ہو گا۔ اس کے علاوہ معاہدہ شملہ کے مطابق بھارت اور پاکستان اس امر کے پابند ہیں کہ وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے ایک دوسرے کے خلاف طاقت کا استعمال نہیں کریں گے اور یوں اس طے پا جانے والے اصول کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے یہ باور کیا جاتا ہے کہ شملہ کا معاہدہ اگر پاکستان کو اپنے علاقہ میں فوج یا طاقت کے استعمال سے نہیں روکتا تو اسی طرح یہ معاہدہ بھارت کو بھی اپنے علاقہ میں فوج کشی سے نہیں روکتا ہے۔ ان حالات میں جبکہ بھارت سرکاری طور پر کشمیر کو اپنا ''اٹوٹ

Marfat.com

انگ'' قرار دیتے ہوئے کشمیر کو متنازعہ علاقہ ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اگر بھارت سیاچن گلیشیر یا آزاد کشمیر کا کوئی اور علاقہ ہتھیا لیتا ہے تو کیا ہم کئے گئے معاہدے اور طے پا جانے والے اصول کی بنیاد پر ایسا علاقہ واپس طلب کرنے کے مجاز ہیں اور کیا بھارت اس علاقہ کو واپس کرنے کا پابند ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ احتساب!!

۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد کشمیر میں سیز فائر لائن کی جگہ کنٹرول لائن کے قیام کے فیصلہ کے بعد بھارت نے اپنی روایتی مکاری سے کام لیتے ہوئے اس امر کیلئے ہر ممکن کوشش جاری رکھی کہ کنٹرول لائن کو بین الاقوامی سرحد کی جگہ دے دی جائے اس غرض سے:-

ا۔ بھارتی فوج نے کنٹرول لائن پر خاردار تار لگانے کا منصوبہ بنایا مگر ہم نے اس پر عمل پیرا نہ ہونے دیا۔

ب۔ بھارتی فوج نے کنٹرول لائن پر مورچے کھودنے چاہے مگر ہم نہ مانے۔

ج۔ بھارتی فوج نے کنٹرول لائن پر Boundary Pillars بنانا چاہئے مگر ہم نے اس سازش کو بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔

بھارتی فوج کو کنٹرول لائن پر خاردار تار نہ لگانے دینے، مورچے نہ کھودنے دینے اور Boundary Pillars نہ بنانے دینے کی وجہ سے مجھے آزاد کشمیر میں بحیثیت بریگیڈ کمانڈر، ڈویژن کمانڈر اور کور کمانڈر اپنی زیر کمان فوج پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔ بہر حال بھارت کی جانب سے کی جانے والی یہ کاوشیں اس امر کی واضح نشاندہی کرتی ہیں کہ بھارت معاہدہ شملہ کی آڑ لے کر آزاد کشمیر کو ہڑپ کرنے کے درپے ہے اور اس ضمن میں صرف ہمارا ردعمل جاننے کی خاطر اس نے سیاچن گلیشیر کے علاقہ میں فوجی کاروائی کر کے جارحانہ قبضہ کر لیا ہے۔ بدقسمتی سے تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہم بھارت کی جانب سے کی جانے والی اس

Marfat.com

کاروائی کا دندان شکن جواب دینے سے قاصر ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اقتدار کے نشہ میں اپنے فرائض منصبی سے غافل ہو چکے ہیں اور اپنے ملی فرائض کو یکسر فراموش کر چکے ہیں۔

کچھ عرصہ سے بھارت نے برصغیر میں قیام امن کا راگ الاپنا شروع کر رکھا ہے جس سے ہمارا برسر اقتدار طبقہ یہ باور کرنے لگا ہے یا انہیں یہ باور کرایا جانے لگا ہے کہ اب واقعی بھارت اسلام اور پاکستان کے خلاف اپنے جارحانہ عزائم سے تائب ہو چکا ہے اور اب وہ خلوص دل سے برصغیر میں قیام امن کا خواہاں ہے۔ اس لئے جذبہ خیر سگالی کے طور پر ہمیں بھارت کے ساتھ تمام پرانی رنجشوں کو فراموش کر کے اپنے تعلقات باہمی بھائی چارے کی بنیاد پر از سر نو استوار کرنے چاہئیں۔ یہ اسی طرز فکر کا نتیجہ ہے کہ ہمارے برسر اقتدار طبقہ نے قیام امن کے اس تاثر کو قبول کر کے اس کے جواب میں ''خیر سگالی'' کے طور پر مسئلہ کشمیر کے بارے میں بین الملکی سطح پر بات کرنا چھوڑ دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈھاکا میں منعقد ہونے والی ''سارک کانفرنس'' اور پھر دہلی میں ہونے والی صدر پاکستان اور بھارتی وزیر اعظم کی ملاقات میں مسئلہ کشمیر کا ذکر کرنے یا اس کے فوری حل پر زور دینے کی بجائے ہم نے بھارت کے ساتھ ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا ہے۔ اہل نظر اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم بھارت کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرنے میں کس قدر سنجیدہ تھے یا ہیں۔

بھارت کی جانب سے برصغیر میں ''قیام امن'' کا ڈھنڈورہ محض اس لئے پیٹا جا رہا ہے کہ اس طرح وہ پاکستان کے عوام اور حکومت کو غلط فہمی میں مبتلاء کر کے آزاد کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے راستہ ہموار کر سکے وگرنہ جہاں تک بھارت کے توسیع پسندانہ عزائم کا تعلق ہے وہ اپنے قدیم دیومالائی تصور کے مطابق اکھنڈ بھارت کی تشکیل کے لئے گردنواح کے تمام ممالک کو

Marfat.com

ختم کر کے ایک عظیم برہمنی سلطنت کا قیام عمل میں لانا چاہتا ہے۔ اپنے ان جارحانہ عزائم کی تکمیل کے لئے وہ انتہائی عیاری اور پوری قوت سے سرگرم عمل ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی اسٹریٹجی کا بنیادی اصول ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے عین مطابق ہے کہ۔

''جب تم اپنے دشمن کو مارنا چاہو تو اُسے دوست بناؤ۔ جب مارنے لگو تو اس سے بغلگیر ہو جاؤ اور جب تم اسے مار چکو تو اس کی لاش پر آنسو بہاؤ''۔

ہوش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھارت کی شاطرانہ چالوں سے پوری طرح باخبر رہیں ورنہ اگر ہم نے محض خوش فہمی کی بناء پر بھارت کے ناپاک عزائم کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے میں کوئی غلطی کی تو یہ گویا اپنی قومی خودکشی کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔ ہماری جانب سے مسئلہ کشمیر کو اجاگر کرنے کی بجائے بین الاقوامی سطح پر اس کے ذکر سے پہلو تہی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ہم اپنے ملی تشخص، قومی نظریہ اور قومی حیثیت کو داؤ پر لگا چکے ہیں۔ اور اگر نہیں تو پھر فرما دیجئے کہ مسٹر راجیو گاندھی کشمیر کا مسئلہ منصفانہ طور پر حل کئے بغیر پاکستان آنے کا نہ سوچیں وگرنہ پچھتانا پڑے گا۔ پاکستان پائندہ باد۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

آؤ احتساب کریں

مارشل لاء کی تکرار کیوں؟

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء)

ترجمہ: منافقوں کو بشارت دیں کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(سورۃ النساء آیت ۱۳۷

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر اور اسلامی جمہوری معاشرے کے قیام کے لئے عمل میں لایا گیا تھا لیکن بدقسمتی سے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ملکی حالات اس نہج پر چلے کہ یہ خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا بلکہ اس کے برعکس وطن عزیز میں جمہوری اقدار کو پامال کرتے ہوئے اب تک پانچ مارشل لاء لگ چکے ہیں جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔ اس لحاظ سے اگر پاکستان کو مارشل لاء کی سرزمین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

۱۔ ۱۹۵۳ء کا جزوی مارشل لاء۔

۲۔ ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء۔

۳۔ ۱۹۶۹ء کا مارشل لاء۔

۴۔ اپریل ۱۹۷۷ء کا جزوی مارشل لاء۔

۵۔ جولائی ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء۔

مارشل لاء کیا ہوتا ہے؟ مارشل لاء اس نظام حکومت کو کہا جاتا ہے جس میں ملک کی افواج طاقت کے بل بوتے پر تمام تر ملکی قوانین (جن میں کہ آئین بھی شامل ہوتا ہے) کو معطل یا

Marfat.com

منسوخ کر کے عنان حکومت سنبھال لیتی ہیں اور یوں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے تحت ایک شخصی حکومت قائم ہو جاتی ہے جس کی بنیاد نہ تو کسی قانون پر رکھی جاتی ہے اور نہ ہی کسی ضابطہ یا اصول پر۔

جمہوری اداروں کو معطل کر کے شخصی حکومت کا قیام صرف ہمارا ہی المیہ نہیں بلکہ اکثر ترقی پذیر ممالک میں بھی یہ ایک معمول بن چکا ہے البتہ ہماری صورتحال کچھ زیادہ ہی دگرگوں رہی ہے۔ ان حالات میں حساس ذہن اکثر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر وطن عزیز میں مارشل لاء کیوں لگتا ہے۔ چہ جائیکہ ہمارے ساتھ آزاد ہونے والے پڑوسی ملک بھارت میں اگرچہ سیاسی حالات کئی مرتبہ سنگین صورتحال اختیار کر گئے لیکن وہاں کی افواج نے کبھی بھی برسر اقتدار آنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید اس لئے کہ وہاں کے سیاسی مدبر نوشتہ دیوار پڑھ لیتے تھے اور خود بخود کرسی چھوڑ دیتے تھے۔ یا پھر اس لئے کہ وہاں کے فوجی سربراہ کو کبھی بھی اس امر کا یقین کامل نہیں ہوا کہ وہ نہ صرف فوج میں بلکہ سارے ملک میں سب سے قابل شخص ہے یا پھر شاید اس لئے کہ ہماری فوج کے سربراہ کا چناؤ غلط ہوتا رہا ہے یا پھر اس لئے کہ ہم احتساب پر یقین نہیں رکھتے۔

مارشل لاء کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جس کا نفاذ ارادتاً کیا جاتا ہے اور دوسرا وہ جو کہ نتیجتاً لگتا ہے۔ جو مارشل لاء ارادتاً لگایا جاتا ہے اس میں فوج کے سربراہ کی برسر اقتدار آنے کی خواہش جب غلبہ اختیار کر لیتی ہے تو وہ اپنے ذاتی عزائم کی تکمیل کے لئے ملکی افواج کو حرکت میں لا کر اقتدار پر جبراً قبضہ کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس جو مارشل لاء نتیجتاً لگتا ہے اس میں ملک کی داخلی صورتحال اس قدر سنگین صورت اختیار کر لیتی ہے کہ ملک کی سلامتی خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور ملک کی سلامتی اور تحفظ کی خاطر ملکی افواج کو اصلاح احوال کی غرض سے

Marfat.com

بادل نخواستہ مجبوراً اقتدار سنبھالنا پڑتا ہے۔ان دو اقسام میں سے مارشل لاء کسی بھی قسم کا ہو اس کے نفاذ میں پس پردہ لازماً کچھ ایسے مقاصد کارفرما ہوتے ہیں جو کہ مارشل لاء کے نفاذ کا باعث بنتے ہیں۔

ارادتاً لگائے جانے والے مارشل لاء کے نفاذ کی وجہ سے عام طور پر افواج کے سربراہ کی ذاتی ہوس اقتدار ہوتی ہے یا پھر اس کے یا اس کے ساتھیوں کے (جو کہ فوجی بیوروکریٹس اور سیاستدان ہوسکتے ہیں) کچھ عزائم ہوتے ہیں جن کی تکمیل کے لئے وہ برسراقتدار آنا ضروری خیال کرتے ہیں۔اس کے پس پشت کارفرما عوامل کا جائزہ لینے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات ایسے سیاست دان جو کہ عام حالات میں برسراقتدار نہیں آسکتے وہ ملکی افواج کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں اور ایسے سیاست دان اس غرض سے فوجی سربراہ کو اس امر پر قائل کر کے کہ وہ اس کے مددگار ہیں اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے راہ ہموار کر لیتے ہیں۔اس طرح سیاست دانوں کی شہ پر برسراقتدار آنے والا فوجی حکمران سیاست دانوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔اس لئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے سیاست دان اسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کر کے اپنا الوسیدھا کرتے ہیں۔اور جب مارشل لاء کی وجہ سے شہری آزادیاں مسلسل سلب رہتی ہیں اور فوجی حکومت عوام کی توقعات پر پورا نہیں اترتی تو عوام فوجی جنتا سے اکتا جاتے ہیں اور فوجی حکمرانوں کو عوام کی نفرت اور غیظ وغضب کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ایسے نازک وقت میں وہ سیاست دان جنہوں نے مارشل لاء کے نفاذ میں معاونت کی ہوتی ہے یا جن کے ایماء پر مارشل لاء کا نفاذ عمل میں لایا گیا ہوتا ہے یا جن کے کہنے پر نازک ترین نوعیت کے قومی فیصلے کئے ہوتے ہیں طوطا چشم بن کر اپنا دامن صاف بچا جاتے ہیں۔

Marfat.com

مارشل لاء کی دوسری قسم وہ ہے جس میں مارشل لاء نتیجتاً لگتا ہے۔ اس حال میں مخصوص سیاسی عناصر اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ ملک کی داخلی صورتحال ابتر ہو جاتی ہے اور ملک کا استحکام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ پھر ملک کی سلامتی کے لئے ملکی افواج کو (جن کی ذمہ داری ملک کا تحفظ ہوتی ہے) مجبوراً مداخلت کر کے ملک میں نظم و نسق اور امن و امان کی بحالی کے لئے مارشل لاء کا نفاذ کرنا پڑتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملک کی داخلی صورتحال کیوں خراب ہوتی ہے۔ اس کی چند ایک وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً۔

ا۔ ترقی پذیر ممالک میں (جن میں کہ ہم بھی شامل ہیں) خود کفالت کے ذرائع بہت کم ہوتے ہیں جبکہ عوام ہر برسر اقتدار آنے والی حکومت سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ملک کے معاشی نظام میں اصلاح کر کے ایسے حالات پیدا کرے کہ ان کے نتیجہ میں عوام کا معیار زندگی بڑھے لیکن عملی طور پر ایسا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ برسر اقتدار شخص کی عوام میں مقبولیت کم ہونی شروع ہو جاتی ہے اور جو شخص برسر اقتدار طبقہ پر تنقید اور نکتہ چینی کر کے عوام کی خواہشات کی ترجمانی کرتا ہے اور عوام کے سامنے ''یوٹوپیا'' کا یعنی تصوراتی نظریہ پیش کرتا ہے اس کی عوام میں مقبولیت کا گراف بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ جب ملک میں ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے تو برسر اقتدار شخص عوام کی خواہشات کے پیش نظر یا پھر عوام کے مطالبہ پر اقتدار سے دستبردار ہونے کی بجائے اسے دوام دینے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اس غرض سے جائز و ناجائز ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے داخلی حالات بد سے بدتر ہوتے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں برسر اقتدار شخص فوج کے سربراہ کو اپنے اعتماد میں لے کر اقتدار کو دوام بخشنے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرتا ہے یا پھر کرنا چاہتا ہے لیکن فوجی سربراہ ملکی حالات کے پیش نظر زیادہ

Marfat.com

عرصہ تک حکومت اور برسر اقتدار شخص کا ساتھ نہیں دیتا اور مجبوراً مارشل لاء نافذ کر دیتا ہے۔

۲۔ اس دور جدید میں جبکہ بڑی طاقتوں کے مابین کشمکش اور رقابت کی فضاء ہے اور سیاسی لحاظ سے بھی دنیا دو بلاکوں میں بٹ چکی ہے (اور تیسرے بلاک کو کوئی اٹھنے کی اجازت نہیں دیتا)۔ ان حالات میں بڑی طاقتیں بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ترقی پذیر ممالک کو ہی (جو کہ معاشی طور پر خود کفیل نہ ہونے کے باعث بڑی طاقتوں کے دست نگر رہتے ہیں) آلہ کار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ اس لئے ان بڑی طاقتوں کی خواہش ہوتی ہے کہ تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں ان کا عمل دخل رہے۔ اس لئے بھی ان طاقتوں کی کوشش رہتی ہے کہ ان ممالک میں ان کی مرضی کی حکومتیں تشکیل پائیں۔ یوں بعض اوقات ان طاقتوں کے اشارہ پر کچھ سیاست دان ملک کے سیاسی حالات کو ایسا رخ دیتے ہیں جس میں مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہو جاتا ہے۔

ہمارا وطن عزیز بھی ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ بدقسمتی سے آزادی کے فوراً بعد یہاں بھی وہی صورتحال پیدا ہو گئی جس کے نتیجہ میں کسی ملک میں مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ قائداعظم کا انتقال ہوتے ہی ہمارے سیاست دانوں میں اور ایک خاص طبقہ کے بیوروکریٹس میں اقتدار کی کشمکش بلکہ صحیح تر الفاظ میں اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی جس کے نتیجہ میں مہم جو اور موقع پرست سیاست دانوں نے چور دروازے سے اقتدار حاصل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور جو شخص برسر اقتدار آ گیا اس نے اقتدار کو اپنا حق اور وراثت سمجھتے ہوئے اسے دوام دینے کے لئے حتی المقدور کوشش جاری رکھی اور اس شرمناک مقصد کے لئے ہر قسم کی قانونی اور اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ان ہی طالع آزما حکمرانوں نے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے فوج کو اپنے زیر اثر رکھنے اور آلہ کار کی حیثیت دینے کے لئے بھی ہر ممکن کوشش کی۔ اس غرض سے فوج کے سربراہ کے انتخاب میں

Marfat.com

خصوصی احتیاط برتی جانے لگی (اس جگہ یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں مارشل لاء کا نفاذ کبھی بھی بحری یا ہوائی فوج کے سربراہ نے نہیں بلکہ ہمیشہ فوج کے سربراہ نے ہی کیا) تو پھر اس عہدہ کیلئے کن خصوصیات کا جرنیل ہونا چاہئے تھا۔ اس کا جائزہ لینا چاہئے۔

معیار کے اعتبار سے فوجی افسران کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک طبقہ کو ماہر پیشہ ور لیڈر کو GOOD CAPTAINS کہا جاتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ تعمیل کرنے والے یعنی LOYAL LIEUTENANTS کہلواتا ہے۔ ان دونوں طبقوں میں امتیاز کی غرض سے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اگر ملک کا دفاع، سرحدوں کا تحفظ اور اعلیٰ فوجی اقتدار کی پاسبانی کرنی ہو تو GOOD CAPTAINS کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر صرف حکمران کی گدی اور کرسی کو ہی قائم رکھنا ہے تو پھر LOYAL LIEUTENANTS درکار ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے قربانی کا بکرا بھی GOOD CAPTAINS ہی بنتے ہیں جبکہ اس کے برعکس LOYAL LIEUTENANTS وقت سے فائدہ اٹھانے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

پاکستان میں اب تک جو مارشل لاء لگ چکے ہیں ان میں سے ۱۹۵۳ء کا جزوی مارشل لاء اور اپریل ۱۹۷۷ء کا جزوی مارشل لاء تو سیاست دان حکمران نے نافذ کئے جبکہ ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء، ۱۹۶۹ء کا مارشل لاء اور جولائی ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء فوج کے سربراہ نے لگائے۔ ان میں سے پہلے دو تو ارادتاً نافذ کئے گئے جبکہ تیسرا نتیجتاً لگایا گیا۔ پہلے دو تو فوراً ہی نافذ کر دیئے گئے تھے جبکہ تیسرے نے ۷ مارچ ۱۹۷۷ء سے لے کر جولائی ۱۹۷۷ء تک طویل صبر کا سفر طے کیا۔

جب ہم اپنے پڑوسی ملک بھارت میں مارشل لاء نہ لگنے کے عوامل کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم

Marfat.com

ہوتا ہے کہ بھارت میں فوجی سربراہ کے چناؤ اور تقرر کے وقت ایک ہی اصول کارفرما رہا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے فوجی سربراہ کی مدت عہدہ میں ماسوائے ایک کے کبھی بھی توسیع نہیں کی اور یہ کہ وہ ہمیشہ سب سے سنیئر جرنیل کو سربراہ بناتے رہے ہیں اور اگر کسی وجہ سے نہ بنایا تو اس کو نہ بنانے کی وجوہات سے آگاہ کر دیا گیا جبکہ ہمارے ہاں معاملہ اس کے برعکس رہا ہے۔ اگر ہمارے سیاست دان اور حکمران اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے، فوج کو اپنے زیر اثر رکھنے اور آلہ کار کی حیثیت دینے کی کوشش نہ کرتے اور LOYAL LIEUTENANTS کی بجائے GOOD CAPTAINS کا انتخاب کرتے رہتے اور مقررہ وقت پر فوج کے سربراہ کو ریٹائر کرتے رہتے تو پھر شاید فوجی سربراہ یہ نہ سوچتے کہ ان سے بڑھ کر کوئی قابل شخصیت ملک میں نہیں ہے اور پھر شاید مارشل لاء بھی نہ لگتے۔ اور نہ ہی GOOD CAPTAINS ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھتے۔ پاکستان کے پہلے دو فوجی سربراہان تو انگریز تھے اور ہمیں جہیز میں ملے تھے اس لئے یہاں ان کا کردار زیر بحث لانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ان کے بعد جنوری ۱۹۵۱ء میں کئی ایک GOOD CAPTAINS کو نظر انداز کر کے جنرل محمد ایوب خان کا بحیثیت فوجی سربراہ تقرر کیا گیا۔ اگر اصولوں کی پاسداری کی جاتی، اگر قانون کی حکمرانی کو مقدم سمجھا جاتا اور طالع آزما سیاست دان ناجائز ذرائع سے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے فوج کا سہارا نہ لیتے تو جنرل محمد ایوب خان کو عہدہ کی معیاد ختم ہونے پر جنوری ۱۹۵۴ء میں ریٹائر کر دیا جاتا اور ان کی جگہ اس عہدہ پر سینارٹی کے لحاظ سے دوسرا جنرل آجاتا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلسل سات سالوں سے زائد مدت تک فوجی سربراہ رہنے کے بعد بالآخر انہوں نے ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کا نفاذ کر کے عنان حکومت سنبھال لی اور یوں اس مارشل لاء کا ارادتاً نفاذ کیا گیا۔

Marfat.com

جنرل محمد ایوب خان کے بعد اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جنرل محمد موسیٰ خان فوج کے سربراہ بنے اور اصولاً انہیں بھی ۱۹۶۱ء میں ریٹائر ہو جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہ ہوا اور وہ ستمبر ۱۹۶۶ء تک فوج کے سربراہ رہے جبکہ جنرل آغا محمد یحییٰ خان کا فوج کے سربراہ کے طور پر تقرر کیا گیا۔ اگر ۱۹۶۱ء اور پھر ۱۹۶۴ء اور پھر ۱۹۶۷ء میں فوج کے سربراہ ریٹائر ہوتے رہتے تو شاید پھر نہ تو صرف تیسرے مارشل لاء کا نفاذ ہوتا بلکہ شاید سانحہ مشرقی پاکستان بھی وقوع پذیر نہ ہوتا۔

جنرل محمد یحییٰ خان کے بعد لیفٹننٹ جنرل گل حسن فوج کے سربراہ بنے جو کہ مقررہ معیاد سے پہلے ہی سبکدوش کر دیئے گئے کیونکہ وہ LOYAL LIEUTENANT ثابت نہ ہوئے۔ ان کے بعد ۱۹۷۲ء میں جنرل ٹکا خان نے فوج کی کمان سنبھالی اور یکم مارچ ۱۹۷۶ء تک فوجی سربراہ (COAS) رہے۔ یکم مارچ ۱۹۷۶ء کو جنرل محمد ضیاء الحق فوج کے سربراہ بنے۔ ان کی مدت ملازمت یکم مارچ ۱۹۷۹ء کو ختم ہونا تھی لیکن اس سے قبل ہی ان کو مجبوراً نتیجتاً مارشل لاء کا نفاذ کرنا پڑا اور اس کے بعد وہ اب تک اپنے عہدہ کی معیاد میں مسلسل توسیع کرتے جا رہے ہیں جو کہ بالارادتاً مارشل لاء کے نفاذ کے مقصد کے مترادف ہے۔

مسئلہ صرف یہی نہیں ہے کہ فوج کے سربراہان کی مدت ملازمت میں بے جا طور سے توسیع کی جاتی رہی ہے بلکہ اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ ان تمام جرنیلوں کے فوج کے سربراہ بننے میں بیسیوں مخلص، با اصول، دیانتدار اور پھر قابل ترین جرنیلوں کا حق غصب کیا جاتا رہا ہے۔ جو جرنیل سنیئر ہونے کے باوجود نظر انداز کئے جاتے رہے وہ یقیناً جرنیلوں کے اس طبقہ سے تھے جو کہ GOOD CAPTAINS کہلاتے ہیں اور اس طرح فوج میں نہ صرف قابل، محنتی، دیانتدار اور با اصول افسران کی مسلسل حوصلہ شکنی ہوتی رہی ہے بلکہ LOYAL LIEUTENANTS کی ہوس اقتدار بھی بڑھتی رہی ہے۔

اب اگر ہم زندہ قوموں کی طرح اپنی غلطیوں سے سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس امر کے

Marfat.com

خواہاں ہیں کہ آئندہ مارشل لاء کا نفاذ نہ ہو سکے تو اس کے لئے ہمیں دو اصول اپنانے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ فوجی سربراہ کو سنیارٹی پر چنا جائے بشرطیکہ ترقیاں قابلیت پر دی گئی ہوں اور کسی جونیئر جرنیل کو سربراہ نہ بنایا جائے اور پھر یہ کہ اس کی عہدہ کی معیاد میں کسی بھی صورت توسیع نہ کی جائے تا کہ وہ اپنے آپ کو بزعم خود اشد ضروری INDISPENSABLE نہ سمجھنا شروع کر دے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے حکمران انتخاب ہارنے کے بعد آرام سے کرسی خالی کر دیں اور ناجائز طریقہ سے کرسی پر براجمان رہنے کی کوشش نہ کریں۔ ان دو اصولوں پر کاربندی کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے جو کہ اسلامی جمہوری نظام ہے جس میں کوئی بھی احتساب سے بالاتر نہیں۔ پاکستان پائندہ باد

☆☆☆☆☆

Marfat.com

آؤ احتساب کریں

نظام تعلیم

(روزنامہ جنگ لاہور، ۳ مئی ۱۹۸۶ء)

ترجمہ: ''اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے اپنے حکموں کو تا کہ تم غور و فکر کرو''۔

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹)

نظریاتی قومیں اپنے نظام تعلیم کو ہمیشہ اپنے ملی تقاضوں اور نظریاتی پس منظر میں تشکیل دیا کرتی ہیں کیونکہ ان قوموں کا اصل سرمایہ پہاڑ، دریا یا کارخانے نہیں ہوتے بلکہ درسگاہوں میں زیر تعلیم نسل ہوتی ہے اور اسی نسل پر نظریاتی اقوام کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے۔ وطن عزیز بھی ایک نظریاتی مملکت ہے جو کہ اسلام کے انقلابی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی تھی۔ اس حیثیت سے پاکستان کی بقاء و سالمیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کی نظریاتی بنیادیں اور سرحدیں مضبوط و مستحکم ہوں لہذا اس کی سب سے بڑی ضرورت ایسے افراد تیار کرنا ہے جو پاکستان کا نظام حکومت اس کے نظریاتی تقاضوں کے مطابق چلانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جبکہ ہماری تعلیمی پالیسی با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اور نہایت مربوط انداز میں ہماری نظریاتی اساس اور قومی تقاضوں کے مطابق تشکیل دی گئی ہو۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد جہاں حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں با قاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعہ تبدیلیاں لا کر انقلابی اصلاحات کا نفاذ کیا جاتا۔ یہ تو نہایت ہی ضروری تھا کہ تعلیمی پالیسی اپنے نظریاتی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مرتب کی

Marfat.com

جاتی اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے مکمل انتظامات کئے جاتے لیکن اسے ایک المیہ کے سوا اور کس چیز کا نام دیا جائے کہ اپنی قومی خود فریبی کے باعث جہاں ہم زندگی کے کسی بھی شعبہ کو اس نظریاتی مملکت کے اساسی نظریہ سے ہم آہنگ نہ کر سکے وہاں ہم نے تعلیم جیسے اہم اور نازک مسئلہ کے ضمن میں بھی اپنے قومی فرائض سے اغماض برتا اور اپنے نظام تعلیم کو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی بجائے من وعن ہی رہنے دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف ہماری وہ ملی وحدت جو کہ پاکستان کو معرض وجود میں لانے کا باعث بنی تھی پارہ پارہ ہوگئی بلکہ ہماری ملی قدریں بھی ہماری آنکھوں کے سامنے پامال ہونے لگی ہیں اور یوں اس نازک ترین ملی معاملہ سے اغماض برتنے کے نتیجہ میں جو اثرات برآمد ہوئے ہیں وہ ہماری ملی بقاء کے لئے تباہ کن ثابت ہو رہے ہیں۔

ہماری ایک اجتماعی بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں آزادی سے لے کر اب تک جس مفاد پرستانہ سیاست کا چلن رہا ہے اس کے نتیجہ میں ہر برسر اقتدار آنے والی حکومت نے زندگی کے مختلف شعبوں میں پہلی حکومت کی جانب سے تشکیل دی جانے والی پالیسیوں کے بارے میں ان کے اچھا یا برا ہونے کی بنیاد پر رائے قائم کرنے کی بجائے اپنی جماعتی اور گروہی سیاست کے نقطہ نظر سے ہی آراء قائم کیں اور اگر کسی شعبہ زندگی کے متعلق کسی حکومت نے کوئی مثبت پالیسی تشکیل دی تھی تو چاہے وہ پالیسی فی نفسہ کتنی بھی اچھی کیوں نہ تھی ہر آنے والی حکومت نے اس کی بھرپور مخالفت کو اپنا فرض اولین سمجھا اور اسے یکسر تبدیل کر دیا۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح تعلیم جیسا بنیادی اور اہم شعبہ بھی نہ بچ سکا۔ اس کا اندازہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک کی مرتب اور نافذ کردہ متعدد پالیسیوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہنس کی چال چلتے چلتے ہم تعلیم کے میدان میں اپنی چال بھی بھول چکے ہیں۔

Marfat.com

قیام پاکستان کے فوراً بعد قائداعظم محمد علی جناحؒ کی خصوصی ہدایت اور اس وقت کے وزیر تعلیم جناب فضل الرحمٰن کی کاوشوں سے انعقاد پذیر ہونے والی تعلیمی کانفرنس سے یہ امید بندھی تھی کہ شاید ہم اپنے نظام تعلیم کو قومی اور ملی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے مگر قومی سرمایہ اور پھر محنت شاقہ سے صرف سفارشات ہی مرتب ہوتی رہیں اور ان پر سنجیدگی سے غور وخوض اور عملدرآمد کا وقت آنے تک وہ حکومت جس کے ایماء پر سفارشات مرتب کی گئی ہوتی تھیں وہی تبدیل ہوتی رہی اور یوں قومی دولت سے مرتب کی جانے والی سفارشات غلط منصوبہ بندی کی بھینٹ چڑھ جاتی رہی ہیں ۱۹۵۴ء ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء میں قومی تعلیمی کمیشن کی جانب سے مرتب کی جانے والی سفارشات بھی ہمارے نظام تعلیم میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہ کر سکیں ۱۹۷۲ء میں ایک مرتبہ پھر اس وقت کی حکومت نے نئی تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا۔ گو کہ اس تعلیمی پالیسی کو وضع کرنے والی حکومت اپنے آپ کو ایک عوامی نمائندہ حکومت کہلواتی تھی پھر بھی یہ تعلیمی پالیسی بھی پاکستان کے تعلیمی شعبہ میں کوئی مثبت اثرات مرتب نہ کر سکی اور یوں مطلوبہ مقاصد کو پورا کرنے میں بری طرح ناکام رہی۔

تعلیم جیسے اہم نازک اور بنیادی اہمیت کے حامل شعبہ میں بحیثیت قوم اپنے فرائض سے سنگین اغماض برتنے اور اپنے تعلیمی مسائل کو مربوط طور پر باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے حل کرنے کی بجائے ان سے پہلو تہی کرنے کے جو سنگین نتائج اب رونما ہو رہے ہیں ان سے نہ صرف ہماری درس گاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والی طلبہ اور ان کے والدین بری طرح متاثر ہو رہے ہیں بلکہ ہمارے پورے معاشرے پر ان کے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں غلط اور ناقص منصوبہ بندی اختیار کرنے اور نظام تعلیم کو غیر مربوط طریقوں پر استوار کرنے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس ضمن میں ہمارے مسائل میں کمی ہونے

Marfat.com

کی بجائے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اس قدر تیزی سے اضافہ ہوتا چلا آیا ہے کہ اب ان کا حل نہ صرف مشکل بلکہ نہایت ہی مشکل ہو کر رہ گیا ہے۔ تعلیم کے شعبہ میں روا رکھی جانے والی ناقص منصوبہ بندی کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہے کہ ایک جانب تو نئے بچوں کو پڑھنے کے لئے نہ تو اسکول اور اساتذہ اور نہ ہی تعلیمی سہولتیں میسر ہیں جبکہ دوسری جانب ہماری درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ (جن میں کہ ڈاکٹروں اور انجینئروں کی بھی خاصی بڑی تعداد شامل ہے) بے روزگاری کا شکار ہو کر سڑکوں پر دھکے کھا رہے ہیں۔

پاکستان کی آبادی اس وقت ۹ کروڑ کے لگ بھگ ہے جس میں ہر سال ساڑھے تین فیصد کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے (حکومتی حلقے اس اضافہ کو تین فیصد ہی قرار دیتے ہیں) یوں ہمارے ہاں ہر سال اکتیس لاکھ پچاس ہزار بچے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ وہ بچے ہیں جن پر ہمارے مستقبل کا دارومدار ہے۔ انہی بچوں نے ایک دن وطن عزیز کی باگ ڈور سنبھالنا ہے اس لئے ہماری اس وقت اولین ذمہ داری یہ ہے کہ یہ بچے نہ صرف تعلیم کی دولت سے بہرہ ور ہوں بلکہ ان کی اس طور پر تربیت کی جائے کہ آنے والی کل کو یہ اپنی ذمہ داریاں ملکی تقاضوں اور پھر دور جدید کے تقاضوں کے مطابق بطریق احسن پوری کر سکیں۔ کیا ہم اپنی اس اہم ترین ذمہ داری کو پورا کر رہے ہیں؟ کیا تعلیم کے میدان میں ہم نے ایسی منصوبہ بندی کر رکھی ہے کہ ہر سال تقریباً اکتیس لاکھ بچوں کو برابر کی تعلیمی سہولتیں فراہم کر سکیں؟ کیا ہم نے ایسی منصوبہ بندی کر رکھی ہے کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کو روزگار مہیا کر سکیں؟ عملاً صورتحال شرمناک ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مایوس کن بھی ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ یہ بچے ہی ہمارا مستقبل ہیں اور انہی پر ہمارے مستقبل کا انحصار ہے۔ بچہ

Marfat.com

چاہے امیر کا ہو یا غریب کا ہماری قوم کا سرمایہ ہے اور تعلیم حاصل کرنا اس کا بنیادی حق ہے جبکہ برابر کی تعلیمی سہولتیں فراہم کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس مسئلہ کا ایک المناک پہلو یہ بھی ہے کہ جس شخص نے جائز یا ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کر لی تو وہ اپنے بچے کو تین چار سو روپے فیس ادا کر کے انگریزی اسکولوں میں تعلیم دلوا سکتا ہے جبکہ غریب کے بچے کے لئے تعلیمی سہولتیں میسر ہی نہیں ہیں اور شاید ہم اسے تعلیم کے ساتھ ساتھ روٹی دینے سے بھی قاصر ہیں۔ اسی طرح وطن عزیز میں رائج اس دوعملی کے تدارک کا عملی مظاہرہ کرنے کی بجائے ہم محض زبان سے ہی اسلام اور اسلامی اصولوں کی رٹ لگانا ہی اپنا فرض تصور کرتے ہیں جبکہ اپنے عملی فرائض سے ہم دیدہ دانستہ اغماض برت رہے ہیں۔

ہمارا موجودہ نظام تعلیم سامراجی طاقتوں نے اپنے وقت کے حالات کے پیش نظر اور پھر اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے تشکیل دیا تھا اور اس کا قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں حکومت کا تمام تر نظام وہی لوگ چلا رہے ہیں اور چلاتے آئے ہیں جو انگریزی سکولوں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ٹیڑھا منہ کر کے انگریزی زبان بولنے میں فخر انبساط محسوس کرتے ہیں۔ ان اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والا طبقہ مقابلہ کے امتحانات میں کامیابی حاصل کر کے کلیدی آسامیاں پر متمکن ہونا اپنا ورثہ سمجھ لیتا ہے۔ اس طرح ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں تعلیم حاصل کرنے والا یہ طبقہ غریب لوگوں کے مسائل سے بھی آگاہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے مسائل سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس طبقہ کو غریب اور متوسط طبقہ کی تکالیف کا احساس ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک غریب اور متوسط طبقہ کے عوام کے مسائل سمجھنے کی جانب نہ تو کسی نے توجہ کی اور نہ ہی انہیں درخور اعتنا سمجھا اور اگر ان طبقوں کی بہتری کے لئے کوئی مثبت تجویز بنی بھی تو وہ اسی سرخ فیتے کا شکار ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

تعلیمی نظام میں حائل ان عملی مشکلات کے علاوہ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ بچوں کو تعلیم دینے میں اساتذہ بنیادی اور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ والدین کے بعد بچہ جس شخصیت سے متاثر ہوتا ہے وہ استاد ہی کی شخصیت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں قابل اساتذہ کی خاصی کمی رہی ہے اور موجودہ نظام تعلیم میں بگاڑ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے ملک میں شاید ہی کوئی طالب علم ایسا گزرا ہو جس نے دوران تعلیم استاد بننے کی خواہش ظاہر کی ہو ورنہ جتنے بھی اچھے، قابل اور ہونہار طلبہ ہوتے ہیں وہ ایف اے یا ایف ایس سی کے بعد میڈیکل، انجینئرنگ یا کامرس کے شعبوں میں چلے جاتے ہیں۔ قابل اور ہونہار طلبہ کی اس کھیپ کے بعد کچھ طلبہ (اگر مالی طور پر تعلیم جاری رکھنے کی سکت رکھتے ہوں) بی اے یا بی ایس سی وغیرہ کرتے ہیں اور اس کے بعد مقابلہ کے امتحانات کے ذریعے مختلف ملازمتوں میں چلے جاتے ہیں یا پھر بینک وغیرہ کی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ طلبہ قانون کی تعلیم حاصل کر کے مختلف شعبوں میں چلے جاتے ہیں اور جو طلبہ کہیں بھی نہیں جا سکتے یا جنہیں کوئی بھی شعبہ قبول نہیں کرتا وہ اکثر مجبوراً تعلیم کے شعبہ میں آتے ہیں۔ اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسے کون سے عوامل ہیں جو کہ ذہین اور قابل طلبہ کو تعلیم جیسے اہم اور مقدس شعبہ میں جانے سے روکتے ہیں یا استاد جیسے مقدس پیشہ کو اپنانے میں مانع ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں صورتحال کا بنظر غائر جائزہ لینے سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ ہمارا تعلیمی نظام فرنگیوں کا وضع کردہ ہے جو کہ مخصوص مقاصد کے لئے تشکیل دیا گیا تھا اور جو کہ اسلام کی روح اور تقاضوں کے برعکس ہے۔ غلامانہ دور کے اس نظام تعلیم میں استاد کی نہ معقول تنخواہ ہے اور نہ ہی سرکاری حلقوں کی جانب سے انہیں وہ عزت و تکریم دی جاتی ہے جو کہ واجب الادا ہے۔ اسی طرح انہیں نہ تو سہولتیں حاصل ہیں اور نہ ہی مراعات جس کے باعث ایک عام آدمی یا طالب علم کو اس پیشہ میں کوئی کشش محسوس ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ اعلیٰ ملازمتوں میں جاتے ہیں، ڈپٹی کمشنر یا سپرنٹنڈنٹ پولیس وغیرہ بن جاتے ہیں یا پھر کلیدی آسامیوں پر فائز ہوتے ہیں وہ باوجود اس امر کے کہ اساتذہ کے مقابلہ میں کم تعلیم یافتہ ہوتے

Marfat.com

ہیں معاشرتی ناہمواریوں کے باعث انہیں اساتذہ سے زیادہ عزت وتکریم دی جاتی ہے اور ہمارا معاشرہ اخلاقی اقدار کی پامالی اور زبوں حالی کے باعث انہیں زیادہ معاشرتی رتبہ دیتا ہے۔ اگر اساتذہ کو معقول مشاہرہ دیا جائے، معاشرے میں سماجی رتبہ دیا جائے اور حکومتی سطح پر انہیں عزت وتکریم دی جائے جس کے یہ مستحق ہیں نیز انہیں ویسی تمام مراعات اور سہولتیں جو کہ دیگر اعلیٰ ملازمتوں میں افسران کو دی جاتی ہیں دے دی جائیں تو یقیناً اچھے، ذہین اور قابل طلبہ اس پیشہ میں جاتے ہوئے فخر و اعزاز محسوس کریں گے اور اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمیں قابل ترین اساتذہ کی خدمات حاصل رہیں گی جو کہ معاشرے میں مثبت تبدیلی کا باعث بنیں گے۔

اس پس منظر اور پیش منظر کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تعلیم جیسے بنیادی اور اہم معاملہ میں بھی ہم اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہمیشہ سے خود فریبی کا شکار رہے ہیں جیسا کہ اب تک اپنائی جانے والی متعدد تعلیمی پالیسیوں سے بخوبی عیاں ہے۔ ہم اپنے اساسی نظریہ، نظریہ پاکستان اور اسلام کے متعین کردہ اصولوں کو بالکل ہی فراموش کر چکے ہیں۔ ہماری ملی بقا اور سلامتی کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم کو پاکستان کے نظریاتی پس منظر کی روشنی میں اپنے ملی اور قومی تقاضوں اور پھر دور جدید کے تقاضوں کے مطابق باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے مربوط طور پر تشکیل دیں اور اگر ہم نے اب بھی اس سلسلہ میں اپنی روش کو بدلنے میں کوتاہی سے کام لیا تو اس کے نتائج ہماری ملی بقا کے لئے اس قدر تباہ کن ثابت ہوں گے کہ تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ پاکستان پائندہ باد

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

جھلکیاں

- ✓ انتخابات سیاستدانوں نے ملتوی کرائے۔
- ✓ جیل میں بھٹو پر تشدد
- ✓ انتقالِ اقتدار
- ✓ الزامات/ انکشافات
- ✓ مصطفیٰ کھر خوش فہمی میں مارا گیا۔
- ✓ لیبر پالیسی جنرل ضیاء نے جاری نہ ہونے دی۔
- ✓ مارشل لا … ہے
- ✓ تعمیری اخت … یت رکھتا ہے۔
- ✓ افغان مسئلہ … اط طریقے سے نپٹنا چاہیے۔
- ✓ پاکستان کی بقا … ب میں ہے۔

Marfat.com